جلد ۱ [illegible]

اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

تمدن

معاشرتی-تمدنی-ادبی-فلسفی-اخلاقی-تاریخی اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاضی

محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

[illegible] پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا - [illegible] خوب علی

[illegible] مقام اشاعت [illegible]

قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے یا مذہبیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں درج ہو چکا ہو اسکو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاک خانے کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) تمام مضامین درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

تمدن

تکوین

تکوین سے مراد ایجاد اور آفرینش [illegible] تکوین کے متعلق تین باتیں قابل غور ہیں جنکو اچھی طرح سمجھ لینے پر اسکا اصلی [illegible] واضح اور روشن ہوجائے گا کسی چیز کو دیکھکر پہلا سوال جو فطرت انسانی کرتی [illegible] اسکے وجود کے متعلق ہوتا ہے مثلاً انسان ہی کو لیجیے، وہ کس طرح پیدا ہوا۔ قبل وجود [illegible] اسکی کیا حالت تھی؟ آفرینش کے بعد انسانی زندگی میں کیا کیا تغیرات لاحق [illegible] اسی طرح ہر نئی چیز کو دیکھ کر تقاضائے فطرت سے پہلا سوال انسان اسکی [illegible] نسبت کرتا ہے یہی سوال ہم سارے عالم کے وجود کے متعلق پوچھ سکتے ہیں [illegible] وجود کیونکر اور کس طرح ہوا۔ آیا تمام عالم بیک وقت اپنی موجودہ حالت میں وجود پذیر ہوگیا یا تدریج رفتار زمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے ہوئے [illegible] [illegible] بہ حسب [illegible] ہے اس پے میری دریافت ان تین امور ذیل سے [illegible]

اول - یہ شے کہاں سے آئی یعنی اس کی ابتدا کیا تھی۔

دوم وجود اول کے بعد اس میں کیا کیا تغیرات لاحق ہوئے یعنی اسکی نشو و نما ترقی اور مدارج کی کیا کیا راہیں ہیں۔

سوم - اسکے وجود کی غایت اصلی کیا ہے یا اسکی آفرینش سے کن کن باتوں کی تکمیل متعلق ہے یعنی دوسرے لفظوں میں اسکے وجود کا مقصد کیا ہے۔

اب ہم اگر تینوں سوالوں کو جو کہ اک خاص شے مفرد سے متعلق ہیں - عالم کے ساتھ منطبق کریں تو ان تینوں سوالوں سے تین مسئلہ عظیم پیدا ہو جاتے ہیں، آفرینش عالم - ارتقائے عالم - مقصد وجود عالم۔

پہلے میں آفرینش کے مسئلے کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

اگر ہم یونانی تاریخ کے صفحہ اول کی طرف رجوع کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ آج سے دو ہزار برس قبل ہر چیز میں ایک مذہبی راز پوشیدہ تھا، اور چونکہ اسوقت عقل انسانی کا محض بچپن تھا، اسلیے قدرت کی وہ تمام چیزیں جو کہ ذرا انسانی دائرہ عقل سے باہر معلوم ہوتی تھیں بجائے خود خدا یا دیوتا متصور ہوتی تھیں۔ چنانچہ آفتاب اور اسکی تیز شعاع بادل اور اسکی گرج، بجلی اور اسکی چمک، قرن اولین میں دیوتا سمجھی جاتی تھیں۔ جس طرح بچہ ہر متحرک چیز میں ایک جادو خیال کرتا ہے اور اپنے متحرک کھلونوں کاٹ کے گھوڑوں کو جاندار چیزیں خیال کرتا ہے۔ اسی طرح تمدن اولیں کے سن سیرۂ اطفال قدرت کی ہر تعجب خیز شے کو صاحب قدرت خیال کرتے تھے۔ ہومر یونان کا ایک نامی گرامی شاعر، کے زمانے میں قدرت کی یہ چیزیں گویا نادیدہ خدا کے وہ جلوہ ہائے سابگ تھے جو کہ وہ پس پردہ بیٹھکر دکھلایا کرتا تھا۔ اور اسمیں اور انسان میں محض فنا اور بقا کا فرق ہے۔ گویا خدا اک دیوتا نما انسان ہے جسکے افعال حسن، انسان کے اچھے سے اچھے افعال سے بدرجہا بہتر ہیں جسکے گناہ انسانی

جرائم سے صد گونہ زیادہ اور قبیح ہیں۔ دنیا اسکے ہاتھوں کی صناعی ہے، اسکی سلطنت ہے، اسکی خواہشوں کا میدان اور اسکی شکست و فتح کا تماشا گاہ ہے۔ انسان جن کی محبت کے عوض وہ حسد کرتا ہے۔ اسکی خواہش نفسانی کا کھلونا ہے۔ چونکہ خود اسکو بقائیت کا اسدرجہ شوق ہے، اس لیے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اس امر میں اسکا ہمسر ہو۔ لہذا وہ انسانی خوشی کو جو کہ بقائیت پر منحصر سمجھی جاتی ہے، کبھی کامل نہیں کرتا۔ خالص سے خالص عبادتیں بہتر سے بہتر قربانیاں اور اچھی سے اچھی ایمانداریاں کبھی اسکو خوش نہیں کرسکتیں، جبکہ ہماری خوشحالی اسکو ناگوار گذرتی ہے۔ اور یہ مرض تعدی تمام ان خدا نما دیوتاؤں میں پھیلا ہوا ہے جنکو کسی طرح پر بھی کسی امر میں قدرت حاصل ہے۔ وہ بغیر انسان کو ستائے اپنی زندگی کامل نہیں خیال کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حکیم سولن وغیرہ کی نظمیں اس قسم کی باتوں سے بھری پڑی ہیں اسلیے وہ ایسی بُری زندگی پر، جس میں ان دیوتاؤں کے ظلم اور حملوں سے مفر نہیں، موت کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کو خوش قسمت خیال کرتے ہیں جو کہ پیدا ہوتے ہی بچپن ہی میں سدھار گئے یا جو مرنے سے پہلے ہی نہیں ہوئے۔

جوں جوں ضمیر اخلاقی انسان میں ترقی کرتا پاک اور پاکیزہ ہوتا جاتا ہے مذہبی خیالات بدلتے جاتے ہیں اور روحانیت اور علویت اختیار کرتے ہیں۔ اسی بناپر ہومر کے دیوتا، جو کہ غصہ نزاع اور جرائم کے معدن تھے، پنڈار اسکائلس کے دیوتاؤں سے جو کہ منصف اور عاقل ہوتے تھے بدلتے گئے، مذہبی اور اخلاقی ترقی بالآخر، وحدانیت خدا کے جانب راجع ہوتی ہے۔

اخلاقی بیداری سے جو کہ حکمائے یونان کے خیال میں احساس حُسن کے ہم معنی ہے، عقل سے بہت کچھ اتحاد رکھتی ہے۔ اور اسکا طبعی رجحان وحدانیت کی

طرف ہوتا ہے وحدانیت کے جذبات سے متاثر ہو کر مذہب یہ سوال کرتا ہے کہ کون یا
دیوتا قدیم ہے، اور اسکا وجود مورث اعلیٰ کی ذات سے کس طرح ہوا۔ دوسرا
پہلے پہل عقل کی روشنی نمودار ہوتی ہے اور فلسفی خیالات کو ایک قسم کی فرحت و تازگی
حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ مضحکہ خیز واہمات نظام قدرت کے عقلی تشریح کے پیش خیمہ ہیں

ضمیر اور عقل میں ایک تیسرے جزو اعظم کا اور بھی اضافہ ہوتا ہے اور وہ "تجربہ" ہے
تجربہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک تجربہ عملی دوسرا تجربہ ذاتی، تجربہ عملی وہ ہے، جسکو انسان عمل
کرکے دکھا سکتا ہے، علم کیمیا کا یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ پانی مرکب ہے شوریہ
(آکسیجن) اور مائیہ (ہیڈروجن) سے، اب ہم اس امر کو تجربہ سے ثابت کرتے ہیں یعنی
دو حصہ شوریہ اور ایک حصہ مائیہ کو آمیزش کرکے، اس میں بجلی کے تار گذارتے ہیں اور
وہاں فوراً ایک حصہ پانی موجود ہو جاتا ہے۔ اسکو تجربہ عملی کہتے ہیں۔ دوسرا تجربہ
ذاتی ہے، جو کہ انسان اپنی زندگی میں نشیب و فراز زمانہ کو معائنہ کرکے، قاعدہ کلیہ
کے طور پر اصول قائم کرتا ہے وہ تجربہ ذاتی ہے اور میری مراد تجربہ سے یہاں تجربہ
ذاتی ہے۔ تو یہ تجربہ مذہبی خیالات میں انقلاب پیدا کرنے میں بہت ہی معاون ہوتا ہے
اور بہت سے ثبوت پیش کرکے یہ دکھاتا ہے کہ تمام موجودات قدرت کی توضیح اور
تشریح متلون ارادوں سے غیر ممکن ہے۔ ریاضی کے واقعات اپنی ماہیت
اور ضرورت کے باعث، مذہبی توہمات کو باطل ٹھہرا دیتے ہیں، ہم کس طرح یہ
خیال کرسکتے ہیں کہ دو اور دو چار یا کسی مثلث کے تینوں زاویے دو زاویہ قائمہ کے برابر ہیں
محض متلون ارادوں کے نتیجے ہیں اور ضرورت لازم نہیں ہے۔ اسی طرح سماوی
اور ارضی واقعات کے مشاہدات اور اُن کے اوقات کی پابندی اور برقراری
اس خیال کو پختہ کرتے ہیں کہ کوئی ایسی ذات ارادی ہے جو دیوتاؤں کے تلون
سے برتر ہے۔ جو کہ انصاف کا مخزن ہے۔ واضع قانون قدرت ہے۔ اور عقل کل ہے۔

علم فلسفہ کے موجد، مثلاً تھیلس، فیثا غورث، زینوفینش، وغیرہ جنھوں نے پہلے پہل ان تلونات کی گرفت کی ہے کچھ حد تک ماہرین طبیعات، ہیئات اور ریاضی تھے۔

قدیم توہمات میں آفرینش کا مفہوم پیدائش تھا، دنیا اور دیوتا کسی خاص ماں باپ کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں لیکن جدید علم کلام کا رجحان خدا کو عالم سے علحدہ کرنے کا ہے۔ اور آفرینش کی کارروائی کو پیدایش یا انسانی ترکیب صناعی سے جدا دکھانے کا ہے۔ لیکن تمام قدیم مذہبوں میں آفرینش ایسی کارروائی خیال کیجاتی ہے۔ جوکہ افعال انسانی اور عقل انسانی کے طرز ایجاد سے متشابہ ہے۔ آفرینش اور تمام واقعات کی طرح واقعہ زمانی ہے، اور ابتدائے مطلق نہیں ہے یعنی دنیا ہمیشہ سے اک مجموعہ غیر مرتب تھی، اور آفرینش سے دنیا کا اصل اول وجود میں آنا مراد نہیں ہے بلکہ اس میں ترتیب اور نظم پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ عالم حکم خدا سے، ایک مجموعہ غیر مرتب سے، وجود پذیر ہوا ہے۔

لیکن ایام جدید میں جبکہ فلسفی خیالات ترقی پاگئے ہیں فعل آفرینش، دوسرے افعال سے الگ سمجھا جاتا ہے آفرینش وجود مطلق خیال کی جاتی ہے، اب یہ ایک واقعہ واقعات زمانہ سے نہیں متصور ہوتا ہے، اب یہ محض ایک غیر مترتب مجموعہ کو ترتیب دیدینے کے مصداق نہیں ہے۔

جس وقت یہ نیا خیال دماغ میں پہنچا، اور اسکی چھان بین ہونے لگی، اسکے ساتھ ساتھ اک گہری اور اصولی دقت پیدا ہوگئی، اور یہ دقت اتنی بڑی ہے کہ آج تک تمام حکمائے علم تکوین دو مختلف گروہوں میں منقسم ہیں اگر آفرینش عالم کی ابتدائے مطلق تھی تو وہ کیونکر وجود میں آئی۔ ایک طرف ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے دنیا کو لاشے سے پیدا کیا اور خدا عالم سے بالکل علحدہ رہتا ہے، دوسری طرف یہ کہہ سکتے ہیں ہم خدا اور عالم کو جدا نہیں کرسکتے، اور عالم بھی ویسا ہی ابدی

اور ازلی ہے جیسا کہ خدا، یعنی عالم خدا کا جلوۂ ذاتی ہے، اس طرح ہم کو دو گروہ فلاسفہ کے ملتے ہیں، ایک موحد، یعنی خدا پرستوں کا گروہ ہے، دوسرا ہمہ اوستوں کا ہے؛

خدا پرستوں کی یہ تعلیم ہے کہ دنیا کی آفرینش محض لاشئے سے ہوئی ہے۔ لیکن ہمہ اوست یہ کہتے ہیں کہ جبتک ہم آفرینش کو واقعہ زمان نہ مانیں یعنی خدا کے ابدی زندگی میں ایک واقعہ نہ تصور کریں جسکے قبل خدا موجود تھا لیکن عالم کا وجود نہ تھا جب تک ہمارے برہان سے اس میں کہاں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر عالم کا آغاز زمان میں ہوا تھا تو ہم کو یہ امر واضح کرنا ہوگا کہ وہ کسطرح وجود میں آیا۔ لیکن اس امر کی تشریح کرنے میں کہ عالم کس طرح وجود میں آیا ہمکو نہ صرف عالم کے متعلق تفتیش کرنی ہوگی، بلکہ خدا اور قبل وجود عالم خدا کی زندگی کی بھی تشریح کرنی پڑے گی، جبتک ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ خدا نے کس طرح دنیا کو پیدا کیا اس وقت تک ہم آفرینش محض کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ المختصر ایسی آفرینش آغاز مطلق نہیں ہے، اور عقل انسانی یہ کہتی ہے کہ آفرینش کے لیے آغاز مطلق لازمی ہے یعنی آفرینش کے اصل مسئلے کو جو کہ آغاز عالم سے تعلق رکھتا ہے، اب بلکہ خود خدا کے وجود کے متعلق تحقیقات کرنی پڑے گی۔

پس وہ آفرینش جسکو فلسفہ صحیح تصور کرے، واقعہ زمانی نہیں ہو سکتی جسکے قبل کوئی سبب یا علت ہو، کیونکہ پھر اس واقعہ کا سبب کوئی دوسرا واقعہ ہی ہوگا۔ یعنی اس شے میں جو کہ قبل سے موجود تھی، اک تغیر زمانی لاحق ہوگا، اور اسطرح ذات خدا میں تغیر لازمی ہوگا۔ اس لیے آفرینش کے آغاز وجود مطلق لازمی ہے، یا ایسی ابتدا جسمیں وجود ما قبل کا الحاد نہ ہو۔

لیکن موحدوں کا یہ قول ہے کہ آفرینش غیر زمانی ہے یعنی تمام زمان سے قبل (اور یہ تناقض لفظی ہے) جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سرے سے واقعہ یا حادثہ ہی نہیں ہے، اور اگر ایسا ہے تو پھر عالم مانند خدا کے ابدی ہے لیکن موحد اس امر سے منکر ہیں

کہ خدا اور عالم ایک ہے۔ خدا عالم سے جدا ہے۔ خدا نے اسکو اپنی ذات سے نہیں پیدا کیا بلکہ لاشئے محض سے، اور اس کا وجود خدا کے وجود سے الگ ہے۔ یہاں پر ایک گہرا مسئلہ فلسفہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو میں باب علم اسماء میں بیان کروں گا۔

(باقی آیندہ)　　　نصیر حیدر

بیتابیِ تلاش

وقفِ بیتابی ہوں آثارِ سحر تک ہر شب　　　ڈھونڈھتا ہوں تمھیں انوارِ سحر تک ہر شب
وہ سحر پہنے سنہری جو قبا ہوتی ہے　　　جب اندھیرے میں سمندر کی ضیا ہوتی ہے
دیکھنے کو تمھیں بیتاب میں ہو جاتا ہوں　　　گویا اک ماہیِ بے آب میں ہو جاتا ہوں

ناشکیبائی سے اندوہ سہا کرتا ہوں
مَیں تمھارے لیے بیچین رہا کرتا ہوں

دوپہر تک ہوں تمھارے لیے سرگرمِ تلاش　　　بڑھتا ہی جاتا ہے ہر لمحہ مرا عزمِ تلاش
ڈوب کر جبکہ سمندر میں ہوا آتی ہے　　　ماتمی گیت کی کانوں میں صدا آتی ہے
مَیں ترس جاتا ہوں سُننے کو تمھاری آواز　　　دل میں ہو جاتا ہے پیدا مرے اک سوز و گداز

بیقرارانہ غمِ ہجر سہا کرتا ہوں
مَیں تمھارے لیے غمناک رہا کرتا ہوں

جستجو ہی میں مجھے شام ہوا کرتی ہے　　　وہ بھی تو باعث آلام ہوا کرتی ہے
خستگی دن میں جو ہو جاتی ہے پیدا مجھ میں　　　اور پھر دیتی ہے اک جوشِ تمنا مجھ میں
خواب میں بھی تو تمھیں ڈھونڈھتا رہتا ہوں میں　　　کثرتِ شوق سے ہر بار یہ کہتا ہوں میں

مَیں تمھارے لیے بیتاب رہا کرتا ہوں
ہمہ تن ہستیِ سیماب رہا کرتا ہوں

(ترجمہ)　　　ارشد تھانوی

آئینۂ ہستی[1]

دوسرا رخ

(جسمیں موت کا وہ عبرتناک سین دکھلایا گیا ہے جسے ایکدن ہر شخص کو چار وناچار دیکھنا پڑے گا)

نخلِ حیات باغ جہاں میں جو ہے شجر مرقوم اُسکے پتوں پہ ہے نام ہر بشر
چالیس روز وقت معین سے پیشتر گرتا ہے جسکے نام کا پتا زمین پر
نام اُس کا مرنے والوں میں مرقوم ہوگیا
چالیس دن وہ پہلے سے مرحوم ہوگیا

صد حیف مرنے والے کو اسکی نہیں خبر اُس کا شمار مُردوں میں ہے آسمان پر
دنیا کی لذتوں میں ہے وہ محو اس قدر واقف نہیں کہ ہوتی ہے کب شام کب سحر
آنکھیں ہیں بند نشۂ دولت سے چور ہے
دل میں شراب عیش کا ہردم سرور ہے

جب باقی حصہ عمر کا یوں ہی گذر چکا نیکی بدی جو کرتا تھا سب کچھ وہ کر چکا
بارِ عظیم سر پہ گناہوں کا دھر چکا پیمانہ جب حیاتِ دو روزہ کا بھر چکا
امراض مختلف میں وہ بیمار ہوگیا
بیٹھے بٹھائے موت کا آزار ہوگیا

مصروف چارہ سازی میں ہیں سب ڈاکٹر طبیب تدبیریں اُلٹی ہوگئیں یا قسمت و نصیب
بالیں پہ رو رہے ہیں کھڑے مخلص و حبیب منکا ڈھلا ہوا ہے دمِ واپسیں قریب

ل نوٹ۔ آئینہ ہستی کا پہلا رخ تمدن جنوری نمبر میں شائع ہو چکا ہے "

ہے کشمکش میں جان تشنج غضب کا ہے
اعمال بد کا خوف ہے ڈر اپنے رب کا ہے

افسوس مرنے والے کو یہ غم ہے دوسرا   مال و متاع لیں گے یہ سب خویش و اقربا
اولاد و ملک و مال سے ہو جاؤنگا جدا   کوئی نہ ہوگا حامی و ناصر بجز خدا
ہے یاں تو جسم و روح میں جھگڑا پڑا ہوا
شیطاں اُدھر ہے گھات میں اپنے کھڑا ہوا

ناگاہ اُسکی آنکھوں میں ظلمت سی چھا گئی   سمجھا وہ غم نصیب قضا میری آ گئی
کانپا بدن جو ضعف سے دہشت سما گئی   موت آکے اپنی شکل بھیانک دکھا گئی
بیکار اعضا ہوگئے طاقت چلی گئی
پتھرائیں آنکھیں ہائے بصارت چلی گئی

دیکھا جو آنکھیں پھاڑ کے کوئی نہ پاس تھا   مونس رفیق رنج و غم بے قیاس تھا
دکھلانے کو عزیزوں کا چہرہ اداس تھا   سمجھا یا دل مریض یہ خوف و ہراس تھا
دکھلایا یہ اخیر میں غفلت کے جام نے
اعمال بد کھڑے تھے سیہ پوش سامنے

تکلیف نزع کی نہیں ہوسکتی ہے بیاں   منظر وہ خوفناک قیامت کا وہ سماں
ایذائیں لاکھوں ایک تن زار و ناتواں   کون آئے کام غیر خداوند مہرباں
وہ گر مدد کرے ابھی بیڑا یہ پار ہو
وہ ساتھ دے تو پھر کوئی کیوں بیقرار ہو

نامہ سیاہ دیکھ کے وہ بیکس و غریب   چیخ اٹھا فرط غم سے کہ پھوٹے مرے نصیب
دوڑے مدد کو ہائے نہ احباب اب طبیب   اولاد بھی نہ آئی دم واپسیں قریب
آخر کو اُس نے سخت مصیبت سے جان دی

ایڑی رگڑ رگڑ کے اذیت سے جان دی

موت اسکی دل سے چاہتے تھے خویش و اقربا　　پھینک آئے جا کے قبر میں لاشہ غریب کا

ڈالے نہ تا نسے پھول نہ روشن کیا دیا　　جا کر کبھی کسی نے نہ پھر فاتحہ پڑھا

مر کر بھی چین پایا نہ اس غم نصیب نے

اولاد کام آئی نہ پوچھا حبیب نے

رکھو نہ دل میں دھیان بت خوش جمال کا　　ہو لب پہ ذکر صاحب عز و جلال کا

سودا انکا و سر سے رہتا جاہ و مال کا　　سچا ہے قول یہ کسی صاحب کمال کا

"آگاہ اپنی موت سے ہر گز بشر نہیں

سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں"

تیغ قضا کا زخم بھی کھانا ضرور ہے　　مر کر خدا کے سامنے جانا ضرور ہے

بے شبہ روز حشر کا آنا ضرور ہے　　یاداش اپنے کاموں کی پانا ضرور ہے

قہار ذوالجلال سے ہر دم ڈرا کرو

روزہ رکھو نماز برابر پڑھا کرو

سید محمد اسمعیل رسا ہمدانی گیاوی

ضروری گذارش | "تمدّن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا انکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

جو حضرات "تمدّن" کی عمر کے پانچویں سال کے اختتام یعنی آخر اپریل تک تمدّن کو چار مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُن کی خدمت میں ایک سال کے لیے "تمدّن" مفت حاضر ہوگا۔ جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائینگے انکے پاس چھ ماہ تک پرچہ مفت حاضر ہوگا۔

عورت

(اسلامی نقطۂ نظر سے)

موجودہ دور کے مفید اور دلچسپ مباحث میں سے عورت کا مسئلہ ہے کہ جو مختلف پہلوؤں سے زیر بحث آسکتا ہے۔

اہل الرائے حضرات اس مسئلہ کے تمام شعبوں پر اپنے اپنے خیالات کے مطابق روشنی ڈال چکے ہیں لیکن پھر بھی افراد انسانیہ کے فطری تنازع کی وجہ سے یہ مسئلہ آج تک نہ حل ہو سکا اور یہی وجہ ہے کہ اسوقت بھی کوئی شخص اپنے فیصلہ کو مختتم فیصلہ نہیں کہہ سکتا۔

میں اس پامال مسئلہ پر قلم نہ اُٹھاتا لیکن ملکی ضرورتوں اور خود اس مسئلہ کے اہم اور مفید ہونے نے اس امر پر مجبور کیا کہ جس بحث پر میں اپنے زمانۂ طالبعلمی میں باوجود متعدد معلومات کی جستجو کے کوئی رائے نہیں قائم کر سکا تھا آج اُسکے متعلق ایک فیصلہ کن خیال کا اظہار کر کے قوم کو اس سے مستفید ہونے کا موقع دوں۔

میں اس مسئلہ کے تین شعبوں سے بحث کروں گا۔

(۱) عورت کے حقوق (۲) تعدد ازدواج (۳) طلاق۔

ان میں سے آخر کے دونوں شعبے فرداً فرداً خود ایک مستقل بحث کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنکو اول بحث سے چنداں تعلق نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں بھی فی الحال مسئلۂ اولی پر روشنی ڈالونگا ہاں اسکے بعد اگر تفکرات زمانہ اور تنازعات مادیہ نے مہلت دی تو اسی سلسلہ کو جاری رکھ کے آخری مباحث سے بھی سبکدوش

ہو جاؤں گا۔

"عورت کیا چیز ہے"

قدرت کی کاریگری کا نمونہ۔ بقاء نسل انسانی کا ذریعہ۔ نظام عالم کو ثابت و برقرار رکھنے کا آلہ۔ مرد کی زندگی کو کامل بنانے والی۔ اُسکی محبوبہ۔ اُسکو مطمئن اور اپنی طرف متوجہ کرنے والی دیوی عورت کے یہی خصائص باعث ہیں اس امر کے کہ خدانے بھی اُسکو جسم۔ عقل۔ قوت اور تدبیر وغیرہ میں مرد سے بالکل مختلف پیدا کیا ہے تاکہ دو توام صنفوں میں سے غالب صنف مغلوب کو اپنے میں جذب کر کے اتحاد و اتفاق کو قائم رکھے کہ جس پر کُل نظام عالم کا مدار ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ دونوں اپنی عقل و قوت میں یکساں ہوتیں تو کسی طرح ہم اُن میں یہ موجودہ میل جول نہ پاتے بلکہ ہر ایک دوسرے کو اپنے میں جذب کرنے کی کوشش کرتا نتیجہ یہ ہوتا کہ دونوں آپس میں ٹکراتے اور تمام نظام عالم درہم و برہم ہو جاتا۔

موجودات عالم پر ایک غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکا نظام اسی اختلاف پر مبنی ہے اور ہر جنس بلکہ ہر نوع میں یہ اختلاف پایا جانا ضروری ہے تاکہ قوی ضعیف کی حفاظت کرے اور ضعیف قوی کی تابعداری اور پھر یہی حفاظت و تابعداری کا باہمی تعلق غالب کے لیے مغلوب پر شفقت و رحمت کرنے کا باعث ہو۔

یہ ایک نیچرل قانون ہے کہ جو اور بھی بہت سی حکمتوں پر مبنی ہے۔ نہ کسی شخص کے پاس ایسے وسائل ہیں کہ جو اُنکی مدد سے اس نظام کی تردید کر سکے نہ وہ خود قابل تردید ہے کیونکہ وہ ایک نیچرل اور طبعی اصول ہے۔ اور یہی قانون راز ہے حکومت اور سلطنت کی ضرورت کا ورنہ ہر ایک دوسرے پر ظلم و تشدد کر کے اسکو فنا کر دیتا۔ ملک میں قتل و غارت شروع ہو جاتا۔ امن و امان بالائے طاق آبادی تباہ ہو جاتی حیات کا سلسلہ منقطع ہو جاتا حتی کہ تمام عالم فنا ہو جاتا اسی طرح سمجھ لو کہ اگر عورت

ہر طرح مرد کے مساوی ہوتی تو وہ کسی طرح اُسکی حکومت کو اپنے اوپر منظور نہ کرتی اور کبھی اُسکے غلبہ کو اپنے لیے پسند نہ کرتی جسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ دونوں میں سے کسی کو دوسرے کی طرف رغبت نہوتی بلکہ ہر ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتا نہ باہمی میل جول ہوتا اور نہ عقد و ازدواج نہ نسل انسانی پائی جاتی نہ کوئی نظام عالم بیشک کہ نہ دنیا میں آبادی ہوتی اور نہ خود دنیا اور ہم سب کو اس عالم سے ہاتھ دھونا پڑتا۔

یہ امور ہیں جو ہم کو اس نتیجہ تک پہنچاتے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں عاجز و کمزور ہونا ضروریات زندگی میں سے ہے اور اسقدر ظاہر اور بدیہی یہ بات ہے کہ کوئی ذیعقل اس سے انکار نہیں کر سکتا اب اگر اسکے بعد بھی ہم پبلک میں اس خیال کو پھیلائیں کہ نہیں مرد کو ضرور عورت کے سامنے دبنا چاہیے تو ہماری وہی مثل ہوگی۔

وَمُكَلِّفُ الْاَيَّامِ ضِدَّ طِبَاعِهَا مُتَكَلِّفٌ فِي الْمَاءِ جَذْوَةَ نَارٍ

(زمانہ کی روش اور طبیعت کے خلاف کام کرنیوالا انسان اُس شخص کی مثل ہے کہ جو پانی میں آگ کی چنگاری تلاش کرے) چونکہ قدرت نے خود ہی مرد کو عورت پر باعتبار قوی اور عقل وغیرہ کے تفوق دیدیا تو یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ہم طبیعت کے خلاف مرد کو عورت کا محکوم یا اُسکے مساوی بنائیں اور عورت کو مرد کا محکوم بنانے کی کوشش نہ کریں کہ جو طبیعت کے موافق ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے آسان ہے اور پھر جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ازل سے لے کر اس وقت تک جتنی قومیں گذری ہیں سب عورت کو مرد کا محکوم بتاتی اور اُس کی حفاظت میں دیتی چلی آئی ہیں اور مرد برابر اُنپر حاکم رہا ہے کیونکہ خدا نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

(مرد عورتوں پر غالب ہیں اسلیے کہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) - کسی حقیر سی حقیر چیز کا اُسکی طبیعت کے خلاف پھیرنا جب گمراہی ہے تو عورت کو اُسکی طبیعت کے خلاف مرد کے مساوی یا اُس سے غالب کرنا ضرور ایک ایسا فعل ہوگا جو بالکل عبث اور نظام عالم کے خلاف ہو۔

اب رہا یہ امر کہ "مرد کو عورت پر عقل و قویٰ وغیرہ کے اعتبار سے تفوق اور غلبہ حاصل ہے" میرے موضوع سے خارج ہے کیونکہ یہ علم تشریح الابدان کے مسلمہ مسائل میں سے ہے یہاں اُس سے بحث کرنا فضول ہے اگر کسی کو تحقیق کرنا مقصود ہو تو اُس فن کی کتابوں کی طرف رجوع کرے یا موجودہ اطبا سے استفادہ کرے۔

الیاس

ریویو

اصلاح زبان اُردو

اس نام کی ایک کتاب جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی پریسیڈنٹ چشمۂ سخن ندوہ گیا سکرٹری انجمن اصلاح سخن لکھنؤ نے تصنیف کی ہے اسمیں بیشتر اساتذہ کے ایسے اشعار جمع کیے گئے ہیں جنمیں وہ الفاظ صرف ہوئے ہیں جو آج غیر فصیح سمجھے جاتے ہیں اور ترک کردیے گئے ہیں۔ ایسے اشعار کا انتخاب ناسخ - وزیر - آتش - غالب - ذوق - امیر - جلال - داغ وغیرہ حضرات کے کلام سے کیا گیا ہے۔ گو کسی لفظ کے فصیح اور غیر فصیح ہونے اور ترک کرنے یا نہ کرنے کی بحث بہت مشکل اور طویل ہے تاہم بادی النظر میں کسی لفظ کا زبان زد ہونا ہی اُس لفظ کے ترک کردینے کا مؤید ہوتا ہے اور جناب عشرت نے اس اصول کے اتباع میں بہت سے ایسے الفاظ اساتذۂ سابق کے دواوین سے منتخب کرکے مع اُن الفاظ کے پیش کیے ہیں جو آج انکے بجائے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے مفید ہونے کے علاوہ جو آجکل کی اُردو کو پڑھنا بولنا اور سیکھنا چاہتے ہیں ان حضرات کے لیے بھی مفید ہے جو اساتذہ کے کلام سے ان الفاظ کی سندیں پیش کرنے کے عادی ہیں جو آج یا تو بالکل استعمال نہیں ہوتے یا کم استعمال ہوتے ہیں دونوں گروہوں کے لیے یہ کتاب ایک ایسا مجموعہ ہے جو انکی ضروریات کو ایک حد تک پورا کرسکتا ہے۔

اصلاح زبان اُردو مصنف کے پتہ پر احاطۂ خانساماں لکھنؤ سے ۴ر میں مل سکتی ہے۔

تقطیع ۱۸ - ۲۲ - صفحات ۴۲ -

تاریخ کے اقسام

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۴)

اگرچہ عالم کا ہر واقعہ تاریخ عام میں درج کیا جا سکتا ہے مگر واقعات کی نوع اور خصوصیات کے لحاظ سے تاریخ کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کا نام جداگانہ ہے مثلاً

(۱) سیرۃ جو کسی خاص اولوالعزم اور نامور شخص کی زندگی کے پورے حالات پیدائش سے لے کر سن رشد، تعلیم و تربیت، اخلاق و عادات وفات تک بیان کیے جائیں اور اسکے تمام کارناموں پر مفصل تبصرہ ہو،

(۲) تاریخ اجتماعی، جسمیں کسی قوم کے عام اطوار و مراسم اور انکے باہمی تعلقات سے بحث کی جائے۔

(۳) تاریخ سیاسی، کسی قوم کے طرز حکومت، اسلوب سیاست، فتح و شکست اور اسکی جنگوں کا اسمیں ذکر ہو،

(۴) تاریخ اقتصادی، جو کسی قوم کی دولت، مال و ثروت اور صنعتی و زراعتی حالات بتلائے،

(۵) تاریخ علمی یا ادبی، اسکا موضوع بحث کسی قوم کے علم و ادب، تالیف و تصنیف نقل و تراجم اور شعراء و علماء کے حالات کا بیان کرنا ہے مورخ پر فرض ہے کہ ہر قسم کو مستقل موضوع قرار دے تاکہ اسکے تمام جزئیات کا بآسانی استقصا کر سکے اور تاریخ کا اصلی مقصد فوت نہو ورنہ ہر قسم اور ہر نوع کے واقعات اگر ایک جگہ جمع کردئے جائیں تو اُن پر کافی روشنی نہیں پڑے گی اور بہت سے ضروری واقعات مورخ کے

قلم سے رہ جائیں گے یا وہ عمداً انکو نا قابل التفات سمجھکر قلم انداز کر دے گا۔

فلسفہ تاریخ

(۵)

یہ ظاہر ہے کہ دوسروں تک واقعات جن ذرائع سے پہنچتے ہیں ان میں چند در چند وجہوں سے اصلی حقیقت کا پوشیدہ رہ جانا یا اسمیں کسی قدر تغیر پیدا ہو جانا بہت ممکن ہے اور اس لیے جو کچھ نتائج ان واقعات سے اخذ کیے جا سکتے ہیں وہ واقعیت سے اکثر دور ہوں گے مثلاً مسعودی کا بیان ہے کہ "صحرائے سجلماسہ میں ایک ایسا شہر آباد ہے جسکی تمام عمارتیں تانبے کی بنی ہوی ہیں اور اُسکے دروازے سب کے سب بند پڑے رہتے ہیں اس شہر کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اسکے شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھکر اندر جھانکتا ہے وہ تالیاں بجا بجا کر اندر کود پڑتا ہے اور پھر وہاں سے کبھی واپس نہیں آتا" اس قسم کی تمام روایات کے غلط و صحیح جانچنے کے لیے جن اصول سے بحث کی جاتی ہے یہ مجموعہ فلسفہ تاریخ کے نام سے موسوم ہے جسکی مختصر تعریف یہ کی گئی ہے کہ "قواعد عامہ کی بنا پر تاریخی روایات کے اسباب و علل بیان کرکے صحیح نتائج بتائے" علامہ ابن خلدون فلسفہ تاریخ کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسعودی کے اس بیان کو غلط ٹھہراتا ہے، علامہ موصوف کی دلیل یہ ہے کہ اگر صحرائے مذکور میں اس قسم کا کوئی شہر ہوتا تو اس راہ کے رہروون کو اسکا علم ضرور ہوتا دوسرے یہ کہ معدنی چیزوں کے ظروف یا اسی قسم کی دوسری چیزیں بنائی جاتی ہیں، تانبے کی عمارت اور اس سے بڑھکر پورے شہر کی تعمیر معدنی چیزوں سے نہیں کی جاتی ہے،

اس فن نے خاص کر مستقل صورت اختیار کرلی ہے اسمیں وہ تمام اسباب بتائے جاتے ہیں

جنکی بنا پر روایات میں تغیر ہوتا ہے وغیرہ وہ اصول مذکور ہیں جن سے واقعات کی اصل حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے،

مورخ کے اوصاف

(۶)

تاریخ نہایت مہتم بالشان فن ہے اسلیے کسی مورخ کی حیثیت اسوقت تک نمایاں نہیں ہوسکتی جبتک چند اوصاف اسمیں جمع نہ ہولیں، اسکے برخلاف عام طور سے یہ غلط خیال قائم کرلیا گیا ہے کہ متعدد واقعات کا حفظ کرلینا تاریخ دانی کی سند کے لیے کافی دلیل ہے، حقیقت یہ ہے کہ مورخ اپنی قوم کا مصلح اور اپنے ملک کا رہبر ہوتا ہے وہ گذشتہ واقعات کو اسلیے نہیں دیکھتا کہ وہ صرف واقعات ہیں بلکہ اسلیے انکا مطالعہ کرتا ہے کہ وہ کیوں پیدا ہوے اور انکے ظاہر ہونے کے اسباب کیا تھے، جنکو وہ اپنے پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی قوم کے لیے ایسی شاہراہ متعین کرتا ہے جو اسکی منزل مقصود کے لیے آسان اور قریب تر ہو، وہ قومی امراض کا طبیب بھی ہوتا ہے اسلیے اسکو پچھلی قوموں کے عروج و زوال کی علت معلوم کرنا پڑتی ہے جس سے اسکو اپنی قوم کی تشخیص مرض میں نہایت کامیابی ہوتی ہے، الحاصل قوم کی کمزوریں کا دفع کرنا، ترقی کی صحیح راہیں بتلانا، فلاح و بہبود کی بہترین تجاویز پیش کرنا مورخ کے لیے اسوقت تک ناممکن ہے جبتک اسکی بلند نگاہیں واقعات کے سلسلۂ اسباب پر نہ پڑیں، اس بنا پر اسمیں دو وصفوں کا پایا جانا نہایت ضروری ہے:

(۱) علوم کی جامعیت، اسکا مقصد یہ ہے کہ مورخ کا دماغ مختلف علوم سے پرورش پاکر ہر قسم کے مسائل سمجھنے کی استعداد اور قوت فیصل کی صلاحیت رکھتا ہو فرض کیجیے کوئی شخص یونان کی پوری تاریخ لکھنا چاہتا ہے مگر اسکا دماغ علمی مسائل سے

بے بہرہ ہے تو وہ یقیناً یونانی حکماء کے علمی مسائل کو قلم انداز کر دے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ یونان کی علمی ترقی کی صدائیں فضائے موہوم میں گونجتی پھریں گی اور موجودہ نسلیں اُن طرب انگیز نغموں سے بہرہ اندوز نہ ہونگی، یا یوں سمجھیے کہ ایک ہی واقعہ چند مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے ایک جاہل اپنی جہالت سے اسکو متعدد واقعات تصور کرے گا لیکن عالم کسی ایک صورت کو ترجیح دے کر باقی صورتوں کو رد کر دے گا غرض مورخ کو وقت ذکر حسن نظر کی ضرورت برابر ہوا کرتی ہے اور یہ بغیر علم کے حاصل نہیں ہو سکتے۔

(۲) امانت، اسکی غرض یہ ہے کہ وہ باتیں جو مورخ کی تحقیقات سے ثابت ہو چکی ہیں انکا تعلق خواہ کسی قوم اور کسی گروہ سے بھی ہو بلا کم و کاست ظاہر کر دے مگر بعض مورخ اپنے قومی جذبات اور مذہبی تعلیمات سے متاثر ہو کر واقعات کی صورت مسخ کر دیتے یا اُنکے پردہ پوشی کی کوششیں کرتے ہیں جو اُنکے لیے سخت جرم ہے، انجام کار ان کی تحقیقات کا اثر وسیع نہیں ہونے پاتا اور اُنکی وقعت لوگوں کے دلوں میں قائم نہیں ہوتی۔

تاریخی تصنیفات کی خوبیاں

(۷)

کسی علم یا فن کی کتابیں اسوقت تک عام مقبولیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتیں تاوقتیکہ ان میں خاص خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے، تاریخی تصنیفات بھی اسوقت دلوں میں جگہ پا سکتی ہیں جب وہ چند خصوصیتوں کی جامع ہوں، ہم ان میں سے چند اہم امور کا ذکر کرینگے۔

(۱) مواد سب سے پہلے کتاب بنانے میں جس چیز کی تلاش ہوتی ہے وہ مواد ہے یعنی جس

فن کی یہ کتاب ہے اسمیں اسکے کسقدر مسائل ہیں اور ہر مسئلہ کے کلی وجزئی امور کا کسقدر حصہ اسمیں شامل ہے، مثلاً شعر وشاعری کے عنوان پر کوئی کتاب تصنیف ہو تو اول اسمیں اسکی جستجو ہوگی کہ شعر کی تعریف کیا کی گئی ہے اسکی تعریف میں لوگوں کے کیا کیا اختلافات تبلائے گئے ہیں، شعر کی ضرورت اور اسکا اثر کسقدر ہوتا ہے، شاعری کے لوازم کیا ہیں، شعرا کو کن کن چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے، شعر کے اقسام کتنے ہیں، ہر دور میں شاعری نے کیا کیا رنگ بدلا، وغیرہ اسی طرح جب قوم اور ملک کی تاریخ تصنیف کی جائے اسمیں ان چیزوں کے تبلانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس قوم کی ابتدا کس طرح ہوی اسپر عروج وزوال کے کتنے دور گذرے، دوسری قوموں سے اسکی امتیازی حالت کیا تھی، اسکے رسم ورواج، عادات وخصائل کیا تھے، اسمیں کس قسم کی صلاحیت پائی جاتی تھی غرض جسقدر واقعات کا تعلق اس قوم سے ہو ان میں سے تمام مفید امور کا ذکر ہو،

(۲) ترتیب! کتابوں کے حسن وقبول اور عام پسندیدگی کے لیے مواد کے بعد ترتیب کو بہت بڑا دخل ہے، کثرت سے کتابیں محض اسلیے بے توجہی کی شکار ہوئیں اور ہوتی ہیں کہ ان میں مصنفین کوئی سلسلہ نظام قائم نہیں رکھتے اور ہر ایک قسم کے مسائل ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں، جس سے کتب بینی میں سخت زحمت اور بیشمار دقتیں واقع ہوتی ہیں، اور ایک ایک مسئلہ کے معلوم کرنے کے لیے بیسیوں صفحے اُلٹنے پڑتے ہیں، یہ نقص اکثر قدیم تاریخی کتابوں میں بہت زیادہ ہے مثلاً کسی جنگ کا ان میں تذکرہ ہے تو مصنف نے سن وسال کا لحاظ کر کے مختلف ممالک میں جسقدر واقعات ایک سن کے ہوے ایک ہی باب میں جمع کر دیے اور ہر دوسرے وتیسرے سنوں میں ان کا بقیہ مضمون اسی طرح خلط ملط کر کے درج کیا ہے، اس بے ربط اور غیر مسلسل ترتیب سے کسی ملک کی جنگ کے

حالات پر پوری روشنی نہیں پڑ سکتی، اسلیے یہ قدیم طریقہ ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور اب یہ طریقہ نہایت نتیجہ خیز ہے کہ ہر ملک کی جنگ کے حالات مستقل طور سے ایک ایک باب میں ذکر کیے جائیں و نیز ہر باب میں فوجی حالات، سامان رسد، آلات جنگ وغیرہ امور کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہو۔

(۳) واقعات کے اسباب، تاریخی کتابوں کی خوبیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر واقعہ کا سبب اور ہر حادثہ کی علت بیان کی جائے، یعنی فلاں واقعہ کیوں ہوا اور اسکے ظہور میں کن کن چیزوں کا دخل تھا اگر صرف واقعات جمع کردیے جائیں اور اُن کے اسباب سے بالکل تعرض نہ کیا جائے تو ان میں کوئی اہمیت نہیں رہتی۔

(۴) حُسن تحریر، کسی عبارت کے سمجھنے میں دو قسم کی دقتیں واقع ہوتی ہیں، معنوی، اور لفظی، بعض مسئلے کچھ ایسے اہم ہوتے ہیں جنکا مفہوم جلد سمجھ میں نہیں آتا یہ معنوی مشکلات صرف امعانِ نظر اور دقیق فکر سے حل ہوتی ہیں، لفظی مشکلات الفاظ اور جملوں کے بے موقع استعمال سے پیدا ہوتی ہیں حُسن تحریر کا مقصد ان ہی لفظی مشکلات کا حل کرنا اور عبارت کو دلچسپ بنانا ہے، الفاظ کی بندش جملوں کی ترکیب، زبان کی سلاست، موقع موقع سے تشبیہ و استعارہ لانا کہیں کہیں مثل اور محاورے استعمال کرنا حسن تحریر کی روح ہے۔

تاریخ کی اہمیت و عظمت

(۸)

کسی چیز کی عظمت و اہمیت بیان کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس شے کے نتائج بتائے جائیں جو خود ہی اپنے شاندار اور مفید معلومات کے بنا پر لوگوں کے دلوں میں گھر کرکے اس شے کی عظمت کا سکہ بٹھا دیں، شاعری

اگر سچے جذبات کا اظہار کرتی اور دوسروں کے جذبات کو اُبھارتی ہے، خطابت اگر حاضرین کو جوش میں لاتی اور انکے احساسات و معتقدات پر موثر ہوتی ہے، منطق اگر استدلال و براہین کے ذریعہ مقدمات کی ترتیب دے کر صحیح نتائج پیش کرتی ہے، فلسفہ اگر چیزوں کی حقیقت و ماہیت بتلاتا ہے اور ان وجوہوں سے ان کی عظمت کی جاتی ہے تو تاریخ پچھلی قوموں کے اصول سیاست، آئین جہانبانی سے بحث کرتی ہے، انبیاء علیہم السلام کے اخلاق و عادات کا تذکرہ کرتی ہے، ہولناک جنگ و جدل کا نقشہ کھینچتی ہے سلاطین کے قہر و غضب عدل و انصاف کی داستانیں سناتی ہے، ارباب فضل و کمال کے علمی کارنامے بتلاتی ہے، اصحاب صنعت و حرفت کی کاریگریاں اور صناعیاں دکھلاتی ہے، فصیح و بلیغ خطیبوں کے خطبے اور انشاپردازوں کی انشاپردازیوں کا معائنہ کراتی ہے، غرض ہر صنف اور ہر قسم کے واقعہ سے عبرت و بصیرت کا سبق دیتی ہے،

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کی تمام ترقیاں تدریجا ہوئی ہیں اور دنیا کا ہر واقعہ گذشتہ واقعہ کا نتیجہ ہے، اسلیے یہ ممکن نہیں کہ موجودہ تہذیب و تمدن کا بنا بنایا کھیل اور حیرت انگیز ایجادات و اختراعات کا عجیب و غریب تماشا بالکل نیست و نابود کر کے اس سے بڑھکر یا ایسا ہی دوسرا نقشہ بغیر استمداد تاریخی روایات کے تیار کر دیا جائے، لیکن یہ ممکن ہے اور واقعات سے ممکن ہے کہ دنیا تاریخی روایات کے سہارے تدریجا ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جائے جب انسانی عقل و فراست کا آخری راز طشت از بام ہو جائے گا،

دنیا میں سیکڑوں علوم و فنون ہیں جنکے سحر آمیز نتائج لحظہ بلحظہ نمایاں ہوتے ہیں مگر ان سے تمام انسان یکساں طور پر لطف نہیں اُٹھاتے یہ وصف صرف تاریخ میں ہے کہ انسان کا ایک ایک فرد اس سے نہایت دلچسپی کے ساتھ لطف اندوز

ہوتا ہے، ایک بادیہ نشین شخص سے لے کر بادشاہ تک شمار کرجائیے فخر و ترجیح کے موقعوں پر اسلاف کے کارنامے، گرمی صحبت کے لیے پُرانی داستانیں ہر ایک بیان کرتا ہے اسی طرح میدان رزم میں رجز خوانیاں محفل بزم میں نغمہ سرائیاں ہمیشہ ہوا کرتی ہیں جنمیں بھی تاریخی واقعات ہوتے ہیں،

حقیقت میں تاریخ کے احسانات ہم پر بہت ہیں اگر ہم اسکی قدر نہ کریں تو یہ ہماری سخت احسان فراموشی ہے، اس موقع پر ہم عربی کے چند اشعار لکھدینا نہایت موزوں سمجھتے ہیں جو تاریخ کی توصیف میں ہیں،

ایک شاعر کہتا ہے

لَیْسَ بِاِنْسَانٍ وَّلَا عَاقِلٍ مَنْ لَا یَعِی التَّارِیْخَ فِیْ صَدْرِہٖ

وہ شخص انسان اور عاقل نہیں ہے جو تاریخ کو اپنے سینے میں محفوظ نہیں رکھتا

وَمَنْ دَرٰی اَخْبَارَ مَنْ قَبْلَہٗ اَضَافَ اَعْمَارًا اِلٰی عُمْرِہٖ

جس نے گذشتہ لوگوں کے واقعات کو جانا اس نے اپنی عمر میں بہت سی عمروں کا اضافہ کیا

دوسرا کہتا ہے

اِذَا عَرَفَ الْاِنْسَانُ اَخْبَارَ مَنْ مَضٰی تَوَہَّمْتَہٗ قَدْ عَاشَ مِنْ اَوَّلِ الدَّہْرِ

جب کوئی شخص پچھلے لوگوں کے حالات معلوم کرے تو اسکی بابت تم خیال کروگے کہ ابتدا زمانہ سے ابتک زندہ ہے

وَتَحْسَبُہٗ قَدْ عَاشَ اٰخِرَ دَہْرِہٖ اِلَی الْحَشْرِ اِنْ اَبْقَی الْجَمِیْلَ مِنَ الذِّکْرِ

و نیز اسکو قیامت تک زندہ خیال کروگے اگر اس نے اپنا ذکر جمیل چھوڑا ہے

فَکُنْ عَالِمًا اَخْبَارَ مَنْ عَاشَ وَانْقَضٰی وَکُنْ ذَا نَوَالٍ وَّاغْتَنِمْ اٰخِرَ الْعُمْرِ

پس اے مخاطب تو موجودہ اور گذشتہ لوگوں کی خبروں کو جان۔ اور صاحب بخشش بن اور اپنی اخیری عمر غنیمت سمجھ۔

احمد اللہ

نظارۂ خرابات

(بسلسلہ اشاعت ماسبق)

کوئی نہیں ہے محرم اسرار بے نیاز معلوم غیب داں کو ہے کون و مکان کا راز
دکھلا نہ طمطراق بہت چرخ شیشہ باز ہوں بیقرار صحبت ساقیِ دلنواز

اک کاسۂ شکستہ مرے یہ ناز ہے
ہم بینواؤں کا بھی خدا کارساز ہے

یارب جمال خسرو مہ طلعتاں دکھا اس ناتواں کو منزل رفعت نشاں دکھا
ہجراں نصیب ہوں رخ آرام جاں دکھا بیمار غم کو شکل مسیح زماں دکھا

بیچارگی میں تجھسے طلبگار عون ہے
اس بندۂ غریب کا مشکل میں کون ہے

گم کردہ راہ ہوں۔نہیں کچھ بھی پتا مجھے ہو پیشوا اے خضر کہیں رہنما سبھے
غربت میں راہ وادیِ ایمن دکھا مجھے کافی ہے اک اشارتِ معجز نما مجھے

قربان اس ادا پہ تجلی طور ہو
ظلمت کدہ میں بارشِ باران نور ہو

یارب وہ میرا ساقی گل پیرہن کہاں قوت ہو جس سے دلکو وہ شیریں سخن کہاں
نازک دلوں کو طاقت رنج و محن کہاں سرچشمہ حیات شراب کہن کہاں

صدمہ ہے روح پر کہ زمانہ گذر نہ جائے
یوں ہی کہیں مریض شب ہجر مر نہ جائے

مدت سے جان من ہمہ تن انتظار ہوں چشمان نرگسی کا میں بیمار زار ہوں
شبنم صفت قلق سے میں نوک خار ہوں راتیں گذر چکی ہیں کہ میں اشکبار ہوں

میں زخم خوردہ مثل دل غنچہ تنگ ہوں
باور نہ ہو تو دیکھ لے بشکستہ رنگ ہوں

لبریز آکے ساغر صہبائے ناب کر　　ساقی گذر رہا ہے زمانہ شتاب کر
معمور حسن سے دل خانہ خراب کر　　ذرہ کو زیب تاج سر آفتاب کر
پہلو میں تو ہو ہاتھ میں جام شراب ہو
اک برج سے طلوع مہ و آفتاب ہو

وہ مے پلا کہ غنچۂ دل ہو چمن چمن　　رم ہو بہ یک اشارۂ ابرو غم کہن
اک برق ہو سواد دل شب میں موجزن　　وہ دور ہو کہ بدلے زمانہ نیا چلن
لعل مذاب صاف ہو زریں ایاغ ہو
روشن تمام شب مرے گھر شب چراغ ہو

وہ دخت رز ہو پردہ مینا میں جلوہ گر　　دامن ہو جس کا دامن مریم سے پاک تر
سایہ ہو اسکا غازۂ رخسارۂ سحر　　حوروں کا قدسیوں کا تقاضا ہو عرش پر
صبح ست ساقیا قدحے پر شراب کن
دور فلک درنگ ندارد شتاب کن

اعجاز وہ دکھائے کہ اکسیر گرد ہو　　تابش ہو وہ کہ رنگ رخ ماہ زرد ہو
درمان دل ہو دارو ئے اندوہ و درد ہو　　بادہ ہو بے نظیر تو ساقی بھی فرد ہو
ذرہ نگاہ فیض سے کیواں اساس ہو
سمجھے یہ راز وہ جو حقیقت شناس ہو

(باقی آئندہ)

آغا غلام حسین ارشد

ابوالفیض فیضی

(سلسلہ کے لیے مارچ نمبر ملاحظہ ہو)

پروفیسر آزاد کا بیان ہے "کہ ایک پرانی کتاب میرے ہاتھ آئی اسکے دیباچہ سے معلوم ہوا کہ اسوقت تک ہندوستان کے بادشاہی دفتروں کے کاغذ ہندو ملازم ہندی اصول کے موجب رکھتے تھے۔ ولایتی ہوتے تھے تو اپنے طور پر لکھتے تھے اور اس سے دفاتر شاہی میں عجب خلط ملط ہو رہا تھا اکبر کے حکم سے ٹوڈرمل فیضی، میر فتح اللہ شیرازی، نظام الدین بخشی، حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم ہمام مل کر بیٹھے اور کاغذات دفتر کے لیے قواعد وضوابط باندھے۔ اسی کے ضمن میں حساب کے قواعد بھی لکھے کہ سب محاسب ایک طور پر عملدرآمد کریں اور تحریروں میں اختلاف نہو"

فیضی کے علم وفضل نے اسکو جہاں اور بہت فخر و اعزاز کا مستحق ٹھہرایا وہاں ایک یہ بھی ہے کہ شاہزادوں میں سے جو تعلیم وتربیت کے سن کو پہنچتا۔ اکبر اسکو علیم وتربیت کے لیے فیضی کے سپرد کر دیتا تھا۔ چنانچہ شاہزادہ سلیم مراد اور دانیال سب اسی کے شاگرد تھے اسکو بھی اسپر بڑا فخر تھا۔ اپنی تحریریں میں دو باتوں کا عموماً شکر گذار ہے ایک یہ کہ دربار شاہی میں قربت حاصل ہوئی۔ دوسرے شاہزادوں کی استادی کا فخر حاصل ہوا۔

ملک الشعرا کا خطاب

سنہ ۹۹۶ھ میں اکبر کے دربار سے فیضی کو ملک الشعرا کا خطاب ملا۔ عجیب اتفاق کہ اس سے تین دن پہلے فیضی نے ایک قصیدہ لکھا جسمیں یہ نیک فال اپنی زبان سے نکال چکا تھا۔

آن روز کہ فیض عام کردند ما را ملک الکلام کردند
از بہر صعود فکرت ما آرائش ہفت بام کردند
ما را بہ تمام در ربودند تا کار سخن تمام کردند

اکبر نے اتباع طریقہ نبوی و خلفاء راشدین کے خیال سے جمعہ کی نماز میں خطبہ خود پڑھنا چاہا۔ عربی سے ناواقف تھا اس لیے شیخ فیضی نے ایک قطعہ لکھکر پیش کیا جو دراصل ایک فارسی خطبہ ہے اسکے چند شعر یہ ہیں۔

خداوندے کہ مارا خسروی داد دل دانا و بازوے قوی داد
بعدل و داد مارا رہنموں کرد بجز عدل از خیال ما بروں کرد
بود وصفش ز حد فہم برتر تعالےٰ شانہٗ اللّٰہ اکبر

میں کہہ چکا ہوں کہ فیضی نے کوئی ملکی و مالی خدمت مستقل طور پر اپنے ذمے نہ لی۔ یہ شاعر، طبیب اور فلسفی تھا اپنی تمام زندگی ان ہی مشاغل میں صرف کر گیا۔ مگر اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اسمیں سیاسی کاموں کا مادہ ہی نہ تھا۔ میں اس موقع پر سفارت دکن کی اس عرضداشت کے جستہ جستہ مقامات کی نقل کرتا ہوں جو اس نے ایام سفارت میں دکن سے اکبر کو بھیجی۔

یہ عرضداشت دراصل ایک مفصل روزنامچہ ہے جسمیں اس نے جزوی جزوی حالات، ملک کے مشہور مقامات، اندرون و بیرون ملک کے راستے وہاں کی طرز معاشرت اور مشہور اشخاص کا تذکرہ کیا ہے۔ سیاسی نقطۂ خیال سے جو امور ضروری تھے ان تمام پر اسکی نگاہ حقیقت شناس پڑی ہے۔ یہ اس زمانے کے طریقہ تعلیم کا کمال تھا کہ ایک عالم و فاضل شخص جس کام کی طرف متوجہ ہوتا تھا اسکو پوری طرح اور نہایت حسن و خوبی سے انجام دیتا تھا۔ اس زمانے کی سی حالت نہ تھی کہ اکثر مولوی اور علماء صرف مسجدوں کی امامت۔ فاتحہ خوانی۔ مردہ شوئی، جنازہ برداری کو اپنا

نصب العین سمجھتے ہیں اور تدبر و سیاست سے انکو اتنی ہی اجنبیت ہوتی ہے جتنی کہ ایک اُجڈ نا تعلیم یافتہ دہقانی کو ایک مہذب تعلیم یافتہ شہری سے -

فیضی، اکبر کی طرف سے راجی علیخاں والی خاندیس کے ہاں سفیر بن کر گیا یہ وہ موقع ہے کہ راجی علیخاں فیضی کے سفارت خانے میں آتا ہے۔ فیضی نے سفارت خانہ بالکل شاہی دربار کے اصول پر آراستہ کیا ہے۔ اس سے اس زمانے کے آداب و رسوم دربار شاہی کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے فیضی لکھتا ہے -

"فدوی نے خیمے اور سراپردے ایسی شان و شوکت سے ترتیب دیے جیسے بندگان عالم پناہ کے لیے شایان تھے سراپردوں کے دو درجے کیے تھے، دوسرے درجہ میں تخت عالی سجایا تھا، تخت پر شمشیر شاہی، خلعت خاصہ اور فرمان عالی رکھدیا تھا۔ راجی علیخاں اپنے ارکین دولا ئے حکام دکن کو ساتھ لیے آداب و قواعد کے ساتھ داخل ہوا۔ پہلے سراپردے میں سے آداب کے ساتھ گذر کر جب دوسرے سراپردے میں داخل ہوا تو دور سے تخت شاہی نظر آیا ننگے پاؤں ہوا اور تسلیمیں بجالایا۔ تھوڑی دور چلا تھا کہا گیا کہ یہاں ٹھہر جاؤ اور تین تسلیمیں بجالاؤ - نہایت ادب سے تین تسلیمیں کیں اور وہیں ٹھہر رہا۔ بندہ نے دونوں ہاتھوں میں فرمان عالی کو لیا اور ذرا آگے بلا کر اسے دیا۔ اس نے فرمان کو ادب سے دونوں ہاتھوں میں لے کر سر پر رکھا۔ اور تین تسلیمیں کیں۔

تھوڑی دیر تک بندہ نے مناسب وقت، حکمت آمیز حقیقت آئین مطالب بیان کیے۔ اسکے بعد کہا گیا کہ بندگان حضرت کے دوام دولت کے لیے دعا کرو، نہایت ادب سے دعا کی۔ پھر کمال تواضع سے لب فرش تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ بادشاہی گھوڑے حاضر تھے، باگڈور چوم کر کندھے پر رکھ لیا اور تسلیم کی۔ شاہزادوں سیکے

گھوڑوں کی باگڈور کو بھی چوم کر کندھے پر رکھا۔ اور تسلیم کی۔ شاہزادہ مراد کا گھوڑا سامنے آیا تو اسکی باگڈور چوم کر گلے میں پہنی اور تسلیم بجالایا اسکے بعد رخصت ہوا"

عرضداشت کی ابتدا میں دربار شاہی سے جدا ہونے پر اپنی بدقسمتی کا شکوہ کرتے ہوئے مختلف شہروں کے حالات، رستے کے واقعات لکھتا ہے۔ میں اس موقع پر اسکی اصل عبارت نقل کردیتا ہوں تاکہ ارباب ذوق اسکی نثر سے بھی لطف اندوز ہوں۔

"بلوچے کہ بفوجداری مقرر شدہ نزدیک بہ تنگیِ کوہ درمیان لدھیانہ و سرہند
چسپیدہ ست دزدانے کہ از کوہ فرود می آیند دزدی و خون کردہ چیزے می برند
باو ہم حق نذرے می دہند دران حدود راہرواں را بسو لش می کشند"

"حافظ رخنہ باوجود آں ہمہ پیری ہا دست و پائے میزند و در حد اوانیتے ہست
بذات خود امانت و دیانت دارد باغہا را بغایت دلکشا ساختہ"

"اہل سرہند آسودہ و رعایا خوش وقت اند دعاے بندگان حضرت می کنند"

"یعقوب بدخشی کروری تھانیسر خدمت فوجداری و عملداری تھانیسر و پرگنات
ہرو۔ بواجبی میتواند کرد و متعہد اینمعنے راہ ہست۔ جرأت و تدبیر بواقعی ازدست
او می آید"

ولایت مالوہ کے حال میں لکھتا ہے۔

"تعریف ولایت مالوہ بکدام قلم نگارد۔ آبہاے روان دیدہ کہ در ہر قدمے ازاں
باید گذشت ازہمہ سو چشمہاے دلکشا چوں دلہاے پاکاں میجوشید ازیں باعث
کہ گفتہ شد بیادے آید۔

زاہد شگفتہ و گل تو پژمردہ ہنوز ۔۔۔۔ شد بادر واں تو پاے افسردہ ہنوز
از تابش آفتاب در سینۂ سنگ ۔۔۔۔ صد چشمہ بجوشید تو افسردہ ہنوز

دو سیفتی ہمہ صلاح اند باعث بعضی ازاں قبیل کہ خشکی ہے آنکہ آب دہند میشود و

سیراب بحدیکہ در سنج گزی آب بر می آید"

"سرونج شہریست کہ حکم بندر دارد، بلند خاں خواجہ سرا در ویرانی او تقصیر نمیکند"

"در سجاولپور خواجہ امین خویش زبیر خاں برعایا سلوک خوب کردہ وتقاوی دادہ دیر گنہ معمور ساختہ، وہمہ چیز خود میرسد، کارخانہائے پارچہ بافی ترتیب دادہ ودکان کارروانی وا کردہ"

یہانتک اندرون ملک کے مختلف واقعات لکھے۔ اسکے بعد غیر ممالک کی مفید مطلب باتیں بھی جہانتک معلوم ہوسکیں لکھی ہیں۔ ایک جگہ لکھتا ہے:-

"دیگر امسال شش جہاز از ہرمز دریائے شدہ خواجہ معنائی جبرے کہ عمدہ تجارست بارفقاسے دولت اسپ عراقی داشتہ تا سہ جہاز بگوہ رفت و قاعدۂ فرنگیاں ست کہ جہاز اسپ را بگوہ میبرند واسپاں را انچہ خواہش می کنند میگیرند و باقی را می گزارند وبسہ جہاز در ارکری ہشت ماہ الٰہی در بندر چیول کہ داخل جاگیر نظام الملک ست رسیدہ ایں مردم گفتہ اند کہ بست وچہار روز در دریا بودیم بعضی سوداگران وبعضی قزلباشاں را از صرصر حوادث وفتن عراق وفارس فرار نمودہ بعزیمت آستاں بوسی آنحضرت بامن ممالک محروسہ رسیدہ اند"

اسی طرح یہ عرضداشت بہت طویل ہے۔ اسمیں بہت سی جزوی جزوی تصریحات وواقعات مذکور ہیں۔ کہانتک نقل کروں۔

سفارت کے ایام میں بھی اپنے اصلی مذاق کو نچھوڑا۔ موقع سے جب کبھی طبیعت جوش پر آجاتی تھی تو غزلیں کہہ لیتا تھا۔ ان غزلوں کے محاسن اور خصوصیات کو میں اسکی شاعری پر انتقاد (ریویو) کرتے ہوئے بتاؤں گا۔ اس موقع پر ان غزلوں کو

ان کے مواقع کے ساتھ یعنی وہ کس وقت اور کس حال میں کہی گئیں لکھتا ہوں۔

بھاگ نگر (حیدرآباد) کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"باوجود چندیں موانع ملاحظہ کردہ شد اگر دے چند دیگر مہلت یا بد بحضور اشرف تفصیل عرض داشت خواہد نمود ایں ولایت را داخل ممالک محروسہ می شمارد دیگر چوں طنطنۂ قدوم اشرف و آوازۂ موکب عالی ایں حدود رسید ایں غزل بطریق حسب حال روئے نمود۔ چوں از دل اخلاص منزل برخاستہ امید بوقوع انجامد۔ غزل

نسیم صبح مشک افشاں زگرد راہ می آید
مگر از موکب اقبال اکبر شاہ می آید

شبستان سعادت را زنقل بے لباب کن
کہ شہ در بوستان و شمع در خرگاہ می آید

مغنی مجلسا ارغنوں را قفل بر در نہ
کہ در گوشہ صدائے کوس اکبر شاہ می آید

بمہد سایۂ دولت جہاں گو پادشاہی کن
کہ بال افشاں ہمائے چتر ظل اللہ می آید

اگر غم در غم شادی نمیرد جائے آں دارد
نشاط دوستاں بر دشمناں جانکاہ می آید

منجم بر سعادت ہائے روز افزوں کواکب را
بشارت دہ کہ بر اوج ثریا ماہ می آید

بہ ہمت فتح عالم کن کہ در میداں سپاہ یاران
ز صد لشکر بیاید آنچہ از یک آہ می آید

دعا را می برم تا آسماں بردست داین باشد
کہ از دست دعا گویان دولت خواہ می آید

دم صبح سعادت میدمد غافل مشو فیضی
کہ فیض صبح گاہی بر دل آگاہ می آید

خموشی را بلند آوازہ کن اینجا کہ از حیرت
عبادت نیک می خیزد نفس کوتاہ می آید

اور ایک موقع پر لکھتا ہے

"دیگر تبہ بعضی ہمراہاں بطریق خالی شدن شہر و گریزا گریزی مردم داخل فتنہ و فساد بے دلی کردند و بندہ نصیحت گر اینہا بودم و میگفتم کہ مژدۂ نصرت اقبال ابد قرین بندیدہ ایں حصار الٰہی بہ شمار بید و غم مخورید دریں باب ایں غزل روئے نمود

بازیاران طریقت سفرے در پیش ست
رہ نوردان بلا را خطرے در پیش ست

افتادہ نہ دریں بادیۂ قافلہ سوز　　ہر کہ دیدیم ز اندیشہ سرے درپیش ست
کس نمگوید م از منزل اول خبرے　　صد بیاباں بگذشت و دگرے درپیش ست
ہمرہاں ہیں ہمہ نومید نباشید از من　　کہ دعائے سحرم را اثرے درپیش ست
ما نہ آنیم کہ نادیدہ قدم بگذاریم　　شکر کن قافلہ را راہبرے درپیش ست
عاقبت ناصیۂ ما شود آئینۂ بخت　　کوکب طالع ما را نظرے درپیش ست
اے صبا بر سر آفاق گل مژدہ بریز　　کہ شب تیرۂ ما را سحرے درپیش ست
فیضی از قافلۂ کعبہ روان نیست بروں　　اینقدر ہست کہ از ما قدرے درپیش ست

اسی طرح ایکمرتبہ موسم بہار کا پُر لطف سماں دیکھکر طبیعت مست ہو گئی تو یہ غزل لکھی:-

ما سادہ لوح و بردخط سرنوشت ما　　عکس ست از کتابۂ طاق کنشت ما
اے کبک مست قہقہہ بر باغ ما سپیر　　گل غنچہ میکند دم اردی بہشت ما
معلوم شد کہ حاصل ما زین بہار چیست　　روزے کہ برق فتنہ وزد گرد کشت ما
تعظیم حال وردکشاں داشت در نظر　　پیر مغاں کہ بر سر خم ماند خشت ما
فیضی ببیں بہ ناصیۂ ما کہ عشق کرد　　محو سجودیت رقم سرنوشت ما

ایک موقع پر سامنے فوارہ جاری تھا اس کیفیت کو دیکھکر طبیعت میں گُدگدی پیدا ہوئی تو برجستہ یہ غزل کہی۔

میکشد شعلہ سرے از دل صد پارۂ ما　　جوش آتش بود امروز بفوارۂ ما
ہر کسے روز ازل تختۂ تعلیم گرفت　　عشق مشاطگی آموخت ز نظارۂ ما
ہیچ دانی دل ما خوزد چرا بشکستند　　آسماں آئینۂ ساخت ز سیارۂ ما
سوزن حدبہ ببینید کہ بربستہ چو خوں　　فتنہ می بارد از آئین ستمگارۂ ما
خون پاکاں بود امروز دریں شہر کہ ہست　　جرعۂ مژدہ فشاں بر لب خونخوارۂ ما

دیدہ او بگذار جگر انباشتہ باد ہر کہ گوید خبرے از دل آوارہ ما
فیضی از نقد جہاں گرچہ تہی دستانیم کیمیا ساز برد رنگ زر رخسارہ ما

اسی طرح پوری عرضداشت موقع موقع کے مختلف اشعار، غزلوں، رباعیوں اور ابیات سے بھری پڑی ہے کہانتک نقل کروں ناظرین کے ظرافت طبع کیلیے اسقدر کافی ہے

(باقی آئندہ)

ظرافت

ابوالحسنات ندوی

میں نے نکالے گھر سے جو اس سحرفن کے پاؤں چھینٹی سے پاؤں ہوگئے ایک ایک من کے پاؤں
چکی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پاؤں
رہتا ہے عاشقوں پہ کمر بستہ ستم باندھے ہیں میرے ہاتھ پہ مرغ چمن کے پاؤں
مرنے سے مفلسی بکا مری۔ پردہ کھل گیا اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن سے پاؤں
نکلی جو منھ سے بات تو کو ٹھے چڑھی ہے وہ ہمراز نے ہمارے نکالے سخن کے پاؤں
کم مایگی سے منتیں کرنی پڑیں ہمیں سر ہے ہمارا اور رہیں اُس راہزن کے پاؤں
سر پھوڑنے بٹھا دیا قسمت نے کوہ پر شرمندہ دشت کے نہ کیے کوہکن کے پاؤں
ہر دم ہوا کے گھوڑے پہ رہتا ہے وہ سوار ٹکتے نہیں زمین پہ اُس گلبدن کے پاؤں
گلگشت تم نے باغ میں کیوں ناز سے کیا دیکھا زمیں میں گڑ گئے سرو چمن کے پاؤں
سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک آخر کو ہاتھ آگئے اُس سیمتن کے پاؤں
دُکھ ہیں ہزار باغ جہاں کی بہار میں زخمی ہیں گل کے خار سے مرغ چمن کے پاؤں
صد شکر پایا مرتبۂ غوث۔ قتل سے سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پاؤں
چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں بہیں ذبیح مفلس نہیں کہ میں رکھوں باہر وطن کے پاؤں

محمد اسمعیل خان ذبیح دہلوی
سابق ایڈیٹر فضل الاخبار و دہلی پنچ دہلی۔

خوابِ بیداری

چشم انتظار کی اشکباری نے نرگستان کی شبنم آشامی کو بھلادیا۔ غواص الفت نے ایک دُرِ شاہوار کی جستجو میں ہزاروں بیش قیمت موتیوں کے انبار لگادیے۔ اُدھر گوہرِ غلطاں کی آب۔ اِدھر موجِ خوناب۔ گویا شفق کی لہروں میں رنگ آمیزی ہو رہی ہے۔

یادش بخیر۔ ایک تبسم ہزار شکووں کا جواب۔ ایک نگاہ ہزار صعوبتوں کا صلہ۔ غنچۂ لب میں ہزار نغمے بیقرار۔ ترانۂ آواز پر مرغِ روح نثار۔ خاموشی کائنات کے معموں کی شرح۔ تکلم مصحفِ رخ کی تفسیر۔ عدم انتظار بے نیازی کی دلیل۔ تکرارِ عذر معجزۂ عشوہ۔ لب کشائی سحر۔ تقریر تسخیر۔

\+ + + + + + + + + + + + +

رات بھیگتی جاتی ہے۔ عالم کی غنودگی خواب سے مبدل ہو چکی ہے۔ میں ہوں اور میرا کتب بینی کا کمرہ۔ برقی فانوس کی روشنی سبز غلاف میں سے چھن چھن کر تاریکیٔ شب کے ساتھ خفگی بڑھتی جاتی ہے۔ کمرے کے دروازے بند ہیں۔ میں عالمِ خیال میں ہوں نہ خواب میں مگر محویت ضرور طاری ہے۔ گرد و پیش میری کتابیں میرے پسندیدہ عرب و ایرانی۔ انگریزی و فرانسیسی شعرا کا مجمع ہے۔ مگر سب حسبِ مراتب ایک کتابی لباس پہنے ہوئے ہیں۔

احبا کی تصاویر ہیں اور خیالی مرقعے بھی۔ میرے ہم پیالہ رفیق شفیق ہیں جنھیں باعتبار طبابت بقراط اور بلحاظ حکمت ا[illegible]

دیدہ او بگذار جگر انباشتہ باد ہر کہ گوید خبرے از دل آوارۂ ما
فیضی از نقد جہاں گرچہ تہی دستانیم کیمیا ساز برد رنگ زر رخسارۂ ما

اسی طرح پوری عرضداشت موقع موقع کے مختلف اشعار، غزلوں، رباعیوں اور ابیات سے بھری پڑی ہے کہاں تک نقل کروں ناظرین کے ظرافت طبع کیلیے اسقدر کافی ہے

(باقی آئندہ)

ظرافت

ابو محمد ثنا ثابت ندوی

میں نے نکالے گھر سے جو اس سحر فن کے پانو
چھیلی سے پانو ہو گئے ایک ایک من کے پانو

چکی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن
ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پانو

رہتا ہے عاشقوں پہ کمر بستہ ستم
باندھے ہیں میرے ہاتھ پہ مرغ چمن کے پانو

مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا
اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن سے پانو

نکلی جو منھ سے بات تو کوٹھے چڑھی ہے وہ
ہمراز نے ہمارے نکالے سخن کے پانو

کم مائگی سے منتیں کرنی پڑیں ہمیں
سر ہے ہمارا اور ہیں اس راہزن کے پانو

سر پھوڑنے بٹھا دیا قسمت نے کوہ پر
شرمندہ دشت کے نہ کیے کوہکن کے پانو

ہر دم ہوا کے گھوڑے پہ رہتا ہے وہ سوار
ٹکتے نہیں زمیں پہ اس گلبدن کے پانو

گلگشت تم نے باغ میں کیوں ناز سے کیا
دیکھا زمیں میں گڑ گئے سرو چمن کے پانو

سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک
آخر کو ہاتھ آ گئے اس سیمتن کے پانو

دکھ ہیں ہزار باغ جہاں کی بہار میں
زخمی ہیں گل کے خار سے مرغ چمن کے پانو

صد شکر پایا مرتبۂ غوث قتل سے
سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پانو

چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں بہیں ذبیح
مفلس نہیں کہ میں رکھوں باہر وطن کے پانو

محمد اسمعیل خان ذبیح دہلوی
سابق ایڈیٹر فضل الغیاب
(دہلی پنچ دہلی)

خوابِ بیداری

چشمِ انتظار کی اشکباری نے نرگستان کی شبنم آشامی کو بھلا دیا۔ غواصِ الفت نے ایک دُرِ شاہوار کی جستجو میں ہزاروں بیش قیمت موتیوں کے انبار لگا دیے۔ اُدھر گوہرِ غلطاں کی آب۔ اِدھر موجِ خوناب۔ گویا شفق کی لہروں میں رنگ آمیزی ہو رہی ہے۔

یادش بخیر۔ ایک تبسم ہزار شکوؤں کا جواب۔ ایک نگاہ ہزار صعوبتوں کا صلہ۔ غنچۂ لب میں ہزار نغمے بیقرار۔ ترانۂ آواز پر مرغِ روح نثار۔ خاموشی کائنات کے معموں کی شرح۔ تکلم مصحفِ رخ کی تفسیر۔ عدمِ انتظار بے نیازی کی دلیل۔ تکرارِ عذر معجزۂ عشوہ۔ لب کشائی سحر۔ تقریر تسخیر۔

+ + + + + + + + + + + +

رات بھیگتی جاتی ہے۔ عالم کی غنودگی خواب سے مبدل ہو چکی ہے۔ میں ہوں اور میرا کتب بینی کا کمرہ۔ برقی فانوس کی روشنی سبز غلاف میں سے چھن چھن کر آ رہی ہے۔ شب کے ساتھ خنکی بڑھتی جاتی ہے۔ کمرے کے دروازے بند ہیں۔ میں نہ عالمِ غنودگی میں ہوں نہ خواب میں مگر محویت ضرور طاری ہے۔ گرد و پیش میری کتابیں ہیں۔ میرے پسندیدہ عرب و ایرانی۔ انگریزی و فرانسیسی۔ جرمنی و روسی نیز ہندوستانی شعرا کا مجمع ہے۔ مگر سب حسبِ مراتب ایک کتاب دان گردان پر مطلا و منقش پیراہن سے ملبوس پہنے ہوئے ہیں۔

احبا کی تصاویر ہیں اور خیالی مرقعے بھی۔ میرے ہم پہلو کرسی پر میرے ایک رفیقِ شفیق ہیں جنھیں باعتبارِ طبابت بقراط اور بلحاظِ حکمت ارسطو کہنا بجا ہے۔

میرے اور اُنکے روبرو کرسی پر ایک لُویٹی ناز سراپا انداز کیے ادار باب کمال گویا ایک تصویر خیال ہے جسکے لب ہائے جان نواز سے اس تقریر کا آغاز ہے۔

"آج سے دو ڈھائی ہزار سال قبل خطۂ یونان کی تہذیب نے ارباب نشاط کو اس زینۂ تخصیص پر پہنچایا تھا کہ اُن کی مجالس علوم متعارفہ وفنون لطیفہ کے مشہور مرکز بنگئی تھیں۔ اُنکے مناظرے۔ اختراعات معقولی اور مکالمات منقولی سننے کی غرض سے نہ صرف امیر وکبیر پیر وجوان ہی جایا کرتے تھے بلکہ بیان کیا گیا ہے کہ بعض موقعوں پر خود ابو الفلسفہ حضرت سقراط بھی موجود پائے گئے ہیں۔

یہی زمانہ تھا کہ تقوی شکن عسفاسیہ کے حسن ظاہری وباطنی نے فیرقلیس جیسے شہنشاہ ذیجاہ کو اپنا مطیع وتابع فرمان کرلیا تھا۔ نقل ہے کہ ایکدن کسی شخص نے فیرقلیس سے دریافت کیا کہ آخر زمام سلطنت یونان کس کے ہاتھ میں ہے جواب ملا کہ میرے صغرسن لڑکے کے ہاتھ میں۔ استعجاب سے سوال کیا کہ یہ کیونکر جواب پایا کہ میرا لڑکا اپنی ماں کے دل پر حکومت کرتا ہے اور وہ میرے دل کی مالک ہے میں یونان پر حکمراں ہوں اور یونان تمام مہذب دنیا کا صدر ہے۔ یہ چھتا برس کی جان عسفاسیہ کا ہی مایۂ ناز تھا۔ عسفاسیہ شہنشاہ کے دل کی ہی ملکہ نہ تھی بلکہ ارباب نشاط کی سرتاج بھی

"بہت عرصہ نہیں گذرا کہ ہم لوگوں میں بھی وہ سب خوبیاں موجود تھیں کہ جنکی وجہ سے امرا ورؤسا کے ذی شعور بچے ہماری مجلسوں میں آداب نشست وبرخاست اور صحیح محاورات زبان سیکھنے آیا کرتے تھے۔ ہماری نشستگاہیں ارباب مذاق و شائستگی کے لیے تہذیب آموزی کا مرکز تھیں۔ ہم نہ صرف آداب بزم ہی میں ماہر تھے یا موسیقی ورقص ہی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے بلکہ دیگر فنون لطیفہ سے بھی بہرہ ور ہوتے تھے قیافہ شناسی اور گویائی کو یہانتک صیقل کیا تھا کہ ہر تی

تبسم و ترشح اشک ہمارے سحر کا ادنیٰ اثر تھے۔ جہاں ہمارے دلائل کی چاندنی میں مسئلہ نیک و بد کا اعتباری اور نسبتی لباس مثل پیراہن کتاں چاک چاک ہو جاتا تھا وہیں ہمارے براہین منطق شکن کی دھوپ نوخیز کلیوں کی شبنم صباحی کو آناً فاناً میں مائل پرواز کر دیتی تھی۔ صورت کے سونے کو ہم سیرت کے سہاگے سے وہ جلا دیتے تھے کہ جو ایک دفعہ صنم خانے میں آجائے حسن و عصمت جوانی و دولت کا چڑھاوا چڑھا کے بتوں کا کلمہ پڑھتا جائے۔

مگر ہمارے کمالات بھی اسی پائے کے تھے۔ موسیقی ہم سے شروع ہوتی اور ہمیں پر ختم ہوتی تھی۔ ہر موسم اور ہر فصل کا دیوتا جدا اور ہر وقت اور ہر ساعت کی دیوی اور اُن کے تیوہار اور بہار جائیں الگ۔ بے موسم و وقت کا راگ گانا گناہ سے بدتر۔ ہر راگ راگنی کی صورت علیحدہ۔ ہر صورت انسانی جذبات و احساسات پر مبنی۔ ہر صورت پر مختلف لباس کھلتے ہیں۔ ایک ہی خیال اگر اب حالت بیم میں ادا ہوا تو دوبارہ رجا میں پھر امید میں تو بعد ازاں یاس میں۔ ایک ہی لفظ کی تکرار ایک دفعہ ہجر سے بھری تھی تو دوسری مرتبہ آتش رقابت سے۔ تیسری بار شعلہ شکایت نے جلا کر دل خاکستر کر دیا۔ آواز میں نزع امید کا عالم ہے۔ جیسے منت کرتے ہوئے کہا تھا اُسے عاجز ہو کر کہا۔ بگڑ کے ادا کیا تھا تو سرد دل ہو کر ہنس کر سنا یا حسن نوخیز کا لالچ ناکافی پایا تو وفا کا سرد مہری اور بے اعتنائی سے مقابلہ کیا۔ مہر و محبت کا بوالہوسی کو طعنہ دیا۔ کوئل و پپیہے سے بیزار ہو کر آہ و گداز نالہ کی دھمکی دی سوز جگر نے ستایا تو اُس پر آنسو چھڑک کے روغن اشک سے آگ بھڑکی تو آب خنجر سے اُسے بجھانا چاہا۔ ہمدرد ملنے آئے تو کسی کی سرد مہری یاد کر کے آتش شوق کو ٹھنڈا کیا عشق و محبت کا مضمون چھوڑا تو جگ تیاگ بن باسی ہوئے۔ ہر کی بھگتی کی۔ الکھ مورت سا ہاتھ میں سمرن لے ست نام کا گیان کیا۔ یوگ سے من ہٹا تو صوم

صلوٰۃ کی طرف رجوع ہوسے شب و روز خشوع و خضوع میں گذارسے۔ المختصر انسانی جذبات کے سب جامے ایک ہی بت طناز کو پہنائے اور ہر صورت اور ہر حالت میں اسے دکھایا۔ یہ سب آواز کے زیر و بم میں پیدا کیا اور چشم ما بردست بھی اسکا جاہی۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ ہندوستان میں احساسات انسانی کی بیان تک چھان بین کی تھی کہ راز زندگی تک رسائی ہو گئی تھی۔ احساسات اور آواز کے تار سروں کو اسطرح ملایا تھا کہ اگر ادھر چھیڑ ہو تو اُدھر بھی لرز پیدا ہو۔ موسیقی سے مریض اچھے ہوتے تھے اور اکثر شفا خانے محض موسیقی پر مبنی تھے۔ ہر مریض کے لیے جدا جدا وقت اور الگ راگ تھا جس سے روح کو فرحت اور جسم کو صحت ہوتی تھی اور نیز گو نے تو راگ ہی کو سحر کہا اور لکھا ہے۔ انسان کی زندگی بلکہ کائنات کے وجود کو ساز سے مطابقت ہے ساز آہنی تاروں سے پُر ہوتا ہے اور انسان کے دل و دماغ روحانی تاروں سے بھرا ہیں ہر جذبہ ایک جدا طرب ہے اور ہر طرب ایک جدا اثر رکھتی ہے۔ اسی طرح وجود کائنات بھی ایک قسم کا ساز ہے ع جس میں خوابیدہ زیر و بم میں نہاں اب بھلا یہ مذاق اور یہ سلاست طبع کہاں اور سچ بھی ہے کمال کا انحصار قدردان پر ہوتا ہے۔ کیا محنت کرے اس فن پر اور کیا توجہ کرے اس کسب کو کہ جسکے قدرشناس اب یا تو معدوم ہیں یا معدودے چند۔ طباعی اور ندرت تو جدا اب تو سیدھے سادے راگ کے سمجھنے والے بھی کالعدم ہو چلے ہیں۔ ہم میں بھی اب یہ فن نقائص اور کثافت سے پر ہوتا جاتا ہے۔ روح کے سر ہم آہنگی سازسے گریز کرتے ہیں کیونکہ خود ساز اب بے آہنگی اور بدنمائی سے ہم آغوش ہے۔ یا مذاق سماعت پر آجکل کی موسیقی سخت بار گراں گزرتی ہے مگر پرسش کی کمی اور قدر کے انعدام نے اس فن کو بھی مثل دیگر فنون کے زنگ آلود بلکہ زنگ خوردہ کر دیا ہے۔ ہاں مگر تنزل اسے کہتے ہیں رقص پر نگاہ کیجیے تو اس سے بدتر کیفیت ہے۔ رقص بجائے خود ایک نہایت

پر مبنی اور اصول روحانی پر مبنی فن تھا۔ رقص فلکیات و کائنات جسکی ابتدا اور رقص ذرات جسکی انتہا ہے ماہران فن نے خدا ہو کا ایک رنجی بت طیار کیا تھا جس میں وہ مشغول رقص ہیں جسکے حرکت وسکون کائنات کے رقص سے منطبق ہیں گردش گیتی سے آگے بڑھکر ہم نے جذبات و احساسات انسانی اور سوانح فطرت کو بھی بذریعہ رقص قابل تشریح قرار دیا تھا۔ رقص میں ہم نے شعرا کے خیال کی پرواز اور حسینان عالم کے ناز و انداز کو مضمر کیا تھا جذبات انسانی اور کیفیات روحانی کا ہم رقص میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔ بغیر استمداد زبان و گلو محض دست و پا کی حرکت وسکون اور چشم و ابرو کی جنبش سے ہم صنعت شاعری کی داد دیتے تھے اور تغزل کو رقص سے ادا کرتے تھے۔ خیر اب بھی ہم نے چند رقص کی صورتیں قائم رکھی ہیں مگر ادا میں کمزوری اور مذاق میں ضعف آگیا ہے یہاں مجھے خیال آیا کہ مغرب نے اس فن کو زندہ کیا ہے اور حسن تخیل اور نزاکت صنعت کو بدرجۂ کمال پہنچا دیا ہے۔ اس فن کا ملک روس میں بالخصوص چرچا ہے ہر کس و ناکس اس فن میں ایک حد تک یکتا ہے۔ مگر اس ملک کی سرمایۂ ناز رقاصہ پاولووا نے اس فن کی تکمیل کو اپنے کمال سے منفعل کر دیا ہے۔ اس نے رقص کی مختلف صورتیں ایجاد کی ہیں اور ہر صورت کو علمی و عملی زیورات سے آراستہ کیا ہے اُسکے رقص میں استعارات و تشبیہات کی افراط ہے۔ اُسکے اعضا سیماب وار اور رقص پُر اضطرار میں صبا کی اٹکھیلیاں پیدا ہو کر نسیم سحری کا رنگ جمانے ہیں۔ ہر ٹھوکر سے شمع شب رفتہ کو بجھاتی ہے سطح آب پر مچل کر ہلکی ہلکی لہریں پیدا کرتی ہے سیمبروں کو خواب ناز سے ہشیار کرتی ہے اور غنچوں کی چشم نیم باز پر شبنم کے چھینٹے دے کر انھیں جگاتی ہے۔ بلبل کے ترانے کو گوش گل نازک کے قریب بعید پہنچاتی ہے۔ نور کی کرنیں ہیا و رفتہ رفتہ اپنے زرفشاں تیروں کا نشانہ کرتی ہیں اور بالآخر خاموش کر دیتی ہیں۔ اسے نسیم سحری کا رقص کہنا بجا ہوگا

اس کی ایک صورت رقص کا نام شعلہ ہے۔ تو دوسرے کا نام نوع قازہ اور تیسرے کا
سرود ناب۔ جس میں سے شعلہ کی یہ کیفیت ہے کہ رقاصہ ایک تاریک کمرے میں
نمودار ہوتی ہے۔ حریر کی پوشاک زیب تن اور حریر کے دو پارچے ہاتھوں میں
عالم رقص میں وہ ان دونوں پارچوں کو اسطرح جنبش دیتی ہے اور اُس پر اسپاٹ
شعلہ رنگ روشنی ڈالی جاتی ہے کہ حریر کی لہروں میں شعلہ کی لپٹ کا انداز
پیدا ہوجاتا ہے اور رقاصہ کے حرکت وسکون کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ مجموعی حالت
رقص میں اور شعلہ میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اور انجام پر رقاصہ اس خوبی سے
حرکت وسکون کرتی ہے کہ شعلہ کے رفتہ رفتہ بجھ جانے کا سماں بندھ جاتا ہے۔ اب
اُس شعلہ میں جذبات انسانی کے بہت سے شعلے موجود ہیں۔ شعلہ عشق جدا ہے
اور شعلۂ رقابت الگ۔ شعلۂ ہجر علحدہ ہے اور شعلۂ شوق بھی۔ اسطرح ہمارے
ہاں بھی رقص کی صدہا صورتیں تھیں اور اب بھی ہیں اس فن میں بھی ہم نے
کمال پیدا کیا تھا اور ہمارے شاہوں اور راجاؤں کے درباروں میں دور دور
کے باکمال ہوا کرتے تھے۔ مجھے یہاں خیال آیا کہ ملک الشعرا کالیداس نے اپنے
مشہور ومعروف ناٹک شکنتلا میں بارہا اس فن کا ذکر کیا ہے۔ تمثیلاً جب راجہ
دُشانیتا کی طبیعت ایک موقعہ پر ذرا گھبرائی اور مکدر رہی تو اُنھوں نے حکم دیا
کہ یونانی رقاصہ بلائی جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر راجہ دشانیتا کے
دربار میں نہیں تو کم از کم راجہ وکرما دتیا کے دربار میں ضرور یونانی رقاصہ ہوگی
ورنہ کالیداس کو یہ خیال ہی کیونکر گزرتا۔ بہرکیف میرے کہنے کا مطلب صرف
اسی قدر ہے کہ زمانۂ سلف سے ہمارے ہاں یہ فن چلا آتا ہے اور اسے ایک
زمانے میں ہم نے کمال کو پہنچا دیا تھا اور غیر ممالک کے رقص سے بھی فائدہ حاصل
کیا تھا۔ اب لے دے کے صرف چند صورتیں رقص کی باقی ہیں جو مروج ہیں سیلیقہ

بھاو۔ نرت۔ روپ اور گت اب بھی باقی ہیں مگر فن رو بہ تنزل ہے "
میرے دوست "ہزار یہ چیزیں رو بہ تنزل ہیں مگر سچ تو یہ ہے کہ اب بھی مغتنمات زمانہ میں سے ہیں کوئی نہو مگر آپ تو اپنی جماعت اور اپنے فن کا بہترین نمونہ ہیں"
نازنین ۔ میں کس قابل ہوں مگر حقیقت یہ ہی ہے کہ ہمارے سب کمالات اب رو بہ تنزل ہیں اور بلکہ تنزل کے آخری غار میں پہنچ لیئے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اب ہم عوام کی نگاہ میں بھی گر گئے اور خود اپنی نظروں میں یہانتک ذلیل ہوگئے کہ اب سوائے خریداران جسم کے کسی بصر حسن کے کام کے نہ رہے۔ ہمارا نام بھی تحقیر سے لیا جاتا ہے اور ہماری جگہ دنیا کے اس ذلیل طبقہ میں مخصوص کردی گئی ہے کہ جہاں سوائے مریضان روح کے اور کسی کا گذر نہیں۔
ہوں تو میں بھی اُسی جماعت کی ایک فرد۔ مگر جسم میں دل اور دل میں ضمیر ضرور رکھتی ہوں ضمیر کی روشنی اور طبیعت کی راہبری نے مجھے اس دن سے کہ میں نے ہوش سنبھالا اس راستہ پہ ڈالدیا کہ جسکی منزل کٹھن ضرور ہے مگر میرے خیال میں زیست کے مقصود تک ضرور پہنچا دیتی ہے۔
آپ کی ہمدردی نے مجھے جرات اور مہلت دی کہ میں اپنے الم کی کہانی سناؤں ورنہ یہ وہ راز سربستہ ہے کہ جسکی محافظت میں روحانی جذبات ہر وقت مصروف ہیں اور اگر آپ کی اجازت ہوگی تو پھر کسی موقعہ پر میں اپنی ذاتی سرگذشت از ابتدا تا انتہا کہہ سناؤں گی مگر وہ درد اور مایوسی سے پُر ہے۔
محویت دور ہوئی تو دیکھا کہ سیارگان رخصتی ہیں۔ کہکشاں شرق سے غرب جاتی ہوئی پھر شمال کی طرف آ پہنچی ہے یعنی آسمان کا دور پورا ہو لیا ہے طلوع فجر قریب ہے صبح کاذب کا پردہ چاک ہوا چاہتا ہے۔ جھلملاتے تاروں کی چھاں میں تھوڑی دیر باہر کھڑا رہا اور اپنے مہمانوں کو رخصت کر خیر باد کہہ اندر آیا۔ اور یوں ہی عصفاسیہ اور یونان کا خیال کرتے کرتے سوگیا۔

آصف علی

لکھنؤ کے مشاعرے

ایک زمانہ وہ تھا کہ ہندوستان میں اُردو کو ترقی دینے۔ اُردو کو ترقی کے زیورات سے آراستہ کرکے اسے دُلہن بنانے کے لیے کیا کیا کوششیں ہوتی تھیں ایک آج کا دن ہے کہ اردو عجب کس مپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی ہے اور بجائے ترقی دینے کے اسکو رہے سہے درجے سے بھی گرانے کی کوششیں ہو رہی ہیں اس زمانے میں اُردو بیچاری کی جو کچھ بُری گت ہے وہی اسکی شاعری کی بھی ہے تاہم شاعری کے لحاظ سے ہندوستان میں لکھنؤ کا دم غنیمت ہے۔ آج کے لکھنؤ کے مشاعروں میں گو وہ چہل پہل نظر نہیں آتی جو اساتذۂ ماسبق کے زمانے میں نظر آتی تھی کہ ہر ہر مشاعرے میں سیکڑوں ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا۔ اعلےٰ سے اعلےٰ کلام پڑھا جاتا تھا اور نہایت فراخدلی سے داد سخنوری دی جاتی تھی تاہم آج بھی لکھنؤ کے مشاعروں کی مختصر صحبتوں میں لکھنؤ کے زمانۂ عروج کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ باتکلف شعرا کے حلقے میں صاف ستھرے حقوں اور نفیس پیچوانوں کے دائرے کا مشاعرے کی رونق کو دوبالا کرنا اور اپنی صدا لگانہ آواز سے شعرا کا دل بڑھانا۔ مہماں نوازی کی اشیا سے حاضرین کی تواضع ہونا۔ ہر شاعر کے شعرا کے حلقے میں داخل ہونے سے تشریف فرما ہونے تک بسم اللہ بسم اللہ کی آوازوں کا ہر چھوٹے بڑے کی زبانوں سے نکلنا اور حسب قدر مراتب آنے والے اشخاص کے خیر مقدم کے لیے محفل کے ہر ہر فرد کا جنبش میں آنا اور خاص اخلاق سے مزاج پرسی کرنا وہ سماں پیش نظر کرتا ہے جس سے نوابی اور شاہی زمانے کے ادب قاعدوں کا نقشہ دیکھنے والے کی نظروں میں پھر جاتا ہے۔ اور یہی

وہ دلکش باتیں ہیں جو لکھنؤ کے مشاعروں کو دوسرے مقامات کے مشاعروں پر فوقیت دیتی ہیں۔

گو لکھنؤ میں کوئی بڑا مشاعرہ مہینوں دیکھنے میں نہیں آتا مگر چھوٹی چھوٹی صحبتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں جہیں بیس پچیس شعرا مل کر شعرگوئی کے چرچے کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ لکھنؤ میں ہمیں تین قسم کے مشاعرے دیکھنے کا اتفاق ہوا

(۱) معیار[1] پارٹی کے مشاعرے جن میں لکھنؤ کے بیشتر مشاہیر شعرا شریک ہوتے ہیں اور اس میں لکھنوی خصوصیات کی خاص جھلک نظر آنے کے علاوہ پابندی وقت کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ کاش کہ ہم یہ لکھنے کے قابل ہوتے کہ ان مشاعروں میں تمام مشاہیر شعرائے لکھنؤ شریک ہوتے ہیں۔ معیار پارٹی کے مشاعروں میں بھی شعرا کی تعداد تیس پینتیس ۳۵ سے تجاوز نہیں کرتی اور سامعین بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ برخلاف اور شہروں کے جہاں شعرا سے سامعین کا مجمع بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ذیل میں ہم معیار پارٹی کا ایک اطلاع نامہ درج کرتے ہیں جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرات لکھنؤ اردو اور اردو شاعری کی کس طرح خدمت کرتے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں۔

اطلاع نامہ جو جناب اثر صاحب ایڈیٹر رسالہ معیار کی طرف سے جاری ہوا۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بنکے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

عرصہ سے اس بات کی سخت ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ لکھنؤ میں جو کہ اردوئے معلیٰ کا مرکز مانا جاتا ہے ایک مستقل بزم ادب قائم کی جائے اور وہ اردو شاعری کا ایک ایسا اسکول ہو جو تمام شعرا کا مطمح نظر ہوسکے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں کے با اثر شعرا نے

[1] اس پارٹی کا نام ہے جسکا ایک آرگن "معیار" کے نام سے نکلتا تھا۔

ابتک کوئی توجہ ادہر نہ فرمائی بلکہ فی الحال بعض اسباب سے میدان غزل گوئی میں وہ اگلی چہل پہل نظر نہیں آتی۔ قاعدہ ہے کہ جو جسکا مذاق ہوتا ہے آسکو اپنے مذاق میں زمانے کے نشیب و فراز سے جو جو اثر پڑتا ہے محسوس ہوتا ہے اور وہ اپنے جذبات پر شوق کے خلاف تغیر و تنزل کا زیادہ اثر لیتا ہے از بسکہ میرا خلقی محبوب مشغلہ شعر و شاعری ہمدردی زبان اُردو واقع ہوا ہے مجھ سے چپ چاپ نہ بیٹھا گیا۔ لہذا اب ایک حد انتظار کے بعد قطعی نا امیدی ہوی کہ کوئی اور اللہ کا بندہ زبان کا بہی خواہ اُردو شاعری کا دلدادہ اسطرف متوجہ ہوگا آخر کار اپنی فطرت سے مجبور ہوکر ہمت کی کہ ایک مشاعرہ شروع کردیا جائے اور اپنے خاص خاص احباب کی مدد سے اپنے ارادوں میں کامیابی کی آرزو کی جائے مہینے میں صرف ایک مرتبہ سرفرازی کی زحمت دی جائے گی امید ہے کہ آپ میری امداد کرنے میں عمداً کمی نہ فرمائیں گے۔

(عریضۂ ادب)

ہندوستانی چوتھا مہینہ ۱۳۳۲ھ بحساب ۲۰۔ دسن تاریخ شب ماہ ۲/۱ ۷ بجے باندہ والی گلی میں نواب حاجی بیگم صاحبہ کے مکان پر زحمت تشریف آوری گوارا فرمائیے احسان ہوگا مشاعرہ ٹھیک ۸ بجے انشاءاللہ شروع کردیا جائے گا

طرح بہار آئی ترقی ہے جنون فتنہ ساماں کی۔

برائے مطالع۔ زندان۔ گریباں۔

(دیگر قوافی)

پیکاں۔ درماں۔ جاناں۔ پریشاں۔ بیاباں۔ زندان۔ ساماں۔ سوزان پنہاں

آبرالقلم

(داغ اراضی شناس)

(۱) اُردو ادب کے ترقی کی دلچسپ اور سنجیدہ عملی کوشش
(۲) مذاق سلیم کی معنوی و واضح اور نمایاں انتہائی قوت کی عملی ذرائع سے تحریک پیدا کرنا۔
(۳) باتباع مذاق سلیم اردوے معلی کی نگہداشت کرنا
(۴) محاورات و اصطلاحات کی بلا تصرف و تغیر حفاظت۔
(۵) الفاظ زوائد سے پرہیز اور بازاری بول چال سے احتراز۔
(۶) مضامین رکیک کے شایستہ عنوان سے انسداد کی ترغیب دیتے رہنا۔
(۷) دوسری زبانوں کے غیر مانوس الفاظ سے کنارہ کشی۔
(۸) غیر زبان کے مانوس الفاظ بھی اُسوقت تک نہ صرف کرنا جبتک کہ اپنی زبان میں اُسکا بدل موجود ہو۔

(خلاصہ مذاق سلیم)

(۹) ایسا شعر جو مہذب گروہ میں باپ اپنے فرزند کے سامنے اور بیٹا اپنے باپ کے سامنے پڑھ سکے۔

(آداب مشاعرہ)

الف۔ پہلے اردو زبان کے متعلق ایک نہایت مختصر لکچر۔
ب۔ بپابندی وقت اساتذہ کے کلام سے مشاعرہ شروع کرنا۔
ج۔ مہمانوں کی تعظیم و تکریم میں مساوات ملحوظ رکھنا اور مصرع برابر پڑھنا داد سخن دینا۔
د۔ اشعار طنزیہ و فخریہ نہ خود پڑھنا نہ دوسروں کا پڑھنا پسند کرنا۔
ھ۔ صرف طرحی غزل کے بخیال طوالت وقت پندرہ شعر خود بھی پڑھنا اور یہی معاصرین سے امید کرنا۔

د - بانی مشاعرہ کو نہایت توجہ سے اس بات کی اصلاح کرتے رہنا کہ شعرا میں باہمی کوئی سرگرانی نہ پیدا ہو۔

ح - دوسرے شہر کے نووارد شعراء کو پہلی مرتبہ آداب مشاعرہ سے آزاد سمجھنا۔

ط - بانی مشاعرے کا ہر شاعر سے خلوص اخلاق سے غزل طلب کرنا اور عذر و انکار سے بددل نہ ہونا۔

ی - بعد ختم مشاعرہ نہایت شائستگی سے مہمانوں کا شکریہ ادا کرنا اور آیندہ سرفرازی کی تمنا کرنا۔

نوٹ

ہر طرح کے ساتھ چند قوافی پیش کرنا اگرچہ میرا نصب العین ہے تاہم جو شعراء اس پابندی کو ناپسند فرمائیں وہ اپنی رائے عالی کے مختار ہیں۔

آبر بقلم

ہم معیار پارٹی کے ایک مشاعرے کی چند غزلیں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں یہ مشاعرہ حضرت بلیغ کے مکان پر منعقد ہوا تھا!

جناب سید علی صاحب آبر لکھنوی ایڈیٹر رسالہ معیار

دیکھتا ہوں جہاں میں کیا نہ ہوا | کام کوئی مگر مرا نہ ہوا
بس بنا لی وہیں یہ خلوت گاہ | جس جگہ کوئی دوسرا نہ ہوا
ضبط غم بات میں جو فرق آیا | حق وفا کا کوئی ادا نہ ہوا
ظلم سے پہلے شکوہ سنجی ظلم | اک نصیحت ہوی گلا نہ ہوا
اُسکو کیا قدر اشک ناکامی | جو ذرا بھی غم آشنا نہ ہوا
اُسی صورت پہ ہے نظام فلک | کوئی نالہ مرا رسا نہ ہوا
رگ جان پھر نہ تو نے خون دیا | آج بھی کوئی فیصلا نہ ہوا

دیکھتا کوئی دیکھے آئینہ — اس جگہ ہائے دل مرا نہ ہوا
جسکو بے دیکھے دل نے سجدہ کیا — شکر ہے وہ مرا خدا نہ ہوا
جستجو میں نہ اپنی ضعف آیا — قطع جب تک یہ آسرا نہ ہوا
وہ بھی ہیں ہے زباں میں جنکی اثر — کبھی کوئی مرا کہا نہ ہوا
غم دنیا میں کسکو ہوش اتنا — کیا ہوا ہم سے اور کیا نہ ہوا
دل کی حرکت رکی عذاب کٹا — شکر ہے درد لا دوا نہ ہوا
نزع میں میری اُن کا آجانا — گو بُرا وقت تھا بُرا نہ ہوا

پڑھ لیا آپ نے خط پیشانی
جب تو نیں قسمت آزمانہ ہوا

حضرت محشر لکھنوی

ادب عاشقی ادا نہ ہوا — اُن سے چھوٹا ئیں اور فنا نہ ہوا
تم نے دنیا اُلٹ دی غصے میں — اک قیامت ہوی گلا نہ ہوا
شرم آتی ہے مُنھ سے کیا کہیے — کیا ہوا زندگی میں کیا نہ ہوا
اس جوانی کے زور پہ صدقے — دل سے تیر اپنا خود جدا نہ ہوا
ہاتھ ہم خون دل سے دھو بیٹھے — ناوک ناز کا بھلا نہ ہوا
ہم نثار فنا رہے پھر بھی — زندگانی کا حق ادا نہ ہوا
او جفا کیش اسکے کیا معنے — وعدۂ ظلم بھی وفا نہ ہوا
یوں میں بزم حبیب میں بیٹھا — دوست دشمن کوئی خفا نہ ہوا

رمز ترغیب عشق تھا محشر
نہ ملے ہم سے وہ بُرا نہ ہوا

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

عشق مظلوم بے خطا نہ ہوا حُسن اچھوں میں بھی بُرا نہ ہوا
سونے والوں کو کیا خبر لے ہجر کیا ہوا ایک شب میں کیا نہ ہوا
ایک مدت ہوئی ہے غم سہتے دل مگر درد آشنا نہ ہوا
وصل کی رات بھی ہوا نہ تمام ہجر کی شب ہوئی گلا نہ ہوا
ہنس کے بھی رو کے بھی کہا لیکن مطلب دل کبھی ادا نہ ہوا
بستر اُٹھا نہ کوئے قاتل سے شکر ہے پاس بے وفا نہ ہوا
اک بلا تھی جو یہ گرہ کھلتی عقدۂ دل بھلے کو وا نہ ہوا
کیا کہے بے زباں اسیر قفس کیوں ہوا قید کیوں رہا نہ ہوا
جانگزا تھا غم فراق مگر آپ خوش تھے تو کچھ برا نہ ہوا
آشنا تھا مذاق عشق سے دل تلخکامی سے بے مزا نہ ہوا
مَیں کہاں تک فروتنی کرتا جب تمہیں پاس وضع کا نہ ہوا
مَیں عجب گھر میں ہوں کہ جس کا در بند ہونے کے بعد وا نہ ہوا
غم دیا ہے تو کچھ اضافہ کر دینے والے مرا بھلا نہ ہوا
کھنچ گئی حشر میں زمین لحد کوئے قاتل سے میں جدا نہ ہوا

حسرت ذبح رہ گئی ثاقب
یہ فریضہ مرا ادا نہ ہوا

حضرت بلیغ لکھنوی

طے محبت کا راستا نہ ہوا تو ہی جبتک کہ رہنما نہ ہوا
ٹکنے دیتا جو در پہ وحشی کو کوئی اتنا بھی آشنا نہ ہوا
کبھی نکلی نہ آرزو دل کی ایک دن اُن کا سامنا نہ ہوا
تیرا دربان سمجھ کے کچھ نہ کہا کیا کہوں کوئی دوسرا نہ ہوا

اپنے مرنے کا رنج ہے تو یہ ہے — تیرے در پہ یہ واقعہ نہ ہوا
نہ اُٹھا درمیان سے پردہ — آج بھی طے یہ مرحلہ نہ ہوا

نہ کسی نے خبر لی آہ بلیغ
نہ ہوا کوئی آپ کا نہ ہوا

بقیہ غزلوں کا انتخاب آیندہ نمبر میں درج ہوگا۔

دوسری قسم کے مشاعرے وہ ہیں جنکا تعلق معیار پارٹی سے نہیں ہے۔ ان میں لکھنوی تکلفات کے علاوہ پابندی وقت اور خاص خاص حضرات کے انتظار میں ہندوستانی وضعداری کو بہت زیادہ دخل ہے انکو معیار پارٹی کے قواعد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان میں بعض بعض مشاہیر شعراے لکھنو بھی شریک ہوتے ہیں۔

تیسری قسم کے مشاعرے یعنی طلبا کے مشاعرے لکھنو کے بعض مدارس میں شام ہوتے ہیں اور کالج میں بھی چنانچہ ہمیں کیننگ کالج کے سالانہ مشاعرے میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا اس میں نہ تو لکھنوی تکلفات کو کوئی دخل تھا نہ یہاں لکھنو کے مروجہ اخلاق تہذیب کا اتباع زیادہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ بیشتر مشاہیر شعرا لکھنو اسمیں شریک نہیں تھے جسکے دو وجوہ بیان کیے جاتے ہیں ایک یہ کہ مشاہیر شعراے لکھنو ایسی صحبتوں میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے۔ دوم غالب کا طرفدار گروہ اس وجہ سے شریک نہیں ہوا کہ کالج کے کسی گذشتہ مشاعرے میں کالج کے کسی طالب علم نے چند بے تکے الفاظ جوڑکر ایک بے معنی غزل پڑھی اور اُسکو غالب کے رنگ کی غزل بیان کیا تھا۔ اس مشاعرے میں حضرت ظریف لکھنوی (جو لکھنو کے بہترین ظریف شاعر ہیں) بھی شریک جلسہ تھے مگر انکی غزل بعض صاحبان کی غزلوں سے قبل پڑھی گئی جس سے اُن لوگوں کی غزلوں

اثر پڑا۔

لکھنؤ کے چند مشاہیر شعرا ایسے بھی ہیں جو اکثر مشاعروں میں شرکت نہیں کرتے اور یہ وہ شکایت ہے جو اکثر مقامات پر بعض بعض شعرا کی نسبت کیجاتی ہے ذیل میں ہم کیننگ کالج کے چار طلبہ کی غزلیں درج کرتے ہیں۔ چونکہ یہ کالج کے طلبا کی طرف سے دوران مشاعرے میں تمغہ جات دیے جانے کا اعلان ہوا رگھونند کشور صاحب شوق کو حضرت چکبست لکھنوی کی رائے پر تمغہ دیا گیا جو بہترین غزل پڑھنے والے طالب علم کے لیے پروفیسر رائے صاحب کی طرف سے (جنکا یرتاد شعرا اور سامعین کے ساتھ غیر معمولی طور پر اچھا تھا) پیش کیا گیا تھا۔ لیکن بعض مشاہیر شعرا ہاشمی صاحب کی غزل کو ترجیح دیتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

جناب سید محمد صاحب شاد

تڑپے تھے عمر بھر خلش انتظار میں — بعد فنا بھی نیند نہ آئی مزار میں
گردش وہی ہے بعد فنا بھی غبار میں — کیونکر پھرے نہ موج ہوا انتشار میں
تقسیم تھا جو درد و الم روزگار میں — سب کھنچ کے آگیا ہے دل بیقرار میں
کہتا ہے عشق دیکھ لو عاشق کو مرتے دم — کہتا ہے حسن فرق نہ آئے وقار میں
شہ رگ کے ساتھ منزل ہستی بھی کاٹ دی — دوہری اداتھی اک ترے خنجر کی دھار میں
ذوق فنا بھی کشمکش شوق دید بھی — کن مشکلوں سے نکلا ہے دم انتظار میں
اک دل ہی رہ گیا تھا کہ تھا جس پہ ناز عشق — بیتابیوں سے چھوٹ رہا بزم یار میں
دل خون ہو گیا پہ نہ چھوٹے ترے قدم — مثل حنا رہے چمن روزگار میں
افشائے راز عشق کا شکوہ نہ کیجیے — قابو میں ہے زبان نہ دل اختیار میں
دربان کی اک نگاہ نے سب کو فنا کیا — کیا کیا تھیں حسرتیں دل امیدوار میں

عشق میں اُدھر رہا اسی گوشے آج طور
آواز گونجتی رہی واں کوہسار میں

ذرات دل سے ایک تلاطم ہوا میں ہے
کس حد کا اضطراب تھا مشت غبار میں

کھلنے سے فصد جوش جنوں میں کمی تو ہے
یہ درد بڑھ گیا ہے دلِ بیقرار میں

سہ سہ کے آپ خواب سے کیونکر نہ چونک اُٹھیں
شاید تڑپ رہا ہے کوئی انتظار میں

دینے لگا دوا کے عوض اب تسلیاں
یہ کیا سما گئی دلِ تیماردار میں

نکلا نہیں ہے دم یہ کسی بے گناہ کا
دنیا اُلٹ گئی نظر ہوشیار میں

اے شاد دیکھو آتشِ گل کے فروغ سے
خود اپنے گھر میں آگ لگا دی بہار میں

رگھونند کشور صاحب شوق

کیوں خاک اُڑا رہی ہے صبا کوئے یار میں
یہ شوخیاں یہ بے ادبی اس دیار میں

بوئے وفا نہیں چمنِ روزگار میں
کیسی بہار آگ لگے اس بہار میں

پابند کب تھے اہل جنون عقل کے مگر
وحشت اب اور بڑھ گئی فصلِ بہار میں

کچھ پھول سرخ سرخ ہیں کچھ پھول زرد زرد
رنگ خزاں شریک ہے رنگِ بہار میں

نیند آئے گی نہ وعدۂ فردا کی یاد میں
آرام مر کے بھی نہ ملے گا مزار میں

پر جلتے ہیں فرشتوں کے کون آسکے گا یاں
گرمی غضب کی ہے مری خاک مزار میں

تصویر انقلاب ہے ہر چیز دہر کی
رکھا ہے کیا زمانۂ بے اعتبار میں

آئینہ کیا ہے دنگ ہوا آئینہ ساز بھی
شان اللہ دیکھ کے روئے نگار میں

زلفِ سیاہ آپ کی ہو جائے گی سفید
فرق آئے گا نہ گردشِ لیل و نہار میں

مردہ دلوں کو جام محبت کا کیا مزا
پنہاں ہے بوئے عشق مئے خوشگوار میں

منہ سے نقاب اُلٹ کے وہ نکلے ہیں سیر کو
یا چاندنی نے کھیت کیا ہے بہار میں

دنیا میں نیکیوں کا عوض ہے سلوک بد
پتھر لگاتے ہیں شجر میوہ دار میں

کثرت میں بھی فقیر کو آئے خدا نظر   مجنوں نے دیکھا محمل لیلےٰ غبار میں
آنکھیں ہیں بند اور تصور ہے آپکا   کیا جان پر بنی ہے شب انتظار میں
آئیں گے غش پہ غش ارنی گوئے طور کو   ظالم پھبن غضب کی ہے تیرے نکھار میں
آئیں گے بعد قتل اگر فاتحہ کو آپ   دیت اسی کو سمجھینگے عاشق مزار میں
کافی ہے بہر سیر مری چشم اشک ریز   کیا جا کے آپ دیکھیے گا آبشار میں
مانا کہ میرے دیدہ گریاں کا ہے جواب   لیکن یہ زور شور کہاں آبشار میں

دیوانگیِ شوق عجب رنگ لائی ہے
اُترا ہے پھٹ کے پیرہن آخر غبار میں

چودہری رحم علی صاحب ہاشمی تلمیذ حضرت عزیز لکھنوی

فعلے بھرے ہوے ہیں دل داغدار میں   یہ آگ جل رہی ہے کسی یادگار میں
یہ اضطراب تھا مجھے شب ہائے تار میں   یا بجلیاں بھری تھیں دل بیقرار میں
کیا جاؤں اُنکے سامنے لے آرزوئے شوق   وہ وقت ہے کہ دل ہی نہیں اختیار میں
قاصد یہ شق تازہ ادا کر رہے ہیں وہ   گھٹ گھٹ کے مر رہے ہیں یہاں انتظار میں
کملا گیا جو پھول چڑھایا گیا کوئی   گرمی ہے اسقدر مری خاک مزار میں
صحت مریض غم کی ہے موقوف موت پر   آتی نہیں یہ بات دلِ غمگسار میں
جوش نمو سے بال و پر طائر قفس   کیا رنگ لائے دیکھیے اب کی بہار میں
آنکھوں پہ ہاتھ اور ندامت سے سر ہے خم   کیا چیز دیکھ لی ہے اُنھوں نے غبار میں
کیا آ گیا ہے آبلہ پا دشت میں کوئی؟   تیزی پھر آ گئی ہے ہر اک نوک خار میں
دفتر ہے ایک اہل محبت کے واسطے   جو کچھ کیا ہے زندگیِ مستعار میں
آنکھیں پھری ہیں ہاتھ جگر پر دھرا ہوا   یوں ہے مریض ہجر ترے انتظار میں
پیدا ہوی مرے نفس مضطرب کے ساتھ   ذرات کی کشش چمن روزگار میں

وطن جان میری نگاہ میں ہیچ ہیں — کیا چیز آگئی ہے دلِ بیقرار میں
یارب یہی دعا ہے ہر اک اہل درد کی — سو بار زندہ ہو کے مریں انتظار میں
روتے ہوئے وہ گورِ غریباں سے آئے ہیں — شاید پڑھا ہے کچھ کسی لوحِ مزار میں
وہ دن گئے کہ محوِ طلسمِ خیال تھے — اب زندگی ہے کشمکشِ روزگار میں
آئے بھی اور چلے بھی گئے رہروانِ عشق — ہم ہیں کہ تھک کے بیٹھ رہے کوئے یار میں
عادات کے مطیع خیالات کے غلام — افسوس ہے کہ دل ہی نہیں اختیار میں

مل جائے کاش اجازت فریاد ہاشمی
اک آگ سی لگی ہے دلِ بیقرار میں

چودھری تربھون ناتھ صاحب بسمل

محفل کا رنگ انھیں کے ہے بس اختیار میں — انگڑائیاں جو لیکے اٹھے ہیں خمار میں
وحشت جنوں کا ہے یہ تقاضا بہار میں — الجھے نہ رہیے پیرہن تار تار میں
بیٹھا تصورِ دُرِ دندانِ یار میں — موتی پرو رہا ہوں میں آنسو کے تار میں
اک وہ جنھوں نے وعدہ وفائی کبھی نہ کی — اک میں کہ ساری عمر کٹی انتظار میں
میں سخت جاں حضور نزاکت کی جان ہیں — گردن مری کٹے گی بھلا ایک وار میں
بدمست ہو کے رند چلے میکدے سے پھر — کیا جانے کیا اثر ہے ابرِ بہار میں
آجایئے کہ دل کو میسر سکون ہو — گھبرا رہی ہے روح مری انتظار میں
پھیلی ہوئی ہے داغِ محبت کی روشنی — دل ہے کہ اک چراغ ہے کنجِ مزار میں
فریاد و آہ و نالے پہ شکوہ نہ کیجیے — ہم کیا کریں کہ دل ہی نہیں اختیار میں
تم کو غرورِ حسن ہے مجھکو جنونِ عشق — میں اختیار میں ہوں نہ تم اختیار میں
بیٹھے ہیں اب کہ دیکھیے ہوتا ہے حکمِ قتل — صد شکر ہم بھی آئے ہیں انکے شمار میں
دیتی ہیں لطف کیا تری وعدہ خلافیاں — بیٹھا ہوں انتظارِ شبِ انتظار میں

ہوتا ہے جو بھی ہو کے رہے گا وہ ایکدن — کیا دخل ہے مشیت پروردگار میں
محدود تھا نظام وفا تا بقائے دل — فرسودہ اب وہی ہیں پریشاں غبار میں

خنجر بکف وہ شوخ نہ تڑپوں تو کیا کروں
بسمل بھرا ہے جوش دل بیقرار میں

جناب نواب حامد علی خاں صاحب حامد لکھنوی بیرسٹر ایٹ لا

منحرف ہم سے گو زمانہ ہوا — پر کسی کا کبھی گلا نہ ہوا
ایک بھی گو مرا کہا نہ ہوا — آپ راضی رہے برا نہ ہوا
مجھکو جب تیرا آسرا نہ ہوا — سب برابر ہوا ہوا نہ ہوا
منقلب ایسا کچھ زمانہ ہوا — دوستی میں بھی کچھ مزا نہ ہوا
دل کی قوت کو کیا بھلا جائیں — تو ہی جب صبر آزما نہ ہوا
یوں تو سب کچھ ہوا زمانے میں — ہم نے چاہا وہی ذرا نہ ہوا
جو کیا تو نے وہ کیا سب نے — جو کہا اس کے ماسوا نہ ہوا
سارا عالم مطیع ہے تو ہو — کیا ہوا جبکہ تو مرا نہ ہوا
انقلاب ایسے میں نے ہی دیکھے — سب ہوا پر مرا کہا نہ ہوا
زندگانی سے کیا ہوا حاصل — جب وہ جان جہان مرا نہ ہوا
فائدہ ایسے وعدہ کرنے سے — بھولے سے جو کبھی وفا نہ ہوا
پیٹھ پیچھے شکایتیں لاکھوں — شکر ہے روبرو گلا نہ ہوا
آئے وہ پر نہ آئے وعدے پر — ہاں ہوا پر مرا کہا نہ ہوا
یاد جو ملک کو رہے ایسا — ایک کام اے مرے خدا نہ ہوا

ہائے حامد تم نہیں جو یاد رہے
مرگئے بھی ایسا واقعہ نہ ہوا

* مخصوص بلیغ کے مشاعرے کی غزل - چونکہ وقت بہت تھا اسلیے جلسہ سے علیحدہ درج کی جاتی ہے - ایڈیٹر

حُسن سعادت

(سلسلے کے لیے مارچ نمبر ملاحظہ ہو)

(۴)

قیصر ضروری سامان سفر جمع کر کے اتوار کی شام کو علیگڈھ روانہ ہوگیا چلتے وقت اسنے جمیلہ کو نہایت محبت اور شکر گذاری کی میٹھی نظروں سے دیکھکر غمگین آواز سے خدا حافظ کہا جو کانوں کی راہ سے اسکے نازک دل میں اتر گئی بڑی بڑی مخمور آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے گو اس واقعہ سے قیصر کا دل بھر آیا لیکن وہ مرد تھا ضبط سے کام لیا اور بناوٹی مسکراہٹ سے مسکراتا ہوا رخصت ہوا اس بے موقع تبسم نے غریب جمیلہ کو دھوکے میں ڈالدیا لیکن وہ قیصر سے بدظن نہ ہوی دل میں بہت بدگمانیاں پیدا ہوئیں مگر کاغذی گھوڑوں کی طرح اُچھل کود کر نکل گئیں اور اسکا آئینۂ دل گرد کدورت سے پاک رہا۔

قیصر کے جانے کے بعد جمیلہ نے اپنی بدمزاج ساس کے خوش رکھنے میں کوئی دقیقہ فردگذاشت نہ کیا اسکا معمول تھا علے الصباح اٹھکر فریضۂ سحری ادا کرتی پھر تلاوت قرآن میں گھنٹہ بھر مشغول رہتی اسکے بعد ملازموں کو صفائی کی تاکید کرکے اپنی نگرانی میں کھانا پکواتی دس بجے ساس اور خسر کو کھلا کر خود کھاتی گھر کا حساب لکھتی خرچ بانٹتی دوپہر کو جب خوشدامن آرام کرنے بستر پر دراز ہوتیں تو انکے پاس بیٹھکر آہستہ آہستہ سر کھجاتی جسکی وجہ سے انہیں فوراً نیند آجاتی۔ شام کو پھر اسیطرح انتظام کرتی اور دس بجے رات کے بعد جملہ کاموں سے فارغ ہو کر سونے لیٹتی لیکن اسے رات گئے تک نیند نہ آتی کیونکہ قیصر کے بغیر کمرہ سونا معلوم ہوتا دن بھر کاموں کی

معروفیت میں کچھ معلوم نہ ہوتا لیکن جدائی کا جانگسل درد رات کو جگر میں نشتر چبھویا کرتا اور وہ قیصر کے خیال میں پہروں پیکر بےحس کی طرح ساکت و صامت پڑی رہتی اسی انہماک کے عالم میں ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکے لوریاں دے دیکر سلادیتے۔

اسی طرح دو ہفتے گذر گئے اس مدت میں اس نے خوشدامن کو ناراض ہونے کا موقع نہ دیا لیکن عادت کے مطابق وہ اپنی نیک اطوار بہو پر دن میں دو ایک بار بلا جھک لیا کرتیں مگر جمیلہ فوراً یہ کہکر قصور ہوا بات کو مختصر کر دیتی خصوصاً جب نوکروں پر آفت آتی تو وہی ان لوگوں کا الزام اپنے سر لیتی اور جن مصائب اور سختیوں کا مقابلہ ہوتا انھیں نہایت علو حوصلگی سے برداشت کرتی ایک روز کا ذکر ہے جمیلہ سے اسکی ہجولی ملنے آئی جسکی خاطر تواضع کی وجہ سے وہ باورچیخانے نہ جا سکی اتفاق سے اسی روز سالن میں نمک تیز ہو گیا جب دسترخوان چنا گیا اور سب کھانے بیٹھے تو کسی نے کچھ نہ کہا لیکن جمیلہ کی ساس نے حشر برپا کر دیا سالن کا پیالہ اُٹھا کر انگنائی میں پھینکدیا ماما کے عوض غریب جمیلہ کو سیکڑوں صلواتیں سنائیں مگر اس نے اپنی زبان سے ایک حرف نہ نکالا سر جھکائے سُنا کی جب وہ بک جھک کر خاموش ہوئیں تو جمیلہ ہاتھ جوڑکر عفو تقصیر کی خواستگار ہوئی یوں مطلب نہ نکلا تو قدموں پر سر رکھدیا لیکن انھوں نے بڑی بےدردی سے سر ٹھکرا دیا یہ جابرانہ برتاؤ دیکھکر قیصر کے والد سے نہ رہا گیا بیتاب ہو کر بول اُٹھے۔

افسر حسین۔ یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے جمیلہ کا کیا قصور ہے اگر خطا بھی ہوتی تو تمھیں معاف کرنا لازم تھا دیکھو کس عاجزی سے ہاتھ جوڑے قدموں پہ گری ہے سر اُٹھاکر سینے سے لگا لو۔

افسر حسین کی اس ہمدردی سے وہ اور چراغ پا ہوئیں نتیجہ یہ ہوا دونوں میں جھگڑا ہوا جمیلہ نے بہت کوشش کی کہ افسر حسین خاموش ہو رہیں لیکن ناکام رہی

آخرکار افسر حسین نے رنجیدہ ہوکر جمیلہ کو سمجھا بجھا کر اسکے میکے سوار کردیا گو وہ اس امر پر کسی طرح رضامند نہوتی تھی لیکن خسر کی عدول حکمی ہوتے دیکھکر مجبور ہوگئی اور زار زار روتی ہوئی میکے سدھاری۔

(۵)

جمیلہ کے جاتے ہی اسکی مغلوب الغضب خوشدامن نے قیصر کو ایک خط لکھا جسمیں جمیلہ کی نسبت نہایت نا ملائم الفاظ تحریر کیے اور جہاں تک اسکی بدسرشت طبیعت نے یاری دی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر برائیاں رقم کیں اور نہایت احتیاط سے اپنی ہمراز ماما کو لفافہ بند کرکے ڈاک میں ڈالنے کو دیا۔

بیچارے افسر حسین کو مطلق اطلاع نہوی کہ انکی مطیع و عفت مآب بہو کی نسبت کیا کیا زہر اُگلا گیا ہے انھیں خیال تھا تھوڑی دیر مین بیوی صاحبہ کا غصہ اُتر جائے گا پھر خود ہی بہو کو بلوا لیں گی لیکن اُنکا خیال لغو اور گمان غلط ٹھہرا اُنکی زوجہ کو زیادہ غصہ یہ تھا کہ انھوں نے ٹانگ برابر لونڈیا کی جنبے داری میں میری عزت و وقعت کا خیال نہ کیا وہ بہو سے پورا انتقام لینے پر آمادہ تھیں اور اپنی پوشیدہ کارروائی میں بہت کچھ کامیاب بھی ہوئیں علی گڈھ خط روانہ ہونے کے چوتھے روز قیصر کا خط افسر حسین کے پاس آیا جسمیں اول سے آخر تک جمیلہ سے اظہار ناراضگی کیا گیا تھا اس نے لکھا تھا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ جمیلہ یکایک اسطرح بدل جائے گی وہ دیکھنے میں مستقل مزاج سنجیدہ اور خلیق معلوم ہوتی تھی اب تجربے سے معلوم ہوا کہ اسکے پہلو میں نہایت ذلیل دل تھا جو میری غیبت میں کھُل کھیلا اگر اسکو اماں جان کی اطاعت کرنا ناگوار ہے تو اسے جبتک میں نہ آؤں میکے میں رہنے کا حکم عنایت فرمایئے میں وہاں پہنچکر جو مناسب سمجھوں گا طریقہ اختیار کروں گا آخر میں تحریر کیا تھا کہ جو میری عقل ناقص میں آیا تحریر کیا اب آپکو اختیار ہے جو مناسب تصور فرمایئے کیجیے

خط پڑھ کے افسر حسین کا چہرہ سرخ ہوگیا اسی طرح غصّے میں بھرے ہوئے زنانخانے میں آئے بیوی میاں کو غضب آلود دیکھکر ڈرگئیں وہ اگرچہ غصّہ ور تھیں لیکن جب میاں کو غیظ و غضب میں بھرا ہوا دیکھتیں تو ساری بدمزاجی بھول جاتی تھیں بہت غور کیا آج کیوں اور کس وجہ سے یہ حالت ہے لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا اتنی دیر میں افسر حسین ہاتھ میں کھلا ہوا خط لیے صحن میں پہنچ گئے اور ڈانٹ کر بولے۔

افسر حسین: کیوں جی تم نے خط کے ذریعہ سے کیا کیا زہر اُگلا ہے جو قیصر نے ایسا ناشایستہ خط لکھا ہے میں نے لاکھ لاکھ سمجھایا اپنے ان بیہودہ حرکات سے باز آؤ مگر ایک نہ مانی تمھیں شرم نہیں آتی ضعیفی میں ایسے شرمناک افعال کر گذرتی ہو ذرا اپنے سفید بالوں کی لاج رکھو بھلا غریب جمیلہ نے تمھارا کیا بگاڑا تھا خود ہی تو تم نے اسے ہزاروں باتیں سنائیں خفا ہوئیں مارنے اٹھیں میں نے سمجھایا تو مجھ سے اُلجھ پڑیں اس پر بھی کلیجا ٹھنڈا نہوا لڑکے کو خط لکھ بھیجا۔

شکیلہ بیگم: آنچل سے آنسو پونچھکر آج خدا جانے تمھیں کیا ہوگیا ہے بھنگ کھا کے آئے ہو جو ایسی ایسی باتیں زبان سے نکال رہے ہو میری عمر تمھاری کنیزی میں بسر ہوئی لیکن آجتک کبھی ایسی باتیں سننے کا اتفاق نہوا تمھیں انصاف کرو میرا کیا قصور ہے تم تو ہمیشہ سے جمیلہ کی پاسداری کرتے ہو اُس روز اُس نے جان بوجھ کر مجھے پریشان کرنے کے واسطے سالن میں نمک جھونکدیا میں جو بولی تم بگڑ گئے اسے تو میرے ساتھ بغض للہ ہوگیا ہے ہر کام میں ہرونی جتونی کرتی ہے بھلا ان باتوں کو میں کیا جانوں وہ تو امامن کہاری نے مجھ سے بیان کیا کہ دولہن صاحبہ نے سالن میں مٹھی بھر نمک ڈالدیا اگر میں نے تمھیں اس بات کی اطلاع دی تو کیا گناہ ہوا؟

افسر حسین: بھلا تو نمک حرام امامن کو دیکھو ابھی ساری قلعی کھل جاتی ہے

اماں نے جو میاں کو یہ کہتے سنا دم نکل گیا چپکے سے اپنی کوٹھری کی تھی بغل میں چلی جان بچا کر نکل گئی میاں بیوی میں خوب ہوی انجام یہ ہوا کہ ناصر حسین بگڑ کر علیگڈھ روانہ ہو گئے چلتے وقت جمیلہ سے ملنے آئے تسلی و تشفی دی اس نے بعنوان شائستہ کہا میری وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی آپ کیوں مفت میں درد سر مول لیتے ہیں اس معاملے کو یہیں ختم کر دیجیے جو کچھ میرے نصیب میں ہوگا جھیل لوں گی انھوں نے جمیلہ کو گلے لگا کر کہا بیٹا تم پریشان نہو خدا اچھا ہی کریگا کسی کی اتنی مجال نہیں جو میری زندگی میں تمھیں گرم نگاہ سے دیکھے میں نادان نہیں ہوں جو کچھ کرتا ہوں خوب سوچ سمجھ کے کرتا ہوں تمھیں نہیں معلوم اس میں خاص مصلحت ہے اس کارروائی کے بعد تمھاری خوشدامن بالکل سیدھی اور خوش مزاج ہو جائیں گی بدمزاجی کی یہی وجہ ہے کہ میں نے ہمیشہ انکی نازبرداری کی انھوں نے جو کچھ برا بھلا کہا خاموشی سے سن لیا کبھی جواب دے کر بات نہ بڑھائی ہر وقت انکی خوشی اپنی خوشی پر مقدم رکھی حد یہ ہے بدمزاج بنا دیا اگر ذرا سی سختی سے کام لیتا تو یہ انجام نہوتا لیکن اب انکی بدمزاجیاں مجھ تک محدود نہیں رہیں رفتہ رفتہ ہر شخص سے یہی برتاؤ ہوگا اسوقت میرا بگڑ کر چلا جانا بہت اثر کرے گا امید تو ہے غیرت میں آکر اپنا غصہ ترک کر دیں۔

جمیلہ اپنے خسر کی مصلحت دریافت کر کے خاموش نہ رہی مگر یہ عرض کیا کہ میری وجہ سے یہ کارروائی نہ کی جائے کیونکہ میں ان کی چھوٹی بلکہ یوں فرمائیے کہ لونڈی ہوں اور لونڈی کے مقابلے میں مالک کو غیرت دلانا بیجا معلوم ہوتا ہے لیکن ناصر حسین نے اس رائے کو پسند نہ کیا جمیلہ کو میکے میں مقیم رہنے کی ہدایت کر کے قیصر کے پاس روانہ ہوئے۔ (باقی آئندہ)

فرزند اعلیٰ خنجر لکھنوی

غزلیات

حضرت حسرت موہانی[1]

مایوس نہ یوں ہوتے تو دور اگر ہوتا　　ہم کچھ نہ تجھے کہتے مجبور اگر ہوتا
تھا شوق نظر کامل پھر بھی تو نہ چھپ سکتا　　سو پردوں میں وہ جلوہ مستور اگر ہوتا
تاریک نہ یوں رہتی تقدیر سیہ مستی　　شیشہ سے گلگوں سے پرنور اگر ہوتا
جب میں نے وفا کی تھی وہ کیوں نہ وفا کرتے　　ایسا ہی محبت کا دستور اگر ہوتا
پاس اور تمنا اپنے کچھ بڑھ کے دل و جاں سے　　ہم وہ بھی فدا کرتے مقدور اگر ہوتا
ظاہر میں جفا کرتے باطن میں وفا ہوتی　　سو ڈھب سے کرم ہوتا منظور اگر ہوتا

کچھ داد وفا حسرت ہم کو نہ ملی - ملتی
دنیا میں یہ افسانہ مشہور اگر ہوتا

حضرت آرزو لکھنوی

کرینگے ظلم وہ قابو میں پھر سے لا کے مجھے　　کہ چاہتے ہیں صفائی گلے لگا کے مجھے
وہ سامنا نہیں کرتے جھلک نے کھا کے مجھے　　جفائیں ہونے لگیں فریفتہ بنا کے مجھے
ادھر ادا کے شوخ کے اُدھر ہے ناز کی چھیڑ　　ستا رہے ہیں ابھی تو غریب پا کے مجھے
کچھ امتحان وفا کی نہ ہے جزا نہ سزا　　تمھیں سکوت ہے کاہے کا آزما کے مجھے
سزا بے جرم محبت نہ دے سکے آخر　　جفائیں بھول گئے سامنے بلا کے مجھے
میں آہ سرد کے اٹھتے اثر سے نالاں ہوا　　جلائے دیتے ہیں جھونکے ہی ہوا کے مجھے
غضب کیا کسی پردہ نشیں کی شوخی نے　　کہیں کا نہ رکھا جھلک دکھا کے مجھے

[1] یہ غزل علیگڑھ کے مشاعرہ میں پڑھی گئی تھی جو ۲۰ فروری ۱۹۱۶ء کو منعقد ہوا تھا۔

پڑی ہے بالوں پہ کچھ خاک کچھ ہے دامن پر — بتاؤ اور تمھیں کیا ملا ستا کے مجھے
ہیں اُن پہ حشر میں دعوے خوں کو لئے کر — جو ذبح کرنے کو آئے تھے منہ چھپا کے مجھے
وہ آج اشک بہاتے ہیں خود بھی [illegible] — جنھوں نے خاک کیا ہے جلا جلا کے مجھے
یہ ڈر جو تھا کہ نہ شکوہ مند جور کہیں — کبھی مزاج نہ پوچھا بلا بلا کے مجھے
ہوا جو بیخودیِ شوق کا وہ بیت تنا کی — حجاب آنے لگا سامنے خدا کے مجھے
پھر اٹھ سکینگے نہ دامن سے داغ بدنامی — جو اشک پونچھ رہے ہیں لہو رلا کے مجھے

یہ احتیاط ہے کاہے کی آرزو جو وہ آج
شریک بزم ہوئے ہیں الگ بٹھا کے مجھے

حضرت بیخود موہانی

جہاں اب سانس چلنے کی صدا آتی ہے مشکل سے — وہ زنداں گونجتا رہتا تھا آواز سلاسل سے
ٹپکتا ہے پسینہ کیوں بن ہر موے قاتل سے — یہ آخر کیا ٹپکتا تھا نگاہ یاس بسمل سے
ہمیشہ دل سے بسمل کے تڑپنے کی صدا آئی — کٹی ہے زندگی کٹنے کو لیکن اتنی مشکل سے
ہر اک کے سامنے ہے اک نئی دنیا اداؤں کی — تماشائی ترے جلوے کے یوں اٹھے ہیں محفل سے
یہ ہم کو بھول بیٹھا تھا ہم اسکو چھوڑ بیٹھے تھے — تعارف انکے صدقے میں ہوا ہے آج پھر دل سے
نگاہ مست تھی بڑھتی ہوئی اک لہر مستی کی — مزے میں ڈوب کر اٹھے ہیں ساقی کی محفل سے
ہمیشہ ہر طرف دریائے خوں چڑھتا نظر آیا — یہ بدلہ خون ناحق نے لیا بیدرد قاتل سے
ہمیں ہر اک کو محویت کچھ ایسی بزم ہستی میں — نجانا اہل محفل نے کب اٹھا کوئی محفل سے
یہ دل پر تھا اثر ہر سو وہی زنداں نظر آیا — اسیران بلا چھوٹے تو کیا چھوٹے سلاسل سے
وہ خود رفتگی میں مجنوں حدیث شوق کہتا تھا — زمیں سے چرخ سے زنداں سے بیڑی سے سلاسل سے
کبھی کچھ ہیں ہوگا ہستی موہوم کا زنداں — کہیں اہل جنوں کا پاؤں لا نکلے سلاسل سے
وہی جانے یہ دنیا کیا [illegible] ہم نے تو — قیامت تک [illegible] سے

کہیں پامال ہونا ہے کہیں برباد ہونا ہے — بہ رنگ نقش پا ہم چھٹ گئے یاران منزل سے

نفس کی آمد و شد کی قسم یہ ذوق گردش تھا — ہمیشہ مثل گرد کارواں پھر آئے منزل سے

نظر کر رہ فطرت پر کہ ان مجبوریوں پر بھی — نہ دل مجبور ہے مجھ سے نہ میں مجبور ہوں دل سے

اب اسکی اور دنیا ہے اب اپنا اور عالم ہے — گئے وہ دن کہ ہوجاتی تھیں باتیں ہم سے اور دل سے

تھم اے جویائے راز بزم ہستی خیر سنتا جا — صدائیں آ رہی ہیں کچھ کسی اُجڑے ہوئے محل سے

فضا کا ذرہ ذرہ محشرستان تجلی ہے
خدا جانے یہ پردہ ہٹ گیا ہے کسکی محمل سے

حضرت عزیز منصورپوری

آہ کو چاہیے ہر حال رسا ہو جانا — چاہیے صبح و مسا در پہ صدا ہو جانا

کم نہیں حسن پہ کچھ جرم جفا ہو جانا — آنکھ جلتی ہے جہاں ہونٹ کو وا ہو جانا

بلبلے مٹتے ہیں دریا میں سکوں ہونے سے — زیست ہے اپنی تلاطم کا بپا ہو جانا

عکس لیتا نہیں آئینہ کسی بے رخ کا — صاف باطن سے پلٹنا ہے فنا ہو جانا

لذت بیم و رجا ہے مجھے مانع ورنہ — باب تاثیر کا کھلنا ہے دعا ہو جانا

شمع سادہ ہو کہ کافوری ہوا ہیں کیا ہے — ہاں ہے پروانے کو ہر رنگ فنا ہو جانا

حسن کا صبر پڑے اُسکے گنہگاروں پر — ان کی چشمک سے ہوا اسکو برا ہو جانا

تا خدائی کا بڑا پاٹ جو دیکھا منصور — نظر آیا تجھے آسان خدا ہو جانا

جوہر میں بھی ہے وہی ظرف سمندر رکھتا — گو اسے رہتا ہے ساحل سے جدا ہو جانا

حسن اور عشق کی محرم تو یہی ظالم ہے — اور کیا چاہیے خلد اسکے سوا ہو جانا

حسن ہے خندۂ گل گاہ گہے گریۂ شمع — چاہیے عشق کو ہر حال بجا ہو جانا

سرد آہوں سے کیا کرتا ہوں شورش کا علاج — شمع مرقد کے ہونا گہہ ہوا ہو جانا

شکوۂ مقصد بھی مفت ہوئے ساغر اُلٹے — ہائے محفل میں نگوں سار ترا ہو جانا

قیس پر رحمتِ حق یہ بھی اُسی کا دم تھا — دشتِ گردوں کے لیے قبلہ نما ہو جانا

عشق پہ ناز ہے احسان عزیزؔ اُسیر کیا
سیکھے پروانہ سے خاموش فدا ہو جانا

جناب عبدالغفار صاحب قیصر دہلوی

یاد پیری میں بہت لطف شباب آتا ہے — عمر بھر میں یہ نظر ایک ہی خواب آتا ہے
دل میں اک آگ لگانے کو شباب آتا ہے — بن کے کمبخت زلیخا کا یہ خواب آتا ہے
غیر کے ذکر میں کہہ جاتا ہوں مطلب اپنا — کچھ وہ خوش ہوتے ہیں کچھ انکو عتاب آتا ہے
بھیجتے ہیں وہ ہمیشہ مجھے سادہ کاغذ — میری تقدیر سے کورا ہی جواب آتا ہے
دیکھکر آئینہ ہو جاتی ہیں نیچی آنکھیں — کیا بناوٹ کا ستمگر کو حجاب آتا ہے
میں وہ میکش ہوں کہ منہ چومتا ہوں لفظ کا — اُسکے لب پر جو کبھی ذکر شراب آتا ہے
دیدہ یا دل کسی ظالم کو بڑی چوک ہوئی — یاد رہ رہ کے وہ اب خانہ خراب آتا ہے
گنتے ہیں مرے قصور اپنے ستم بھول گئے — اُنکو آتا ہی نہیں اور حساب آتا ہے
بزمِ دشمن میں وہ اس شکل سے گُل کھیلتے ہیں — دیکھنے والوں کی آنکھوں کو حجاب آتا ہے
عُرس میں شیخ کے ہوتے ہیں اگر رند شریک — لیکے ہر ایک خمِ بادۂ ناب آتا ہے
اب کہاں عہدِ شباب اور وہ بدمستی — بجلیاں دل پہ گرانے کو سحاب آتا ہے
لے اُڑے اُن کو پری بنکے نہ گھوڑا اُن کا — غیر تھامے ہوئے اس ڈر سے رکاب آتا ہے
اُنکے لب پر مری نسبت ہے "خدا ہی سمجھے" — میری ہر بات کا یہ ایک جواب آتا ہے
اپنے ساقی کی کلائی کی نزاکت کے نثار — تھرتھراتا ہوا جامِ مے ناب آتا ہے
جرم اللہ کا ہے عشق بتوں کا شاید — عشق بازوں پہ جو فرقت کا عذاب آتا ہے

ابر کیا آتا ہے میخانے پہ گھر کر قیصرؔ
جھومتا جھامتا اک مست شراب آتا ہے

حضرت تنزر مشہدی لکھنوی

اُن کے دلِ نازک پہ جو آہوں کا اثر ہے — چہرا متغیر ہے پریشان نظر ہے
اب جائیں گے چھوڑیں رُخِ روشن پہ نقابیں — اُف آج کی کیا تیرہ و تار یک سحر ہے
چھپتی ہی نہیں لاکھ چھپائے اسے کوئی — کمبخت عجب چیز محبت کی نظر ہے
ہے زنگولہ بندی قدم موج ہوا میں — عالم کو مرے دل کے دھڑکنے کی خبر ہے
پہچان ہی لیتے ہیں محبت کی نگاہیں — ان تاڑنے والوں کی بھی آفت کی نظر ہے
دن ڈھلنے سے ظاہر ہے اب آتی ہے شبِ ہجر — وہ میں ہوں جسے موت کے آنے کی خبر ہے

ہو جاؤں فنا دل سے جو اس بت کے میں نکلوں
پتھر میں میں رہتا ہوں مرا نام تنزر ہے

جناب مولوی محمد تقی صاحب قمر گیاوی

چڑھا دی زخمِ دل نے اور بھی تاثیر نالوں کی — سُنی فریاد اُس نے غور سے آشفتہ حالوں کی
نگاہوں کی زنگ بوسے ہے عیاں اُس یار کا جلوا — فزوں ظلِ ہما سے چھاؤں ہے تازہ نہالوں کی
کیے محراب میں سجدے جو آئی یاد ابرو کی — زیارت عیدِ قرباں میں ہوئی ہے دو ہلالوں کی
اسیرانِ محبت کے مشامِ جان ہوئے تازہ — صبا خوشبو اڑا کر لائی جب اُس گل کے بالوں کی
کسی کی نرگسی آنکھوں کا سرمہ جب نظر آیا — وفورِ شرم سے جھک جھک گئیں آنکھیں غزالوں کی
ملے مٹی میں لیکن ہمت عالی نہیں جاتی — ہوا کے دوش پر ہے خاک تیرے پائمالوں کی

کسی کے روئے رنگیں کا قمر دل کو تصور ہے
بہاریں کیا دکھاتے ہیں مجھے گل اپنے گالوں کی

وفا۔ جس میں بازار کی عورتوں کے تریا چلتر کا خاکہ تقدس نما لوگوں کے فن فطرت کا نقشہ بناہ کن محبت کا کرشمہ ناول کی صورت میں دیکھا یا گیا ہے طرز ادا دوسرے ناولوں سے جدا گانہ ہو مصنفہ ڈاکٹر محمد محمود صاحب انصاری - قیمت فی جلد ۱۲ پتہ دفتر عروس ملی جھاؤ لال - لکھنؤ -

تمدن اور معاصرین تمدن

اسوقت تک ملک کے بیشتر اخبارات نے "تمدن" کے موجودہ دور پر اظہار رائے کیا ہے جسکے لیے ہمکو اپنے معاصرین کا مشکور ہونا چاہیے کہ انھوں نے "تمدن" کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرکے ہماری حوصلہ افزائی کی اور ہمکو حسن اصلاح کیطرف متوجہ کیا معاصرین کا شکریہ ادا کرنے کا اس سے زیادہ بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا کہ انکے آرا کو "تمدن" کے فائل میں جگہ دی جائے اور اسطرح اُن خریداروں کو بھی اس پرچہ کے متعلق ملک کے اخبارات و رسائل کے خیالات معلوم ہوجائیں جسکی وہ خود قدر کرتے ہیں:۔ ہم نہایت ادب سے اُن معاصرین کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور دیگر معاصرین سے جنھوں نے اسوقت تک "تمدن" پر ریویو نہیں کیا توقع کرتے ہیں کہ وہ بھی توجہ فرما کر ہم کو شکریہ کا موقع دیں گے۔

اخبار مساوات (الہ آباد) ۲۴ فروری ۱۹۱۲ء۔ یہ رسالہ لکھنؤ سے زیر ایڈیٹری مسٹر ایم اے قادری علیگ دہلوی خلف اکبر جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب شایع ہوتا ہے اسکی تقطیع ڈیمائی ⅛ ہے اسمیں [illegible] صفحات ہوتے ہیں اور اسمیں بھی ملک کے مشہور اہل قلم کے مضامین نظم و نثر درج کیے جاتے ہیں ہمارے دوست سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے علیگ جنکی ادبیانہ خدمت و مذاق کی اُردو زبان ممنون احسان ہے [illegible] ادبی دنیا سے اب علحدہ ہوگئے تھے پھر اس رسالہ میں جلوہ افروز ہوئے ہیں۔ ہم "تمدن" کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اُسنے ہمارے قابل دوست کے ادب و تخیل سے مستفید ہونے میں کامیابی حاصل کی۔ ہم اس رسالہ کو [illegible] اسلیے بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس رسالہ کے مضامین میں زیادہ حسن انتخاب و بلند خیالی کا پتہ چلتا ہے یہ رسالہ پہلے دہلی سے شائع ہوتا تھا اور اسکا مقام اشاعت لکھنؤ غالباً کسی مصلحت سے قرار دیا گیا ہے ہم اس رسالہ کو ملک کے لیے مفید خیال کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ جلد کافی اشاعت حاصل کرے گا۔

اخبار الخلیل (بجنور) مورخہ یکم فروری ۱۹۱۲ء۔ یہ ماہوار رسالہ نہایت آب و تاب کے ساتھ اردو زبان اور اچھوتے خیالات کے اعلے نمونے لیے ہوئے لکھنؤ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اردو زبان کی [illegible] کیونکہ دہلی و لکھنؤ کے منتخب مشاہیر زباندان اہل قلم کی ہمدردی اسکے ساتھ ہے علاوہ نثر کے نظم کا ایک خاص حصہ [illegible] ہوتا ہے اسکے مضامین ادبی اخلاقی تاریخی اور علمی اعتبار سے ملک کے لیے بیش بہا خزانہ ہیں انگریزی کے اعلے لٹریچر [illegible] مضامین کا اچھوتا ترجمہ "تمدن" کا خاص حصہ ہے حجم چار جز

اخبار ذوالقرنین (بدایوں) مورخہ ۴ جنوری ۱۹۱۲ء وہ رسالہ پہلے دہلی سے شائع ہوتا تھا اب دہلی سے لکھنؤ منتقل ہوا ہے ایم اے قاری صاحب علیگ اسکے ایڈیٹر ہیں [illegible]

تمدنی اخلاقی ادبی اور تاریخی مضامین خصوصیت سے درج ہوتے ہیں نومبر کے پرچہ میں جو اس وقت ہمارے سامنے ہے لکھنوی تمدّن کا مضمون جو خیر مشہدی کے قلم سے نکلا ہے ظاہر کرتا ہے کہ اہلِ لکھنؤ اسکے خیر مقدم اور ترقی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔ اسوقت اُردو رسالوں میں سب سے زیادہ پابندی کے ساتھ وقت پر شایع ہونیوالا رسالہ الناظر ہے جسکو لکھنؤ ہی کی سرزمین میں پیدا ہونے کا فخر حاصل ہے خدا کرے لکھنؤ کی وہی آب و ہوا وہی اثر جسکی بدولت الناظر وقت کا پابند ہے تمدّن پر غالب آجائے اور وہ وقت پر شایع ہو کر ملک و قوم کے لیے مفید ہو اور اُردو علم ادب کا ستارہ ہو کر چمکے۔

سرہمان - ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۲ء تمدّن یہ رسالہ کہنہ جو چونکہ نوٹیں دہلی کے بجائے اب لکھنؤ سے اور مولانا راشد الخیری کے بجائے قاری محمد عباس حسین صاحب خلف قاری سرفراز حسین صاحب کی ایڈیٹری میں جلوہ افروز ہوا ہے۔ ہمارے یہاں علمی اور ادبی رسالوں کی نہایت کمی ہے۔ اور ادیب وغیرہ کے بند ہونے کے بعد نہایت ضرورت تھی کہ ایک پڑھنے کے قابل رسالہ نکالا جائے۔ ہمارے سامنے تمدّن کا ابتدائی نمبر موجود ہے مضامین کے اعتبار سے ابتدا بہت اچھی ہے لیکن ہر چیز میں اصلاح اور ترقی کے لیے وسیع میدان ہوتا ہے۔ اسلیے ہمیں یقین ہے کہ قاری سرفراز حسین صاحب اور سید سجاد حیدر صاحب جیسے اصحاب کی سرپرستی میں تمدّن بہت جلد ایک نہایت شاندار علمی و ادبی رسالہ ہو جائیگا موجودہ نمبر میں بعض مضامین ادبی نکتۂ خیال سے نہایت دلچسپ ہیں لیکن ابھی علمی مضامین کی کمی ہے۔ جو امید ہے کہ آئندہ بہت جلد پوری ہو جائیگی۔ ہم "تمدّن" کا خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ قاری عباس حسین صاحب اس رستہ میں قدم رکھنے کے بعد پورے عزم و استقلال کے ساتھ اس کام کو کر دکھائینگے جو واقعی کرنے کا ہے۔

اخبار نیر اعظم مراد آباد — مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۲ء ابھی اردو زبان کے قدردانوں کو تمدّن کا نام بھولا نہیں ہے مولانا عبدالحق صاحب دہلوی کا انوکھا انداز اور پیاری تحریر لوگوں کو یاد ہے۔ لیکن چند وجوہات سے مولانا صاحب تمدّن کی زیادہ خدمت نہ کر سکے۔ مگر اردو ادب کی خوش قسمتی کہ اسکی ایڈیٹری کا چارج قاری محمد عباس صاحب دہلوی دعیگ خلف الصدق قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے ہاتھ میں آگیا۔ اور بلاشبہ اسمیں وہی رنگ پیدا ہو گیا جو مولانا راشد الخیری کے وقت میں تھا نظم و نثر کے حصے بہترین انشا پردازوں اور ناظموں کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں غرض بحیثیت مجموعی وہ سب باتیں ہیں جو ایک چوٹی کے رسالہ میں ہونا لازمی ہیں۔

اخبار صحیفہ بجنور — مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۱۲ء ایک ماہوار رسالہ ہے مقاصد کچھ تو نام سے ظاہر ہیں اسکے مقاصد مضامین میں نظم و نثر اردو کے بہترین نمونے موجود رہتے ہیں قاری محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی کے خلف اکبر ایم۔ اے قاری علیگ [illegible] سے شائع ہوتا ہے تقریباً ساٹھ صفحہ کا رسالہ ہے ۱۸×۲۲ کی تقطیع ہے۔

دنیا کو جس جوہر کی تلاش تھی وہ مِل گیا

آجکل اشتہاری تجارت میں بے وقعتی کیوں ہوگئی اور اعتبار کیوں اُٹھ گیا بعضوں نے جعلی اشتہار دے کر پبلک کو نقصان پہنچایا ہے۔ اشتہاروں کو بھی بدگمانی میں ڈال رکھا ہے۔ دنیا اب بھی سچے اور دیانتدار اشخاص سے خالی نہیں۔ بقول شخصے دن ست و نہ ہر مرد مرد۔ خدا پنج انگشت یکساں نکرد۔ ہم سچ کہتے ہیں یہ سچا اشتہار ہے۔ دل میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رکھیے۔ اطمینان سے طلب کیجیے۔ جتنی تعریف ہے چوگنا فائدہ حاصل ہوگا۔ جس صاحب کو فائدہ نہو حلفیہ تحریر آنے پر قیمت فوراً بذریعۂ منی آرڈر روانہ کردی جاے گی۔ جس صاحب کو اس تحریر کا یقین نہو ان کے اطمینان کے لیے تحریر لکھنا ہوں اس تحریر کو نقل کرکے ایک آنہ کا ٹکٹ لگاکر بذریعہ ڈاک بھیجدیں ہم اسٹام پر دستخط کرکے بھیجدینگے۔ آپ کے اطمینان کے لیے اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہے۔ جس صاحب کو یہ تحریر منظور نہو اُن کے لیے دوسری صورت یہ ہے حسب اشتہار کے چہارم قیمت سے وی پی کردیا جائے گا بعد میں فائدہ پہنچنے پر حسب اشتہار دوچند قیمت بذریعۂ منی آرڈر کے بھیجدیں نہ بھیجیں گے وہاں کے دینداررہیں گے۔

جوہر طلاء عجیب و غریب

طلا کیا ہے ایک طلسم ہے مرجھائے ہوئے دلوں کو ہرا کرنے والا بگڑی ہوئی حالت درست کرکے اُمید اور اُمنگ پیدا کرنے والا جن لوگوں نے بچپن کی بے اعتدالیوں سے اپنی جسمانی حالت کو بیکار کرلیا ہو اور پھر کف افسوس مل رہے ہوں کہ ہم نے اپنے آپ ناحق ظلم کیا۔ عیش و عشرت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوں اُن کے لیے یہ طلاء اعجاز مسیحائی اثر رکھتا ہے اسکی خوبیاں چند روز کے استعمال سے معلوم ہوں گی۔ درحقیقت پبلک کی خدمت گزاری کا حق کارخانہ نے ادا کردیا ہے۔ قیمت بلحاظ فوائد بہت کم رکھی گئی ہے بچپن کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے جتنی ممکن بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں ان سبکو دور کردیتا ہے اور انسان کو اسکی اصلی حالت پر لے آتا ہے بلکہ مقوی تر بنادیتا ہے کمزوری اور سستی کی علامت وغیرہ سب شکایتیں دور ہوجائیں گی۔

قیمت فی شیشی ۱۰ یوم ۲ ماشہ عہ ۲ ماشہ ۲۰ یوم عہ ایک تولہ ۴۰ یوم عہ
ہمراہ استعمال کی ترکیب کا پرچہ شیشی ہوگا۔ پتہ صاف تحریر فرمایئے

جوہر نوبہار

ٖصرف ۵ خوراک منگا کر آزمایئے یہ کوئی معمولی معجون سے ہے اور دعوے کی چیز ہے خون صالح بکثرت پیدا کرتی۔ بھوک بڑھاتی۔ قوت ہاضمہ کم ہونے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً جیسے پھولنا۔ کاہلی۔ سستی وغیرہ صرف پانچ خوراک سے جاتی رہتی ہیں طبیعت بشاش ہوجاتی ہے جسم میں پھرتی آجاتی ہے محنت کرنے سے کمزوری نہیں ہوتی جوانی کی بے اعتدالیوں کثرت جماع وغیرہ سے کمزور ہوکر معز رحالی ہوگیا ہو چہرہ کی چمک جاتی رہی ہو تین ہفتہ میں قوت رفتہ از سرنو آجاتی ہے نئی رونق ودرخشانی آجاتی ہے جسم میں جوانی کی چستی پھر آجاتی۔ ضعف باہ۔ لرزہ۔ ہول دل۔ جوانی میں بڑھاپے کی حالت رفع کردیتی ہے اعصاب کو قوت دیتی مرد کی محبت عورت کے دل میں پیدا کرتی۔ چہرہ کا رنگ نکھارتی ہر عضو کی کمزوری کو رفع کرتی ہے۔ عضو تناسل کی قوت اور سختی کو بڑھاتی ہے۔ قیمت فی شیشی ۴۰ خوراک ۱۲ ۸۰ خوراک عہ

تمعل

آفتاب حقیقت

کی نسبت دنیا کیا کہتی ہے؟

بمصداق مشتے نمونہ از خروارے چند رایوں کا خلاصہ

جناب مولوی ظہور الدین صاحب لاہور اس کتاب میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ جن کی میں سچے دل سے قدر کرتا ہوں۔

جناب لالہ مہر چند صاحب بی اے لاہور اس میں ویسے اصول پیش کیے گئے ہیں۔ جن کی ذیل میں سر آور لاج۔ ڈارون۔ و۔ ہوونیڈن صاحب وغیرہ جیسے یورپ کے مشہور سائنسداں اور جے سی۔ بوس جیسے فخر ہند محققوں کی سائنٹیفک تھیوریاں جزوی طور پر خود بخود آجاتی ہیں۔

جناب لالہ لال چند صاحب فلک ایڈیٹر نظارہ جن بے نظیر مفید مطلب اعلیٰ خیالات کا اس کتاب میں اظہار کیا گیا ہے وہ تمام انسانوں قوموں اور ملکوں کو قعر تنزل و پستی سے نکال کر بام عروج و معراج ترقی پر چڑھانے والے ہیں۔ یہ کتاب حقیقی آفتاب کی طرح مذہبی تنگ دلی اور تعصب کی تاریکی کو مٹا کر دلوں کو نور تہذیب و اخلاق سے منور و روشن کر دے گی۔

اخبار زمیندار لاہور یہ ایک نہایت ہی لطیف و پاکیزہ کتاب ہے جس میں حقائق فطرت کو بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے روشن کیا گیا ہے مہاتما ست دھاری جی ایک مشہور فراخ منش نورانی خیالات کے بزرگ ہیں جن کی جلوہ ریزی نے اس کتاب کو اس قابل بنا رکھا ہے کہ ہر طبقہ کے لوگ اس کو پڑھیں۔

حجم کتاب ۲۶۰ قیمت صرف عہ مجلد کتاب ...

علاوہ ازیں ہر ایک قسم و ہر زبان کی کتابیں بکفایت ملنے کا پتہ

دیوان چند مالک کتبخانہ ٹی سی۔ گجراتی لاہور

ادبی اور اخباری دنیا میں ظہور معجزہ

ماہواری رسائل نالاں ہیں کہ اشاعت نہیں بڑھتی، پبلک کی شکایت ہے کہ دیکھنے کے قابل کوئی رسالہ ہی نہیں ہے
کسی زمانہ میں مخزن کی قدر تھی کیونکہ وہ اپنی قسم کا پہلا رسالہ تھا اور اُس سے قبل ایسا کوئی رسالہ نکلا تھا
اسکے بعد ایک دور آیا کہ انڈین پریس الہ آباد کے ادیب نے پسندیدگی حاصل کی۔ لیکن اب مخزن ہے نہ ادیب،
یعنی نہ معنوی حیثیت سے کوئی ماہوار میگزین پڑھنے کے قابل ہے۔ نہ صورت کے لحاظ سے کسی میں جاذبیت ہے!
اس بیان میں بہت صداقت ہے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، اچھا اب ولایت کے رسائل کو لیجیے اُن میں ونڈسر،
پیرسن وغیرہ بہت معروف ہیں۔ کاغذ نفیس، ضخامت کافی، طباعت پسندیدہ، تصاویر بہت، مواد
دلچسپ، کہا جاتا ہے کہ ویسا ہی رسالہ اگر کوئی اُردو میں جاری ہو تو پبلک قدر کرنے کے لیے آمادہ ہے،
اگر یہ صحیح ہے جس کا ہمیں بھی یقین ہے تو آپ صرف ایک کارڈ کے ذریعہ سے ہمیں اطلاع دیں کہ اگر
کوئی رسالہ ایسا جاری ہوا تو آپ اُسکا دیکھنا پسند کریں گے،

ہمنے ایک نہایت وسیع پیمانہ پر انتظام کیا ہے کہ ایک ماہوار رسالہ جاری کیا جائے جو تمام حیثیات سے
ولایت کے بہترین رسائل کے برابر ہو اور ہندوستان کے تمام رسائل گذشتہ و موجودہ سے اعلیٰ و برتر ہو
باعتبار صورت کے آپ ادیب سے مقابلہ نہ کیجیے گا کیونکہ یہ رسالہ اُس سے بدرجہا بڑھا ہوا ہوگا اور بلحاظ
معنی حُسن ترتیب، تنوع مضامین، پاکیزگی لٹریچر وغیرہ آپ ہندوستان کے کسی دوسرے ماہوار رسالہ کا ذکر
نہ کیجیے کیونکہ یہ رسالہ ان باتوں میں تمام رسائل سے بہت ارفع ہوگا۔ ضخامت کم از کم ۹ جز۔ کاغذ دبیز اور نہایت
چکنا، کتابت از بس پسندیدہ، طباعت نہایت دیدہ زیب، تصاویر کم از کم ایک درجن جن میں رنگین اور نقاشی کا
بہت عمدہ نمونہ ہونگی، مضامین تمام معاوضہ دیکر لکھوائے جائینگے۔ ایڈیٹوریل اشاعت میں کوئی معمولی قابلیت کا
شخص جگہ نہ پائیگا۔ قیمت للعہ سالانہ۔ صہ ششماہی ۱عہ سہ ماہی فی پرچہ عہ ہوگی
نمونہ بذریعہ وی پی ایک روپیہ ایک آنہ میں ملے گا اور نقد ۱۲ ار میں اس سے زیادہ فی الحال
ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے رسالہ خود ہمارے اس بیان کی تصدیق کرے گا

منیجر درویش پریس دہلی

محاوراتُ العرب

علم دوست اصحاب اور طلاب کیلیے ایک نعمت

یہ کتاب جناب مولانا مولوی محمد عبد الغنی خاں صاحب سابق ہیڈ مولوی سٹی ہائی اسکول حیدر آباد (دکن) کی تالیف ہے جسمیں عربی کے تمام متعارف محاورات کو مستند ترین کتب لغات سے اخذ کرکے اس ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے کہ پہلے خانہ میں عربی محاورات مع مصادر و اشارہ ابواب ثلاثی و رباعی، دوسرے میں حروف صلہ تیسرے میں عربی محاورہ کا فارسی ترجمہ، چوتھے میں سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ درج ہے اس التزام کے ساتھ تمام کتاب تقریباً پچاس ہزار محاورات پر مشتمل ہے۔ کسی محاورہ کے کتب لغات سے تلاش کرنے میں جو زحمت ہوتی ہے وہ طالبان علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ کتاب درحقیقت ایک نعمت غیر مترقبہ شمار ہونے کے لائق ہے۔ صرف ایک محدود تعداد نسخوں کی طبع کی گئی ہے۔ لہذا درخواست فوراً بھیجیے ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑیگا۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ وغیرہ عمدہ ہے۔ کتاب کی خوبی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اسکا تقدیمہ عالیجناب مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن صاحب شروانی جیسے فاضل و جوہر شناس بزرگ قوم نے اپنے نام نامی کے ساتھ منظور فرمایا ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول۔ تاجران کتب کو معقول کمیشن دیا جائیگا جو خط و کتابت سے طے ہوسکتا ہے۔

فرمائشیں پتہ ذیل پر ہوں

مولوی محمد عبد الغنی خاں صاحب کوٹھی بنادیبی ملا علیگڑھ

شعلہ بھڑکا

اور گزشتہ مہینوں میں اچھی طرح بھڑکا۔ اس نے دلوں میں محبت کی لو لگائی اور اچھی طرح لگائی کامیابی جو پہلے ایک چھوٹی سی چنگاری کی طرح چمکتی تھی۔ اب انگارا نظر آنے لگی۔ اسی لیے ہماری ہمت بھی یکایک بڑھی کہ ابھی سے ہم کو اسکی قیمت گھٹانے کی سوجھی جس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ہمارا شعلہ کم سے کم ہندوستان کی تیس کروڑ آبادی میں تیس ہزار سخت دلوں کو آتش حقیقی سے جلانے کے لیے منتخب کرے۔ اس لیے

اعلان کیا جاتا ہے

کہ جن خریداروں کی درخواستیں ایک مہینہ کے اندر اندر موصول ہوں گی انھیں شعلہ بجائے دو روپیہ آٹھ آنہ کے ایک روپیہ بارہ آنہ میں روانہ کیا جائے گا۔ غریب طلباء سے عمر سالانہ پیشگی لیا جائے گا۔

ایسا شاندار رسالہ اتنی سستی قیمت پر بالکل مفت ہے جو لوگ اپنے دل کی تاریک منزل کو شعلہ کی نورانی آگ سے جلانا پسند کرتے ہیں۔ اُن کو چاہیے کہ

درخواست خریداری

بہت جلد دفتر شعلہ دہلی کے پتہ سے روانہ فرمائیں تاکہ رسالہ کی توسیع اشاعت کے لیے بھی مدد فرما کر ہمیں شکر گزاری کا موقع دیں۔

خاکسار

منیجر رسالہ شعلہ دہلی

نوٹ ڈاکٹر ایس کے برمن کی کافوری جنتری سنہ ۱۹۱۶ء کی خوبصورت تیار ہوئی دس شریف [illegible] اشخاص کے نام اور پتہ لکھنے پر جنتری بلا قیمت ومحصول بھیجی جاتی ہے

قیمت ۸ر	چھ مشہور دواؤں کا بکس	قیمت ۸ر

آزمایش کیلیے — آزمایش کیلیے

ڈاکٹر ایس کے برمن کی مجرب دوائیں گذشتہ ۳۰ سال سے تمام ہندستان میں استعمال ہو رہی ہیں ایسے قدیم خریداروں کو مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں صرف نئے احباب کے لیے جو اشتہاری دواؤں سے متنفر ہو گئے ہوں [illegible] آزمایش کے لیے مندرجہ ذیل چھ مشہور اور مجرب ادویات کے نمونہ کا بکس تیار ہے جس میں [illegible] ادویہ ہیں۔ کہ آدمی بہت سے [illegible] ہو سکتی ہے یہ پیٹنٹ [illegible] میں بھری ہوئی خوبصورت کاغذ کے بکس میں بند رہتی ہیں۔ جن کے ساتھ ان کے حالات کی چھپی ہوئی کتاب اور استعمال کی ترکیب بھیجی جاتی ہے۔ گھر بار والوں کے لیے یہ لاجواب ہے۔ اور مسافرت کی حالت میں بہت مفید ہے۔ تھوڑے خرچ میں ڈاکٹر ایس کے برمن کی خاص خاص دواؤں کا نمونہ ملتا ہے۔ یعنی [illegible] ہر ایک بکس [illegible] منگا سکتے ہیں۔

دواؤں کے نام

[illegible] — [illegible] میں جو فوراً دافع ہے۔
[illegible] — [illegible] کے لیے طاقت بڑھانے کی دوا۔
[illegible] گولیاں — جیسا نام ویسا فائدہ۔
[illegible] — [illegible] کے دست کی ایک ہی دوا۔
[illegible] گولیاں — [illegible] کی گولیاں [illegible] کھانا [illegible]
[illegible] — [illegible] کی دوا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible] ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ [illegible] اسٹریٹ کلکتہ

مئی سنہ ۱۹۱۶ء

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر۔ ایم۔ اے۔ قادری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قادری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

[illegible] اردو میں انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا

مقام اشاعت [illegible] لکھنؤ

قواعد

(۱) تمدن ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شایع ہوتا ہے
(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج تمدن نہیں ہوتے۔
(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔
(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں درج ہو چکا ہو اُسکو تمدن کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔
(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ دوبارہ چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔
(۶) ناتمام مضامین درج تمدن نہیں ہوسکتے

تمدن
لکھنؤ

قومی فارغ البالی

یہ ایک پیچیدہ اور دلچسپ سوال ہے کہ
قومی فارغ البالی سے کیا مطلب ہے اور اُسکے وسائل کیا کچھ ہیں یا یہ کہ کن حالات میں کوئی قوم فارغ البال کہی جاسکتی ہے۔ اس بحث میں مختلف خیالات زیر تنقید آتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اُن کا استدلال کیا جاتا ہے اُن مختلف رایوں کا خلاصہ حسب ذیل ہوسکتا ہے۔

(۱) جو قوم دولت مند ہے وہ فارغ البال ہے۔
(۲) جو قوم متمدن ہے وہ فارغ البال ہے۔
(۳) جو قوم اقتصادیات میں بہتر ہے وہ فارغ البال ہے۔
(۴) جو قوم خود حکومت رکھتی ہے وہ فارغ البال ہے۔
(۵) جو قوم مختلف علوم اور فنون رکھتی ہے وہ فارغ البال ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس قوم میں یہ ہر پانچ باتیں پائی جاتی ہیں وہی فارغ البال کہلانے کی مستحق ہے۔ قبل اسکے کہ ہم کسی قوم کو مشترکہ یا جداگانہ رنگ میں فارغ البال کہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ فارغ البالی کا مفہوم کیا کچھ ہو سکتا ہے

فارغ البالی کا موٹے الفاظ میں یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ

جب کسی قوم کے افراد کثیرہ اپنی اپنی جگہ بلا احتیاج احدے ذاتی طور پر اپنی ضروریات لازمیہ کے کفیل ہوں نہ صرف مالی اسباب ہی کی وجہ سے بلکہ فعلی۔ انفعالی اور دیگر اسباب مادی کی وجہ سے بھی

جب فارغ البالی کا مفہوم نری دولتمندی اور خوش حالی ہی کہا جاتا ہے تو فارغ البالی کا مفہوم محدود کر دیا جاتا ہے۔ خوش حالی اور فارغ البالی میں فرق ہے خوش حالی کا اطلاق مالی اسباب تک ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن فارغ البالی کا مفہوم اُن سب اسباب پر محیط ہے جو دیگر وجوہ سے بھی لازمہ انسانی زندگی کے ہیں اگر ایک قوم دولتمند ہو کر بھی زیور علم و فراست سے عاری ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ فارغ البال ہے اگر ایک قوم باوجود علوم و فنون رکھنے کے بھی اقتصادیات سے بے بہرہ ہے تو اس حالت میں بھی اُسے فارغ البال نہیں کہا جا سکتا قومی فارغ البالی سے مطلب یہ ہے کہ کوئی قوم ہر رنگ میں فارغ البال ہو اور وہ فارغ البالی محض نمائشی نہ ہو بلکہ اُسکی بنیادیں مستقل اور جاری ہوں اور اسکے ساتھ یہ بھی کہ قوم اور قوم کے افراد کثیرہ کی حسیات اُس فارغ البالی کی حس اور ادراک رکھتے ہوں جو حسین اپنے حُسن کی حس نہیں رکھتا اگرچہ وہ حسین ہوتا ہے لیکن اُسکا حُسن اپنی قیمت خود نہیں جانتا ہر کمال اور ہر حُسن کے واسطے لازمی ہے کہ ہم خود اُسکی قیمت اور قدر سے واقف بھی ہوں اور ایسی صورت میں کوئی فارغ البالی مستقل خیال کیجا سکتی ہے

کہ جب اُسکا ہمیں بھی علم یا حس ہو۔

جو لوگ صرف دولتمندی یا تمول کو ہی فارغ البالی سمجھتے ہیں وہ فارغ البالی کی قدر و قیمت گھٹاتے ہیں۔ بیشک دولتمندی اور تمول ایک حد تک فارغ البالی ہے لیکن کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بہت سے لوگ باوجود دولت مند اور متمول ہونے کے بھی حقیقی رنگ میں فارغ البال نہیں ہوتے علوم و فنون اور اقتصادیات کی کمی اُن کی دولت مندی اور تمول کے واسطے ایک شرمناک روک ہوتی ہے یا ایک ایسی کمی جو دولت مندی اور تمول کی عظمت بھی کھو دیتی ہے۔

قومی فارغ البالی کا شروع شخصی یا افرادی فارغ البالیوں سے ہوتا ہے ضرورت یہ ہے کہ افرادی اور شخصی فارغ البالیاں کثرت سے اور مستقل طور پر ہوں جسطرح قوم افراد سے بنتی ہے اسی طرح قومی فارغ البالی بھی افراد ہی کی فارغ البالیوں سے ترکیب پاتی ہے اگر کسی قوم میں فیصدی پچاس افراد بھی حقیقی رنگ میں فارغ البال ہیں تو کہا جائے گا کہ وہ قوم فارغ البال ہے جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی قوم فارغ البال ہے تو اُسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فیصدی سو ہی اُسمیں سے فارغ البال ہیں بلکہ یہ کہ فیصدی کا اکثر حصہ اس رنگ میں ہے اور جو باقی کا حصہ ہے وہ بھی حسیات فارغ البالی سے ناواقف نہیں ہے حسیات کا زندہ ہونا بھی بجائے خود ایک مستقل فارغ البالی ہے۔ وہی قومیں ذی حس شمار ہوتی ہیں جو قومی افراد کی ترقی میں منہمک ہوکر اُنکے جذبات اور حسیات سے بخوش اسلوبی کام لیتی ہیں ایک مدرسگاہ یا ایک اسکول اور کالج میں قوم کے سب افراد ہی داخل نہیں ہوتے۔ بلکہ چند افراد۔ یہی طریقہ شخصی حسیات کے اُبھارنے کا ہے اور اسی سے افرادی جذبات رفتہ رفتہ نشوونما پاتے ہیں۔ کسی قوم کی عام فارغ البالی اُس وقت ہو سکتی ہے۔

(۳) جب اُس میں حرفت و صنعت اور اقتصادیات کا ولولہ ہو"

(۴) صحیح اصول پر تجارت پائی جاتی ہو"

(۵) آپس میں قومی اتفاق اور قومی خلوص ہو۔

جس قوم میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں وہ فارغ البال نہیں کہی جاسکتی۔ نہ صرف یہی باتیں بلکہ وہ اصولی باتیں بھی جو علمی اور عملی رنگ میں قوموں کے افتخار اور زیب و زینت کا باعث ہیں بیشک ہر ایک قوم میں چند ارکان قوم ایک اعلےٰ درجہ کی حالت اور پوزیشن رکھتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دیگر حصہ کثیر کیا کچھ حالت اور کیفیت رکھتا ہے بیشک ماہتاب اپنے اندر ایک خاص نور رکھتا ہے لیکن ستارے اور سیارے بھی اُسکی رونق اور شہرت کا باعث ہیں صرف ایک ماہتاب ہی بغیر ان ستاروں اور سیاروں کے کوئی وقعت عظیم نہیں رکھتا

بیشک کسی قوم کے افراد کثیرہ بڑے بڑے کمالات اور درجوں دولت مندی و تمول و معارج علمی و عملی سے نسبتاً کم ہوتے ہیں لیکن انکا مجموعہ بجائے خود ایک طاقت کا کام دیتا ہے ہمیشہ چھوٹی طاقتیں اور چھوٹے جذبات بڑی طاقتوں اور بڑی قوتوں و جذبات کی کفیل اور سہارا ہوتی ہیں اس صداقت سے انکار کرنا خود صداقت سے انکار کرنا ہے یہ بات مسلمہ ہے کہ ایک قوم کے سب افراد ایک سی ہی سبیل نہیں اختیار کر سکتے اور نہ اسپر چل کر کامیاب ہو سکتے ہیں ایک اسکول کے طالب علم اگرچہ ایک ہی درسگاہ میں تعلیم پاتے ہیں لیکن اُن سب کا مذاق مختلف ہوتا ہے اور اُن کی مابعد کی زندگی مختلف حالتیں اور مختلف اشکال اختیار کرتی ہے نظام قدرت کا بھی یہی مدعا ہے کہ لوگ مختلف کاموں اور مختلف مقاصد میں مصروف رہیں یہ ایک ایسا منصفانہ اور آرام دہ نظام ہے کہ کوئی دوسرا نظام اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا ہماری انسانی کائنات کا مدار ہی اسپر ہے اور یہی ہماری ساری ترقیات اور حسن و خوبی کا موجب بھی ہے

عام فارغ البالی اور عام آسایش نظام قدرت کے ماتحت عام امور اور عام کاموں ہی کی وجہ سے ملتی ہے اگر ایک مقام میں دس ہزار دو ستمند ہوں اور پچاس ہزار حرفت کار اور ایک لاکھ معمولی حالت میں تو کہا جائے گا کہ وہ قوم ایک حد تک فارغ البال ہے بشرطیکہ ایک لاکھ بقیہ یہ حس رکھتا ہو کہ فارغ البالی کا مستحق وہ بھی ہے اور اسکا حاصل کرنا لازمی ہے اور اسکے بغیر دوسری قوموں کے روبرو اسکا کوئی احترام و عزت نہیں تمام قوم لکھ پتی اور کروڑ پتی نہیں ہو سکتی لیکن قوم کا ایک کثیر حصہ حرفت کار اور اپنی حد میں خوش حال ہو سکتا ہے - اسی مجموعی اور عام فارغ البالی کے حاصل کرنے کے واسطے لازمی ہے کہ قوموں کا کثیر حصہ -

(۱) حسیات فارغ البالی رکھتا ہو -

(۲) اُن کی ضرورت سے آشنا ہو -

(۳) اُن کاموں میں مصروف رہے جو عامۂ آسایش کے کفیل ہیں -

یہ ایک بڑی غلطی ہے جو ہم کبھی کبھی صرف دولتمندی تمول اور علم و فن ہی کو محدود حالات میں فارغ البالی سے تعبیر کرتے ہیں اور اُن ہی کو موجب اور کفیل عامہ آسائش خیال کرتے ہیں در اصل تمام ہماری جزوی اور کلی آسایشوں کی بنیاد وہی باتیں اور وہی کام ہیں جو عام مخلوق کے ہاتھ سے نکلتے ہیں یا جنکی ذمہ دار عامہ مخلوق ہے ایک متمول دولتمند اور ایک عالم فاضل کا علم و فضل اُس حالت میں کیا کچھ مفید ثابت ہو سکتا ہے کہ جب عامہ ہاتھ اُس کا مددگار نہو یہ تمام حرفت کار صنعت کار دست کار مشینیں وغیرہ وغیرہ اُن اعلے ارکان کے عملی رنگ میں مددگار ہیں جو بہ نسبت اُن کے ایک خاص حالت یا ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور جنھیں بمقابلہ عوام ایک تفوق اور امتیاز حاصل ہے ایک امیر اور ایک رئیس بیشک اپنی ریاست اور امارت کی وجہ سے ایک خاص حالت اور ایک خاص امتیاز

رکھتا ہے لیکن کیا یہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ اُسکی اس امارت اور ریاست کے اکثر کاربار دوسروں کے محتاج نہیں ہیں اور کیا وہ تن تنہا یا اُسکی دولتمندی اور تمول براہ راست بلا امداد دیگر افراد کے اُسکے واسطے مفید بھی ہو سکتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ چھوٹی یا جزوی طاقتیں بڑی طاقتوں کی حامی اور سہارا ہیں جس قوم میں اور جس قوم کے افراد کثیرہ میں اقتصادیات اور حرفت وصنعت نہیں ہے اور جو قوم ایسی حسیات نہیں رکھتی وہ قوم فارغ البال نہیں ہے وہ ہر ایک تنگ میں ایک مفلس اور نادار قوم ہے وہ کوئی ضمیر نہیں رکھتی اسکی دماغی اور ضمیری حالت بوسیدہ ہو کر اپنی ہستی کھو بیٹھی ہے اور اُسکے وہ جذبات کمزور پڑ چکے ہیں جن پر قومی زندگی اور قومی تصرفات کا مدار ہے۔

قدرت نے جو درجہ بندیاں کر رکھی ہیں اُن میں سے ہر درجہ میں ایک خصوصیت رکھی ہے جب تک ہم درجہ بندیوں سے کام نہ لیں تب تک ہم خود بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کائنات انسانی کا کوئی کام اُسوقت تک انصرام نہیں پا سکتا جب تک درجہ بندی کا نظام نہ جاری رکھا جائے اگر ایک طرف قدرت مساوات کا سبق دیتی ہے تو دوسری طرف درجہ بندی بھی سکھاتی ہے دیکھو خود انسان کے جسم کے اندر کسقدر درجہ بندیاں ہیں گو جسم ایک ہی ہے لیکن اجزاے جسم جداگانہ حقیقت رکھتے ہیں سر بجاے خود ہے اور پاؤں بجاے خود مجموعہ کو افراد کام دیتے ہیں اور مجموعہ ان کی ترکیب اور ان کے نظام کا ذمہ دار ہے دیکھو اعضاے رئیسہ اسقدر نہیں ہیں جسقدر اعضاے غیر رئیسہ ہیں اگر یہ اجزا غیر رئیسہ نہوں تو اعضاے رئیسہ کی قوتیں بھی کمزور پڑ جائیں۔

قانون ٹیکس اور جزوی مطالبات یا قانون مال کے ملاحظہ سے ظاہر

ہوسکتا ہے کہ سب حکومتوں میں وہی اجزائے صغیرہ ٹیکس دینے (مطالبہ یا لگان) ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں جو قوم میں ایک عام حالت اور ایک عام درجہ رکھتے ہیں کچھ شک نہیں کہ ارکان عظمے پر بھی کم تعداد میں مطالبات حکومت کا پڑتا ہے۔ لیکن کثرت سے افراد کثیرہ ہی اسکے متحمل ہوتے ہیں۔

اس قسم کی تمام مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ کوئی قوم بحیثیت ایک قوم کے اُس وقت تک فارغ البال نہیں کہی جاسکتی جب تک اُسکے افراد کثیرہ حیات فارغ البالی نہ رکھتے ہوں اور جب تک اُن کا حصہ کثیر حرفتی صنعتی اور علمی رنگ میں فارغ البال نہ ہو زندگی کی بڑی بڑی ضرورتیں بڑوں بڑوں ہی سے عموماً وابستہ ہوتی ہیں اور اُن کی مقدار بھی کم ہوتی ہے چھوٹی چھوٹی یا عام ضرورتیں عام لوگوں ہی سے مخصوص ہوتی ہیں اور اُن ہی کا نمبر بھی زیادہ ہوتا ہے اگر بڑی بڑی ضرورتیں بڑوں پر ختم ہوجاتی ہیں تو دوسری طرف چھوٹوں کی چھوٹی ضرورتیں بڑی ضرورتوں کی مددگار اور کفیل بھی ہوتی ہیں۔

قوموں کا فرض ہے کہ اپنے افراد کثیرہ کی بہتری اور سہولت کے واسطے علمی رنگ کو انتہائے مدارج تک پہنچائیں اور انکا عملی رنگ میں فائدہ اُٹھائیں۔

دیکھو ہندوستان میں زیادہ تر حصہ ان ہی لوگوں کا ہے جن کی زندگیاں نسبتاً محدود اور ساری ہیں لیکن اُن ہی کی حالت اور بضاعت زندگی بہت کچھ خوفناک اور تنگ ہے

محاسبوں نے یہ حساب لگایا ہے کہ ۳۲ کرور نفوس ہند کا اوسط گذارہ ایک آنہ چھ پائی فی کس پڑتی ہے اگر اس میں سے ہم بڑے بڑے ارکان نکال دیں تو پھر شاید نو پائی یا ایک آنہ ہی پڑے گا۔ کبھی سوچا بھی کہ سب دوسرے ممالک کے مقابلہ میں یہ کم سے کم اوسط کیوں آتی ہے صرف اس وجہ سے کہ ہندوستان کے

افرادِ کثیرہ کی وسعتِ معاش کوئی ذمہ دار کفالت اپنے ساتھ نہیں رکھتی ہندوستان کی مخلوق کے دو ہی زیادہ تر حصے ہیں۔

(۱) زمینداراں

(۲) دست کاراں

زمیندارہ کے واسطے قدرت کی جانب سے اگرچہ وسایل اراضی بہت کچھ ہیں لیکن دوسری عملی مشکلات کی وجہ سے اس کا قافیہ ہی تنگ ہو رہا ہے اسوقت پیداوار زمیندارہ کی مانگ ہندوستان سے باہر بھی ہوتی ہے اور اپنے اخراجات بھی رو بترقی ہیں جبتک عملی رنگ میں زمیندارہ سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے تب تک اُس سے معتد بہ فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا ہندوستان کے زمیندارہ کی اگر اوسط زمینداری لگائی جائے تو شاید پندرہ یا بیس بگہہ سے زیادہ نہیں پڑے گی۔

اس اوسط قلیل کا اگر موجودہ اخراجات اور مطالبات سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہو سکے گا کہ زمیندارہ ہند کا میدان کس قدر تنگ اور تکلیف دہ ہے۔

دستکاروں کی حالت اور بھی دن بدن ابتر اور خراب ہو رہی ہے بیرونی دنیا کی مصنوعات اور دلاویز صنعتیں دن بدن اُمڈی چلی آتی ہیں اور اُس کے ساتھ ہی آسایش کا میدان اور قیمت بھی دن بدن بڑھتی جاتی ہے معمولی ضروریات زندگی بھی روز بروز اسقدر گران ہوتی جاتی ہیں کہ بعض کنبوں کا اس سے کچھ مر نکل رہا ہے ایک طالب علم جو اسکول کی چوکھٹیں کھیلتا ہے علاوہ فیس مقررہ دینے کے شاہی مصارف جسقدر چاہتا ہے اُس سے والدین کو پتہ لگ سکتا ہے کہ کہاں تک ضروریات رفتہ رفتہ طوالت پکڑتی جاتی ہیں اسکے ساتھ ہی بدقسمتی سے ہندوستان کی قومی تفریقات اور متوہم امتیازات اور طرہٗ نجابت کی وجہ سے صنعت و حرفت کی راہوں میں جو کچھ مزاحمتیں حائل ہو رہی ہیں

اُن کا شمار بھی کچھ کم نہیں ایک راجپوت - ایک زمیندار - ایک کھتری - ایک برہمن - ایک سید اور ایک مغل اور ایک پٹھان باوجود تنگی معاشرت کے دستکاری اور فنون سے جسقدر کراہت رکھتا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس خطہ زمین میں صنعت و حرفت اور دستکاری و فنون کی سخت بے عزتی اور کساد بازاری ہے یہ ایک ایسا نقص ہے جو دن بدن حالت خراب کرتا جاتا ہے اسپر یہ قباحت کہ جدت اور اجتہادی رنگ یہاں کے اقتصادیات اور حرفت و صنعت اور فنون دستکاری میں نام کو بھی نہیں تقلید ہمیشہ سد صنعت اور سد ترقی ہوتی ہے اشتراکی رنگ میں جب کبھی کوئی کام شروع ہوتا ہے تو اسقدر رکاوٹیں اسمیں حائل ہوتی ہیں کہ بعض وقت اُن کا دور کرنا کارے دارد -

عروجی خیالات کے ماتحت اعلےٰ تعلیم ایک اچھا ارادہ اور اچھا شگون ہے لیکن کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سب اعلےٰ تعلیم پاکر ملک و قوم کے حق میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں یا اُن کی کثرت کثرتِ ضروریات زندگی پر غالب آسکتی ہے یہ ایک خیال ہی خیال ہے - یوروپ خصوص انگلستان میں تعلیم کا بہت کچھ خیال ہے لیکن فنی اور اقتصادی و کاروباری تعلیم بھی ایک بڑی حد تک تقدم اور کثرت رکھتی ہے اور اس پر یوروپ کی خوشحالی فارغ البالی اور عملی احترامات کا انحصار ہے جسطرح ہماری زندگیوں کے مختلف شوارع ہیں اسی طرح قوم کے افراد بھی کچھ تعلیم اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد مختلف راہیں اختیار کرکے اور اُن پر عملی رنگ میں سالک ہوکر اپنی زندگی کی ضروریات اور کفالتوں کو بہ خوش اسلوبی پورا کرکے قصرِ قوم کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوتے ہیں یہی راز ہے جو اقوام یوروپ کو فارغ البال دکھاتا ہے - فافہم -

سلطان احمد

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلہ کے لیے مارچ نمبر ملاحظہ ہو)

مشاعرہ کا تیسرا دور

تیسرا قصیدہ خانۂ کعبہ پر لٹکانے والا۔ اپنے عہد کا ملک الشعرا زہیر بن ابی سلمیٰ ربیعہ بن ابی رباح بن قرہ ابن الحرث بن مازن بن ثعلبہ بن ثور بن ہرمہ بن الاظم ابن عثمان بن عمرو بن آد بن طانجہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان سے یہ شخص بھی شعرائے جاہلیت سے بہت ذی وجاہت اور مشہور گذرا ہے بلکہ ایک یہ اور ایک امرؤ القیس اور ایک نابغۂ ذبیانی یہ تینوں شخص زمانۂ جاہلیت کے طبقۂ اولے سے گذرے ہیں اکثر مورخین ان تین شخصوں سے قبل اور کسی شاعر کو نہیں لکھتے عرب کے آسمان شاعری پر سب سے پہلے چمکنے والے ستارے یہی ہیں سب سے پہلے انھیں نے عرب کے سنگلاخ اور مردہ وادیوں کو اپنے رنگا رنگ تخیلات سے ہمیشہ کے لیے رشک گلستاں بنا کے چھوڑا ہے انھیں کی ہستیوں پر عربوں کو ابدالآباد تک ناز رہیگا انھیں کے افکار الہامی نے عرب کے پُرخار صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو اس قابل بنا دیا کہ آج چودہ سو برس کے بعد بھی وہ بے برگ وگیاہ صحرا ارباب علم و بصیرت کی نظروں میں لہلہا رہے ہیں اور وہ مردہ زمینیں زندہ ہیں اور یوں زندہ ہیں کہ اُن کے ہر ایک خاک کے ذرے میں جداگانہ حسن وعشق کے عالم پوشیدہ ہیں وہ نقش و نگار جو چودہ سو برس قبل امرؤ القیس اور نابغۂ ذبیانی اور زہیر ابن ابی سلمیٰ بنا گئے ہیں اور وہ گلکاریاں جو ان کی خداساز طبیعتیں چپے چپے اور بوٹے بوٹے میں کر گئی ہیں آج تک اسیقدر

بلکہ اُس سے زائد خوبصورت ہم کو نظر آرہی ہیں باوجودیکہ جاتی ہوئی دنیا نے روز اک نیا لباس بدلا۔ تغیرات نے زمانے کے ہزاروں بلکہ کروڑوں ورق اُلٹ دیے حوادثات نے لکھو کھا عالم مٹا دیے اعتباری فطرت کی طوفاں خیز چادروں نے کتنی ہی ہستیاں نیست ونابود کردیں زہریلی ہواؤں نے کتنی قوتیں فنا کردیں مگر اُنکے بٹھائے ہوئے نقش ہستی کے کلیجے پر کچھ ایسے جم کے بیٹھے کہ آج تک ہر آنے والے تغیر نے ان کا بال بھی بیکا نہیں کیا۔

حکمائے مادیین کے نقطۂ خیال سے واقعی اگر دنیا غیر فانی ہے اور نفوس قدیم ہیں تو ہاں ہاں بیشک بیشک ان کی روحانی زندگی باقی ہے اور ضرور باقی ہے ہرگز ہرگز عالم اجسام سے انکا انتقال مکانی ان کو معدوم نہیں کرسکتا ہم کو آج بھی ان کی جانفشانیوں کی ویسی ہی داد دینا چاہیے جیسی اُن کی ظاہری موجودگی میں چاہیے تھی[1] ان ہی تینوں شاعروں کے متعلق جنکو مورخین شعراء طبقۂ اولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں عمائدین و اعیان اعراب میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون سب میں اچھا تھا چنانچہ جریر نے زہیر ابن ابی سلمیٰ کو ترجیح دی اور یہی عمر ابن خطاب کی

---

[1] آج وہ کم مایہ اور بے بصیرت ارباب فن ان کے کارناموں کو دیکھیں اور اپنے گریبانوں میں منھ ڈالیں جنکو باب شعر میں اپنے فن دانی پر بہت گھمنڈ ہے۔ مادۂ شاعری انسان میں ایک فیضان الٰہی ہے یہ جوہر اپنے کمال میں کسی خارجی قوت و استمداد کا محتاج نہیں ہے اسکو مدرسۂ الٰہی میں تعلیم روحانی پہلے ہی دے دیجاتی ہے ارباب بصیرت کو گہری نظروں سے شعرائے جاہلیت کی قوت تخیل کو معیار فصاحت و بلاغت و اصول مفروضۂ عروض سے ساتھ ہی ساتھ دیکھنا چاہیے اور یہ جانچنا چاہیے کہ یہ کلام کب کا ہے اور دنیا میں علم عروض کب آیا۔ آیا طبیعت شاعری نے علم عروض و قافیہ کی تدوین کی ہے یا علم عروض و قافیہ نے طبیعت شاعری کو خلق کیا ہے ۱۲ منہ

یہی رائے ہے وہ لکھتے ہیں زہیر کے متعلق ھو شاعر الشعراء جسکا ترجمہ میرے خیال میں ملک الشعرا ہے پھر اسکے بعد اس ترجیح کے بہت سے اسباب لکھتے ہیں اول یہ کہ اسکا کلام تعقید اور ایطا اور تضمین اور ہجو سے پاک تھا دوسرے وہ اپنے اشعار کو غیر مانوس اور وحشی الفاظ سے ہمیشہ بچاتا تھا تیسرے وہ کسی کی مدح میں اعتدال سے زائد قدم نہیں بڑھاتا تھا جو جس قابل ہوتا تھا اسکی اتنی ہی مدح کرتا تھا چوتھے اسکی سو برس کی عمر نے اسکی مشق شاعری کو دوسرے شعرا کے مقابل میں امتیازی درجہ حاصل کرا دیا تھا پانچویں اسکے مضامین لطیفہ اور شوخی الفاظ اور تصرفات شاعری انسان کو تعجب میں ڈالدینے والے ہوتے تھے میری رائے میں اسکی ترجیح کے لیے اپنے عہد کے معاصرین پر یہی وجہ کیا کم ہے کہ یہ مرتبے سے زائد کبھی کسی کی مدح نہیں کرتا تھا شاعری میں اعتدال سے بڑھا ہوا مبالغہ عیب ہے اور ضرور عیب ہے خوشامدانہ انداز شاعر کے لیے اختیار کرنا بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے اگرچہ ان عیوب مذکورہ سے بیشتر اعراب جاہلیت کا کلام پاک ہے لیکن نسبتاً زہیر مورخ مذکور کی رائے سے اپنے معاصرین میں سب پر ممتاز تھا یہ وصف شعراء جاہلیت سے اسوقت سے مفقود ہونا شروع ہوا ہے جب سے اعراب نے فاتحانہ حیثیت پیدا کی اور درباروں میں رسائی ہونے لگی ہیں اسوقت سے خوشامدی اور درباری شاعری کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور اعراب کے کلام سے لطف استعارات و کنایات کم ہوتا گیا ہے زہیر کے متعلق معاویہ الاحنف بن قیس کی رائے بھی نہایت وزنی ہے جس وقت اس سے پوچھا گیا ان تینوں شاعروں میں سے کون بہتر شاعر ہے تو اس نے زہیر ہی کو بتلایا ہے جب پوچھنے والے نے سبب دریافت کیا تو یہ جواب دیا کہ وہ دوسرے شعراء کے کلام کو اسکے کلام کے ساتھ ملا کے تنقید کی کسوٹی پر چڑھا کے

دیکھ لو۔ گو کہ ہم نے بہت مشکل سے زہیر ابن ابی سلمیٰ کے حالات تاریخوں سے چھانٹے ہیں اور اسکے کوائف زندگی مورخین نے لکھے بھی بہت کم ہیں لیکن پھر بھی ہم بہت کم کرکے لکھ رہے ہیں تاکہ ناظرین کو بار نہ ہو۔

زہیر عہد جاہلیت کا بڑا رئیس کبیر تھا ہرچند کہ غیر مسلم تھا لیکن اسکی صفت حلم و ورع بہت مشہور ہے۔ اسکے اشعار کے متعلق مورخ البستانی نقادان فن کی رائے نقل کرتے ہیں کہ اسکا ہر شعر بے انتہا شوخی اور جودت میں ڈوبا ہوتا تھا ابن اعرابی کی رائے ہے جو مرتبہ زہیر کو طبقۂ شعرا میں حاصل تھا وہ کسی کے لیے اُس دور میں نہیں تھا گویا کہ یہ فرید عصر و وحید دہر تھا اسلیے کہ یہ اہلبیت شعر سے تھا اسکا باپ بھی شاعر زبردست تھا اور اسکا ماموں بھی شاعر تھا اور اسکی بہن سلمیٰ بھی شاعرہ تھی اور اسکے دونوں بیٹے کعب و بجیر بھی شاعر تھے اور اسکی بیٹی خنسا بھی شاعرہ گذری ہے اور اسکا پوتا مضرب بن کعب بھی شاعر تھا گویا اس خانوادہ کا خمیر ہی شاعری کی خاک سے ہوا تھا محمد ابن سلام اسکے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ بہترین شعرا کے بہتر کلام میں بیشتر حصہ زہیر کا ہے اور اسی طرح اُن کے بُرے کلام میں کمتر حصہ زہیر کا ہے مجموعی حیثیت سے یہ خوبی بھی زہیر ہی کے لیے مخصوص ہے کہ معانی مضامین اعلیٰ زائد اور الفاظ نہایت کم و مختصر۔ مورخین انداز شاعری بھی زہیر کا سب سے جداگانہ لکھتے ہیں جو بہت زائد تعجب خیز ہے وہ یہ کہ ایک سال میں ایک قصیدہ اسکا ملک میں پیش ہوتا تھا کیونکہ یہ چار مہینہ میں قصیدہ کہتا تھا اور چار مہینے تک نظر ثانی کرتا تھا پھر چار ماہ تک وہ مخصوص شعرا کے پاس دورہ کرتا رہتا تھا اسکے بعد پبلک میں پیش کرتا تھا اور بعض مورخین لکھتے ہیں کہ ایک شب میں قصیدہ تمام کرتا تھا اور سال بھر تک ترمیم و تنسیخ کرتا رہتا تھا چنانچہ یہ قصیدہ بھی جو خانۂ کعبہ میں اس نے آویزاں کیا ہے یہ بھی اسی شان کا تھا۔ آیندہ نمبروں میں ہم اسکے کلام پر انشاءاللہ روشنی ڈالیں گے۔

(باقی آیندہ)

آشفتہ لکھنوی

تکوین

(گذشتہ سے پیوستہ)

اب اتنی بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ آفرینش واقعہ عالم زماں سے نہیں ہے واقعات کے اس تغیر اور تبدل کی، جسکو ہم ایک دریاے ذخار کی امواج سے مشابہ کہہ سکتے ہیں نہ کہیں ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ گویا آفرینش ایک بحر ناپیداکنار ہے جس میں نہ اُسکے اول کا پتہ چلتا ہے نہ آخر کا۔ زمانۂ ماضی پر ہم اپنی تخیل کے زور سے کتنا ہی دور نظر کیوں نہ دوڑائیں، وہاں ہم کو واقعات کا ایک عظیم الشان عالم ٹھیک اُسی طرح نظر آئے گا جس طرح آج سے پانچہزار برس قبل کے لوگوں کو دکھائی دیا ہوگا۔ اُسی طرح پر عالم استقبال کو تصور کر لو۔ وہاں بھی اک دریاے بے پایاں موج زن ہے جس میں سواے واقعات کے ہجوم کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا یعنے دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ عالم کی زندگی ابدی ہے اس میں زمانے کی قید نہیں، یہ ماضی مستقبل حال کی پابندیوں سے مبرا ہے آفرینش اس معنی میں ابتداے عالم کا مفہوم نہیں پیدا کرتی سہ

سُنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سُنی[1]

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

آفرینش کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خالق اور مخلوق دو مختلف چیزیں اور متضاد وجود ہیں، مخلوق سے ہماری مراد مظاہر یا آثار عالم ہیں اور خالق سے مراد جوہر عالم ہے

[1] یہ شعر موجودہ فلسفی شاعر، خان بہادر جناب علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی کا ہے، کس بلاکی شاعری کی ہے سارے مسئلہ تکوین کو ایک شعر میں ادا کرکے دریا کو کوزہ میں بند کردیا ہے سبحان اللہ

یہ دو مختلف اور متضاد وجود نہیں ہیں بلکہ ایک عالم کے دو عنصر ایک تصویر کے دو رخ ہیں ایک تغیر پذیر یعنی حادث ہے دوسرا مستقل یعنی باقی ہے۔ مخلوق وہ ہے جو کہ بدلتا رہتا ہے خالق وہ ہے جو کہ اپنی جگہ پر قائم ہے اور جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آفرینش کی ابتدا نہ تھی' یعنی یہ واقعہ زمانی نہیں ہے' تو میری مراد یہ ہوتی ہے کہ عالم تغیرات کی کوئی ابتدا نہ تھی۔

لیکن یہاں اک نئی بات یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر عالم ابدی ہے تو پھر آفرینش کا ذکر ہی فضول ہے۔ کیونکہ مسئلہ آفرینش سے مراد مسئلہ تخلیق عالم ہے' تو کیا پھر کوئی شے ایسی بھی ہے جسکو ہم آفرینش سے تعبیر کر سکتے ہیں' اک ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ تغیر بذات خود آفرینش ہے' تغیر مطلق ابدی ہے یعنی تغیر من حیث سلسلہ ابدی ہے لیکن ہر جزو تغیر جو کہ مل ملا کر اک سلسلہ قائم کرتا ہے ابدی نہیں ہے بلکہ اسکی ابتدا اور انتہا ازمنہ ثلاثہ میں ہوتی ہے۔ مناظر قدرت میں اسکی مثالیں بکثرت موجود ہیں' اس عالم ہی کو لو' سائنس کی بدولت ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح نظام شمسی کا وجود ہوا' پہلے اسکی کیا ہیئت تھی کیونکر رفتہ رفتہ سیارے وجود میں آئے اور پھر کس طرح ہمارے سیارے یعنی دنیا کا وجود ہوا' کس طرح اسکی تہیں اور پرتیں قائم ہوئے' کیونکر پہلے جمادات کی ابتدا ہوی' بعد وسکے نباتات اور حیوانات پیدا ہوئے زندگی کس طرح ہلکی پھلکی ابتدا سے گنجلک اور تابعض ہوتی گئی۔ کس طرح کیسی آئندہ زمانے میں حرارت کے زائل ہو جانے سے ہماری دنیا ذی حیات کے بود و باش کے قابل نہیں رہے گی۔ اور کس طرح چاند ہماری دنیا اور دیگر سیارے جو کہ ہمارے نظام شمسی سے متعلق ہیں آفتاب کے دہکتے ہوے شعلوں میں کھینچ کر معدوم ہو جائیں گے۔ یہ ساری باتیں جو کہ سائنس نے دریافت کی ہیں نظام کواکب کی تاریخ اور ترکیب کے عظیم سلسلے کا پہلا ورق ہیں۔ اگر ہمارا علم اور دنیا وہ سیع تر

تو ہم اپنے نظام شمسی سے گذر کر اُن نظام کواکب کے وجود کے متعلق تفتیش کرتے جس میں سیکڑوں ہمارے جیسے نظام شمسی بھرے پڑے ہیں، لیکن تاہم وجود مطلق تک پہنچنا تو دشوار محض ہے جسکی وجہ ظاہر یہ ہے کہ ہم کو زمانۂ ماضی کی کماحقہ خبر نہیں ہے اور نہ ہمارا علم اتنا بڑھا چڑھا ہے کہ ہر چیز کو قانون اسباب کی کسوٹی پر کس کر اسباب و علل کا پتہ بتادیں اور جبتک ہم ایسا تعلق قائم نہیں کر سکتے کسی واقعہ گذشتہ کی نسبت کامل وثوق کے ساتھ کچھ بیان کرنا خلاف عقل ہوگا۔ یقیناً یہی کیفیت اسوقت تک پیش آئے گی جب کہ ہم زمانۂ مستقبل پر نظر تجسس دوڑائینگے پس قدرت کا سلسلۂ تغیر محض کا اک ایسا کارخانہ ہے جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا

یہ تو تغیر مطلق یعنی سلسلۂ تغیر من حیث سلسلہ کا ذکر تھا۔ اب اگر انفرادی تغیرات کو لو تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر مفرد شے کی ایک خاص ابتدا اور انتہا ہے کوئی زمانہ ایسا بھی تھا کہ جب نہ تو چاند تھا نہ سورج دنیا تھی نہ انسان، قوموں فرقوں خاندانوں کے عروج و زوال کا ایک خاص زمانہ ہوتا ہے بعد اُسکے وہ نقش غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتے ہیں۔ دور کیوں جاؤ روز کے مشاہدات کو لو، غروب آفتاب کے وقت اگر فضائے آسمانی پر نظر دوڑاؤ تو دیکھو گے کہ اسکا رنگ بدلتا جاتا ہے وہ بادل کا ٹکڑا جو کہ چند ساعت قبل سُرخ تھا اب نیلا ہو گیا، لیکن سُرخ رنگ تھا وہ آسمان پر ہماری نظروں کے سامنے موجود تھا ہم نے اُسکو بتدریج بڑھتے ہوئے دیکھا اور رفتہ رفتہ غائب ہو جاتے ہوئے مشاہدہ کیا، ایک وقت وہ تھا جبکہ وہ نہیں تھا پھر وہ موجود ہو گیا اور اب ہمیشہ کے لیے غائب ہو گیا۔ آج کا آسمان کل کے آسمان سے بہت ہی مشابہ منظر دکھاتا ہے، لیکن آج کا نظارہ آج ہی تک محدود ہے اور آج اور جو کچھ کہ آج سے متعلق ہے اس دریائے ناپیدا کنار میں جذب ہو جائے گا۔ جسکو ہم ماضی سے

تعبیر کرتے ہیں، یہاں ہمارے سامنے اک ایسا واقعہ ہے جس سے ہم ہرگز انکار نہیں کر سکتے یعنی اُس شئے کا وجود میں آنا اور پیدا ہونا جو کہ موجود نہیں تھی اور اس کا فنا ہو جانا جو کہ موجود تھی۔ ہمارے سامنے تغیر کا واقعہ ہے، اور واقعات اور مشاہدات سے انکار محال ہے۔ ایسا ہی تغیر آفرینش ہے اور تغیر کی اس کشاکش میں جو نئی چیز کہ پیدا ہو جاتی ہے وہ مخلوق ہے

تغیرات کا یہ سلسلہ عالمگیر ہے، عالم کے اُن چند اصولوں کے سوا جو کہ مستقل ہیں اور جن کو ہم اصطلاح میں "جوہر" کہتے ہیں۔ ہر چیز بدل رہی ہے۔ آج کی دنیا کل (گذشتہ) کی دنیا ہرگز نہیں، گو کل کی دنیا اور آج کی دنیا کے مابین وہ مستقل وجود بھی ہے، جس کو ہم نے جوہر سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن اُس وجود کے ساتھ ساتھ جو کہ کل (گذشتہ) کی دنیا کو آج کی دنیا سے متغائر کرتا ہے۔ تغیرات کا بازار گرم ہے۔ اور روز نئی نئی چیزیں خلق ہوتی رہتی ہیں۔ کل (گذشتہ) کی دنیا ختم ہو گئی اور اک نئی دنیا، یعنی آج کی دنیا اسکی جگہ موجود ہو گئی، اور یہی آج کی دنیا کل (آئندہ) کی دنیا کے لیے جگہ بنا رہی ہے۔ یہ سلسلہ من حیث المجموع کوئی ابتدا نہیں رکھتا، اور نہ اسکی کوئی خاص انتہا ہو گی۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں تھا جبکہ آج کل (گذشتہ) کی جگہ لینے کو تیار نہ ہو اور نہ کوئی زمانہ ایسا تھا جب کہ آج کل (آئندہ) کے لیے جگہ خالی نہ کر رہا ہو۔ لیکن جو کچھ کہ سلسلۂ عالم میں بحیثیت مجموعی، سچ ہے اسکی زندگی کے ہر ساعت میں سچ نہیں ہے۔ ہر ساعت اک نئی دنیا پیدا کرتی ہے اور اپنے خالق کا ایک نیا جلوہ دکھاتی ہے، عالم لمحی ایک لمحہ کے ساتھ وجود میں آتا ہے اور اسی کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے، آفرینش وہ حادثہ نہیں ہے جو کہ کسی خاص زمانہ یا وقت میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ یہ اک ایسا واقعہ ہے جو کہ ہمیشہ موجود اور حاضر ہے یہ واقعات کا ہمیشہ وجود میں آتے رہتا ہے۔ یہ نئے حادثات اور مظاہر کا ہمیشہ پیدا ہونا اور

پرانے جلوؤں کا آشکار فنا ہو جاتا ہے۔

لیکن اب یہ دیکھنا چاہیے کہ آفرینش عالم "کیونکر" ہوئی "کیونکر" مفرد چیزیں اپنی تغیر پذیر حالتوں کے ساتھ وجود میں آتی ہیں، قبل اسکے کہ اس سوال کا جواب دیا جائے "کیونکر" کس طرح کے اعلےٰ مفہوم اور معنی کو اچھی طرح پر سمجھ لینا چاہیے کیونکر تین معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے۔

اول کیونکر سے مراد وہ ذریعہ ہو سکتی ہے جس سے کوئی شئے وجود میں آئے یا بنائی جائے یعنی وہ مادہ یا جنس جس سے اشیا کی ساخت مرکب ہو اور بنانے والے کی ذہانت اور صنعت اور وہ قانون قدرت مثلاً قانون اسباب اور کشش جن کے بغیر کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا لیکن یہ مفہوم محض عمارت یا کرسی وغیرہ کی تعمیر یا صنعت و حرفت کے بہترین ایجادوں سے متعلق ہو سکتا ہے، اور آفرینش سے یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی، کیونکہ خالق عالم نے تو اینٹ پتھر جوڑ کر دنیا کی عظیم الشان عمارت تیار نہیں کی ہے اور ایسا خیال کرنا بھی محض عقل سلیم پر دھبہ لگانا ہے۔

دوسرے ہم انسانی طریقۂ ایجاد و اختراع سے جدا ہو کر کیونکر کا اطلاق اُن قوانین قدرت یعنی قوانین اسباب و علل پر کر سکتے ہیں جن کے مطابق وہ تغیرات جو کہ علم میں لاحق ہوتے ہیں وقوع میں آتے ہیں، قانون اسباب واقعات کا تواتر اور تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے واقع ہونے کا نام ہے۔ اب اگر ہم کیوں کر سے قانون اسباب مراد لیں تب جو کچھ کہ سائنس اسباب و علل اور دیگر قانون قدرت کے متعلق معلوم کر چکا ہے آفرینش سے ہماری مراد وہی قانون اسباب اور قدرت ہوگی کیوں کر اک تیسرے معنی میں اور بھی استعمال ہو سکتا ہے اور یہی وہ مفہوم ہے جو کہ عموماً اس سوال کے جواب میں پیش کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے محض اُس طریقے اور سلسلے کو بیان کر دینا جس طرح پر کہ وہ واقعہ وجود میں آیا۔

اس امر کو واضح نہیں کرتا کہ کیوں وہ واقعہ ٹھیک اُسی طرح پر ظہور میں آیا جیسا کہ ہے ہم برابر مشاہدہ کرتے ہیں کہ بھوس میں چنگاری پھینکنے سے آگ لگ جاتی ہے یا ایک حصہ تیزابیہ میں دو حصہ مائیہ ملانے سے پانی بن جاتا ہے لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے کیوں چنگاری ہی پھینکنے سے آگ لگ جاتی ہے، پتھر پھول پھینکنے سے نہیں۔ کیوں تیزابیہ اور مائیہ ہی ملانے سے پانی بنتا ہے، تیزابیہ اور شوریہ ملانے سے نہیں، کیوں ہم کو موجودہ ہی عالم ملا ہے دوسرا عالم نہیں، کیا یہی ایک عالم ہے جو کہ وجود پذیر ہو سکتا تھا دوسرا عالم نہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ کیا عالم کا وجود لازم تھا اور اگر تھا تو یہ عالم ایسا کیوں ہوا جیسا کہ موجود ہے۔

اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کہ وجود عالم لازمی تھا، یعنی اس کا وجود خالق کی ذات یا طبیعت سے لازمی طور پر مترتب ہو سکتا ہے اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ ہم خالق اور مخلوق (عالم) میں ٹھیک ویسا ہی تعلق قائم کریں جو کہ کبریٰ اور صغرا کو نتیجہ سے رہتا ہے، اس لیے ہمارا کبریٰ ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے ہم اصول منطق کے مطابق عالم کے وجود اور ہستی کو خالق کی ذات اور طبیعت سے لازمی طور پر مستنبط کریں۔ لہٰذا خدا کی طبیعت کا بیان ہمارے قضیے میں ہونا ضرور ہے جس کا کبریٰ ایسا ہو کہ صحیح بالذات ہو، اور جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ عالم کا وجود لازمی اور لابدی تھا، اور ایسا ہی ہونا لازمی تھا جیسا کہ موجود ہے۔

لازمیت سے مراد عقلی لازمیت ہے، یعنی یہ عالم ذات مطلق سے مستنبط ہو سکتا ہے اور لازمی صرف وہ چیزیں ہو سکتی ہیں جو کہ مستقل ہیں نہ وہ جو کہ تغیر پذیر ہیں اور جب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ لازمی مستقل ہے تو میری مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ واقعی مستقل اور ابدی ہے، تب یہ عالم اُسی حالت میں ایک لازمی عالم ہو سکتا ہے جب کہ قانون اسباب اور دوسرے قانون مستقل ہیں یہ ایک لازمی عالم اُسی

معنی میں ہے کہ اسکے تمام واقعات اور تغیرات قانون اسباب اور قانون استحفاظ قوت (یا قانون اجتماع قوت) کے تابع ہیں۔

لیکن تھوڑی دیر کے لیے مان لو کہ خالق نے جس عالم کو پیدا کرنا چاہا تھا اُسی کو انتخاب کیا اور اسی کو پیدا کیا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ موجودہ عالم کی جگہ دوسرا عالم بھی ہو سکتا تھا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اس موجودہ عالم کے ماسوا کوئی دوسرا عالم بھی ہو سکتا تو ہم ذات خالق سے اس موجودہ عالم کو ہرگز منتج نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ ہم نے یہ مان لیا ہے کہ اس عالم کے ماسوا کوئی دوسرا ہی عالم اُسکی ذات سے مشتق اور مطابق ہوگا۔ جو لوگ اس خیال کے پابند ہیں وہ مسئلہ آفرینش کو اس حد تک پہنچاتے ہیں کہ جبکہ یہ طے پا گیا کہ کون سا عالم وجود میں آئے اُسکے بعد کیونکر خالق نے اس عالم کو پیدا کیا، یعنی یہ مسئلہ یہاں آکر ٹھہر جاتا ہے کہ چند عالموں میں سے ایک خاص عالم کا انتخاب عقدہ لاینحل اور معمہ ہے، کیونکہ اگر وہ قابل حل ہوتا تو وہ لازمی طور پر ذات خالق سے مستنبط ہوتا، اس لیے جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خدا نے چند عالموں میں سے اسی عالم کو پسند کیا وہ یا تو اپنے اس عقیدے کو خیرباد کہے یا اس امر کا اعتراف کرے کہ عالم لازمی طور پر ذات خالق سے مستنبط نہیں ہو سکتا

اب ہمارا تعلق صرف ایک مسئلہ سے وابستہ رہگیا ہے، یعنی وہ مسئلہ جو اس امر پر زور دیتا ہے کہ یہ فلسفی کا فرض ہے کہ وہ عالم کو ذات خالق سے منتج اور مستنبط کرے۔

یہ دعوی محض مہمل ہے، کیونکہ اصول منطق کے رو سے صحیح نتیجہ نکالنے میں ہم کو اپنے کبریٰ اور صغریٰ سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے اور اگر ایسا کریں تو ہم مغالطہ کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن مسئلہ آفرینش کے متعلق تو ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ عالم خدا کی

ذات سے مشتق ہے جو کہ خود عالم سے جدا اور علیحدہ ہے یعنی یہ کہنا کہ وہ عالم جو کہ ذات خالق سے اس طرح لازمی طور پر مستنبط ہوتا ہے جس طرح ایک نتیجہ اپنے صغری اور کبریٰ سے، ضرور خالق سے مختلف اور جدا ہوگا، سراسر نادانی اور بدعقلی ہے۔

لیکن یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا واقعی ہم سے (فلسفیوں) اس امر کی توقع کی جاتی ہے بیشک ایسا ہی ہے کیونکہ جس چیز کی تصریح ہم سے پوچھی جاتی ہے وہ تغیر ہے، یعنی اس چیز کا وجود میں آنا جو کہ موجود نہ تھی۔ اب یہاں پر دو ہی باتیں رہ جاتی ہیں، یا تو وہ عالم جسکی تصریح اور تنقیح ہم سے پوچھی جاتی ہے بالکل نیا ہے۔ جدید ہے یعنی جو کہ پہلے نہ تھا، یا وہ ہمیشہ سے اسی طرح موجود ہے اگر وہ اول الذکر ہے، تو ہم اسکو ذات خالق سے مستنبط نہیں کر سکینگے کیونکہ خالق لازمی طور پر مخلوق سے جدا ہوگا اور اگر موخرالذکر ہو تو ہم لوگ سرے سے آفرینش ہی کے منکر ہیں یعنی ہم تغیر ہی سے انکار کرتے ہیں جو کہ بالکل خلاف مشاہدہ اور عقل[۵] ہے۔

اب اُن تین مسئلوں میں سے آفرینش محض وہ مسئلہ رہ گیا ہے جس کا نمبر دوسرا ہے، تیسرا اصل ہے، پس غیر موزوں اور نامناسب ہے، پس مسئلۂ آفرینش بالکلیہ اس سوال سے تعلق رکھتا ہے کہ قوانین آفرینش اور قوانین حدوث واقعات کیا کیا ہیں، یعنی مسئلہ آفرینش سے گذر کر ہم مسئلہ ارتقا پر پہنچتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

نصیر حیدر

۵؎ اسپائی نوزا کا خیال یہ کہ آفرینش وہ ہے جو کہ خالق کی ذات سے یوں منتج ہوتی ہے جس طرح ایک مثلث کے صفات اسکی تعریف سے اخذ کیے جاتے ہیں محض دھوکا دہ ہے اور اسکو آفرینش سے کچھ بھی لگاؤ نہیں کیونکہ مثلث کے صفات مستقل ہیں تغیر پذیر نہیں۔ درانحالیکہ ہم کو جو کچھ آفرینش میں واضح کرتا ہے وہ تغیر ہے بہر حال اگر اسپائی نوزا تغیر کو حقیقتاً تصور کرتا ہے تو اسکا یہ خیال غلط محض ہے، اور اگر وہ تغیر کا منکر ہے تو یہ خیال مشاہدہ اور عقل کے خلاف ہے۔

دکھیا

چوہتر پچھتر برس کا زمانہ ہوا کہ حضرت ابوالفتح مصلح الدین ثریا جاہ سلطان عادل خاقان زماں محمد امجد علی شاہ بادشاہ اودھ نے چوالیس برس کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔

پہلے جب فردوس منزل کے انتقال کی خبر آئی تو حضور اپنے دولت خانے پر حسب دستور قدیم رزیڈنٹ بہادر کے منتظر تھے اتنے میں کپتان شکسپیر استقبال کو آئے اور اپنے ساتھ بادشاہ کو در دولت کی بارہ دری میں لائے حضور نے موافق رسم شاہان اودھ جلوس فرمایا۔

شہزادگان نے سب سے پہلے نذریں دیں اسکے بعد اقربا و متوسلین شاہی نے نذریں پیش کیں سلامی توپ کی شلک ہوی شہر میں ڈھنڈورا پٹا ارباب نشاط نے تخت کے سامنے مبارکباد گائی۔

اتنے میں بیت الانشا کے ایک منشی نے فرشی سلام کرکے ایک نہایت خوشخط مطلا قطعہ پیش کیا جسکے حواشی پر مذہب شکارگاہ بنی ہوی تھی قطعہ بیضاوی شان کی حدوں میں تھا جوڑ نہایت پاکیزہ کرسی درست بین السطور پنا ہوا کشادہ کہیں چاول برابر کمی بیشی نہیں قلم کی گردش سُستی ہوی حرفوں کی خوشنائی نظر فریب قطعہ تو سرکار میں پیش ہو گیا مگر کسی نے اسکے حُسن و قبح پہ نظر نہ کی ادھر میر حسین علی کو اپنی محنت اور جانفشانی کی داد نہ ملی دلشکستہ دربار سے گھر واپس آئے مردہ دل افسردہ خاطر چہرے پہ یاس ٹپک رہی تھی۔ میر صاحب لکھنؤ کے قدیم باشندوں میں تھے سعادت گنج میں مکان تھا دس روپیہ ماہوار کے دفتر بیت الانشا

میں ملازم تھے تنخوہ قلیل تھی مگر اُس زمانے میں اسمیں بھی بہت برکت تھی سستا
موسم تھا اس قلیل آمدنی پر ایک ماما بھی نوکر تھی۔
میر صاحب کی تقدیر منشی شمس الدین کی قسمت سے ملتی جلتی تھی اتنا بڑا
کامل فن اور شاہی زمانہ اور اس کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہو۔
لیکن بات یہ ہے کہ میر صاحب خلقی کم گو واقع ہوے تھے اور رسا بھی نہ تھے
ان دونوں باتوں نے ان کو پستی میں ڈال رکھا تھا۔
میر صاحب کا قول تھا کہ خداوندان دولت اہل نظر نہیں ہوتے یہ شہرت پسند
ہوتے ہیں مشہور اور نامور آدمی کی قدر کرتے ہیں گو وہ فن کے لحاظ سے کچھ بھی نہ ہو۔
یا اُس شخص کی قدر کرتے ہیں جس کا ہاتھ لوگوں کی سعی سفارش سے ان کے دامن تک
پہنچ گیا ہو۔
اہل کمال کو اپنے فن پر ناز ہوتا ہے اسلیے اکثر دیکھا گیا ہے کہ ان کا حق نااہل
فن اکثر چھین لیتے ہیں اور گنی لوگ ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور ان کی غذا
لخت دل اور خون جگر ہے۔
اس زمانے میں آغا عبدالرشید کا لکھا ہوا قطعہ اور حافظ نوراللہ کی
وصلی سو سو روپے فروخت ہوتی تھی۔
میر صاحب بھی اپنے فن میں ان کے ہم پلہ تھے بڑے بڑے لکھنے والے
ان کے آگے کان پکڑتے تھے مگر امراو رؤسا میں ان کی تحریر کی خاک بھی قدرو
منزلت نہ تھی اسپر آفت یہ آئی کہ میر صاحب کی ملازمت کا سلسلہ بھی منقطع
ہوگیا بیت الانشا میں سرکار کی طرف سے تخفیف منظور ہوی تو سب سے پہلے
میر صاحب کا نام کاٹ دیا گیا اب روزمرہ خرچ کی بھی تکلیف ہونے لگی الغرض
کثرت افکار سے میر صاحب کے حواس مختل ہو گئے۔

(۲)

آج سعادت گنج میں میر صاحب کا کچا مکان ایک عالیشان پختہ عمارت کی شکل میں نظر آتا ہے پھاٹک کی بغل میں ایک کمرہ نہایت وسیع فرش فروش سے آراستہ پیراستہ قطعات سے مزین نظر آتا ہے اُمرا کے لڑکے اصلاح کی غرض سے آتے ہیں کچھ دیر بیٹھے ہوئے مشق کر رہے ہیں۔

ایک صاحب میر صاحب سے الگ گوشے میں کچھ سرگوشی کر رہے ہیں۔ آغا عبد الرشید کا لکھا ہوا ایک قطعہ نکالا ہے اور کہتے ہیں دیکھیے اسمیں بال برابر فرق نہ رہے۔ دس روپیہ حاضر خدمت ہیں میر صاحب نے پیش شدہ رقم بخوشی منظور فرمائی اور ایک کونے میں بیٹھکر نہایت اطمینان سے قطعہ کا چربہ اُتار لیا اور دوسرے روز تیز روشنائی سے بھر کر آغا کا نام لکھکر صاحب فرمایش کے سامنے اصلی اور نقلی دونوں قطعے پیش کیے۔ اگرچہ وہ بڑے مبصر تھے مگر کسی طرح دونوں میں امتیاز نہ کرسکے کہ اصل کون ہے اور نقل کونسی اس خوشی کے جوش میں میر صاحب کے ہاتھ چوم لیے اور کہا سچ تو یہ ہے کہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس طریقہ سے میر صاحب کو دو سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے اور بہت سے تاجر میر صاحب کے ایجنٹ بنے ہوئے ہندوستان کے مختلف حصص میں تجارت کر رہے ہیں اور ان کو بہت نفع ہے۔ میر صاحب کے دوست ایک شیخ کلن صاحب ہیں جو بمبئی حکاک مشہور ہیں بلور کو ہیرا یاقوت نیلم پکھراج ایسا بنا دیتے ہیں کہ بڑے بڑے جوہری ان کا لوہا مانے ہوئے ہیں ان کے وسیلے سے بھی ہزاروں آدمی روٹی کماتا ہے آدمی مخیر ہیں خیرات بھی حسب حیثیت کرتے اور کنبہ پرور بھی ہیں۔

وضع سیدھی سادی باتیں بھولی بھالی مروت کے پتلہ ہیں دونوں میں

نہایت ارتباط ہے دونوں کی ایک ہی جگہ پینک گھلتی ہے اس زمانے تک افیون بھی شرافت کی علامت میں شمار کی جاتی تھی اور کوئی صحبت اس سے خالی نہ تھی مرزا رجب علی بیگ سرور آفتاب الدولہ قلق وغیرہ میر صاحب کی صحبت افیون کے رکن اعظم تھے۔

گھر میں چار پانچ خدمتگار نوکر تھے لڑکوں کو معلم ملازم مگر میر صاحب کو اپنی لڑکی عابدہ بیگم سے بہت محبت تھی وہ کہتے تھے یہ میرے گھر میں خدا نے بھیجی ہماری ہے جب سے یہ پیدا ہوئی ہے میری آمدنی میں حیرت انگیز ترقی ہوگئی ایک وہ دن تھا کہ میں دس روپیہ ماہوار کا ملازم تھا پھر ایک وہ زمانہ آیا کہ جب نوکری سے برطرف ہوا یہ وقت روٹی میسر نہ تھی پیسہ پیسہ ذرا ذرا سی چیز کو ترستے تھے اب خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے جب سے لڑکی سنِ ہوش سنبھالا روپے کی ریل پیل ہوگئی ہے چاروں طرف سے دولت چلی آتی ہے میں تو اسے عابدہ کی قسمت سمجھتا ہوں امیر حسین نصیر حسین کی شادی تو عسرت کے زمانے میں ہوئی جب ہمارا ہاتھ بہت تنگ تھا اب لڑکی کی شادی میں دل کے ارمان اچھی طرح نکلیں گے۔

جہیز کا سامان تو میر صاحب نے سب کچھ جمع کر لیا تھا زیور بھی اعلےٰ قسم کا خوش خرید لیا تھا شادی کے پیغام چاروں طرف سے چلے آتے تھے لیکن میر صاحب نے اپنے ایک عزیز قریب غریب لڑکے کو سب پر ترجیح دی اور دھوم دھام سے خرچ اٹھا کر لڑکی کی شادی کی دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ایسی تقریب میر صاحب کی کئی پشتوں میں نہ ہوئی تھی۔

(۳)

شادی کو پورا سال گذر چکا ہے عابدہ اپنی سسرال میں ہنسی خوشی بسر کرتی ہے

میاں بیوی میں اتفاق ہے گرمی تراتے کی پڑ رہی ہے دوپہر کو ہری ہری ٹالم لگڑیاں کلیجے میں ٹھنڈک ڈالتی ہیں برسات کا آغاز ہوتے ہی تمام شہر میں ہیضے کی بیماری پھیل گئی اموات کی کثرت ہو گئی لوگ شہر چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

احمد حسن عابدہ کا شوہر بہت دل کا کچا تھا بیوی سے صلاح کی شہر میں بیماری بہت ہے کہو تو تبدیل آب و ہوا کی غرض سے کہیں دیہات کو چلے چلیں مہینہ دو مہینے کے بعد پھر واپس آ جائیں گے بیوی نے کہا تم بڑے ڈرپوک ہو مرد ہو کر اتنے ڈر گئے تم سے تو میں عورت اچھی ایسی بات منھ سے نہ نکالنا لوگ ہنسیں گے تمہاری اوقات اتنی کہاں کہ پردیس کا خرچ اٹھا سکو اور خدا جانے وہاں کیا واقعہ پیش آئے یہاں دس عزیزوں کا تو سہارا ہے غیر شہر میں کون کس کا پوچھنے والا ہے اور اب تو میں سنتی ہوں بہت کم ہے۔

اس گفتگو کے آٹھ دس روز بعد بارہ بجے رات احمد حسن کی آنکھ دفعتہً کھل گئی سینے پر کچھ گرمی معلوم ہوتی تھی طبیعت مالش کر رہی تھی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے تھے پیٹ میں اپھار تھا بیوی کو جگا کر کہا ذرا چراغ جلا دیں پیخانے جاؤں گا جب تک وہ نیک بخت چراغ جلائے جلائے آپ پانی لے کر اندھیرے میں چلا گیا بیوی نے پوچھا خیر تو ہے کچھ منھ سے جواب نہ نکلنے پایا تھا کہ ایک لمبا دست آیا تمام جسم عرق عرق ہو گیا طبیعت مضمحل ہو گئی بمشکل پیخانے سے نکل کر چارپائی پر گرا دفعتہً ایک قے ہوئی اور غشی کی حالت طاری ہو گئی اسوقت رات کو کیا ہو سکتا تھا مگر پھر بھی عورت ذات نے بڑی ہوشیاری کی فوراً حکیم کو طلب کیا دوائیں منگوائیں اور پلائیں مگر وقت پورا ہو چکا تھا بیماری اپنا اثر کر چکی تھی دوا کارگر نہوئی اور

صبح ہوتے ہوتے ہی احمد حسن نے انتقال کیا۔

اب غریب عابدہ اپنے بھائیوں کے ساتھ رہتی ہے باپ مر چکا سسرال میں کوئی پوچھنے والا نہیں مجبوراً بھائیوں کے یہاں زندگی کے دن پورے کرتی ہے بھائیوں نے باپ کے ترکے کا ایک پیسہ بھی غریب کو نہیں دیا نہ وہ مانگ سکتی تھی نہ اسکی دوسری شادی کی کیونکہ یہ بات رواج خاندان کے خلاف تھی موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھی سوکھی روٹی بھی چند روز کے بعد گراں ہونے لگی بات بات پر دبائی جاتی تھی اور ہر موقع پر غم کھانا پڑتا تھا وہ سوچتی تھی کہ اب دنیا میں انکے سوا میرا کون ہے لیکن بھاوجوں کی لگائی بجھائی سے اسکا ناک میں دم تھا بات بات پر شوہروں کو بھڑکاتی تھیں روز کی فضیحتی روز کا جھگڑا بکھیڑا جب بہت تنگ آتی تھی تو دل کی بھڑاس نکالنے کو اپنے رہنے کے کمرے کا دروازہ بند کرکے دو دو گھنٹے لگا تار زار وقطار رویا کرتی۔

جب دلوں میں کشیدگی بڑھ گئی اور بھائیوں نے غریب بیوہ بہن کو مجبور اور بے بس پاکر ہر وقت اپنا غصہ اُتارنا شروع کیا تو اس نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا چاہے بھائیوں کی ناک کٹے یا رہے میری تو اب اس گھر میں بسر نہ ہوگی۔ بھاوجوں کا بغض ایسا رنجدہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ غیر ہیں مگر بھائیوں کی بے اعتنائی اور زباں درازی ہرگز قابل معافی نہیں خدا کے سوا میرا فریاد رس دنیا میں کوئی نہیں باپ کا ترکہ میری پرورش کو کافی تھا مگر مجھے کون دے گا اس کا ذکر زبان پر لانا بے سود ہے۔

خیر میرے ہاتھ پاؤں سلامت رہیں محنت مزدوری کرکے کھاؤں گی اور کبھی اس در پر نہ آؤں گی ایک روز اسی طرح بہت شدت کی لڑائی ہوئی کہ محلے والے توبہ توبہ کرنے لگے عابدہ بیگم نے ہمسائی سے کہا تمھیں کوئی مکان

آٹھ آنے مہینے کا غریبا مئو مل جائے تو مجھے دلوا دو ہمسائی نے کہا ہمارے نندوئی کا ایک مکان اسی محلے میں خالی ہے عابدہ نے دو مہینے کا کرایہ ایک روپیہ پیشگی دیا اور اپنا اگڑ کھنگڑ لے کر اُٹھ گئی محلے کے لوگ جو اسکے باپ سے واقف تھے انکو بہت افسوس ہوا اور اسنے بھی ہمت کرکے اپنی پس ماندہ پونجی پر بسر کرنا شروع کیا کچھ مامائیں ترس کھا کر اور [illegible] آٹھویں دن اسکو جنس خرید لا دیتیں اور اکثر بیکار مامائیں اسی کے یہاں رہا کرتیں۔

عابدہ بیگم کی اب زندگی سلائی پسائی کُٹائی پر بسر ہوتی ہے جب کچھ کام نہیں ملتا تو فاقے کی نوبت آتی ہے بہت کمزور اور نحیف ہو گئی ہے صورت نہیں پہچانی جاتی۔

ایکروز برسات کا زمانہ تھا موسلا دھار پانی برس رہا تھا اور اسکے ساتھ ہوا کا وہ زور کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ عابدہ بیگم چکی پیس رہی تھی دفعتہً ایک دھکا اور دالان کی سب دھنیاں زمین بوس ہو گئیں۔ لیکن دھنیاں کچھ اس قطع سے قینچی ہو گئیں کہ اسکی ہڈیاں پسلیاں چور ہونے سے بچ گئیں اور یہ اسی کے اندر پڑی رہی کچھ دیر ہوا کے نہ آنے سے دم گھٹنے لگا جب تک پانی برسا کیا کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کھلنے کے دو تین گھنٹے بعد ہمسایہ عورت نے ہمدردی کی راہ سے اپنے شوہر کو عابدہ بیگم کی خیریت دریافت کرنے بھیجا انھوں نے آکر دیکھا مکان گر پڑا ہے گھبرا کر کئی آوازیں دیں جب کوئی جواب نہ آیا تو دوڑ کر اسکے بھائیوں کو اطلاع دی دونوں کے دونوں دوڑے آئے مزدور لگا کر دھنیاں ہٹوائیں تو دیکھا عابدہ بیگم بالکل بے حس و حرکت بیہوش پڑی ہے چارپائی پر لٹا کر باہر نکالا کچھ دیر کی مہمان تھی ہوا کے لگنے سے آنکھ کھولی بھائیوں سے کہا اچھا تم سب لوگ ہمارا کہا سنا معاف کرنا کچھ دیر کے مہمان ہیں اتنی چند روزہ زندگی پہاڑ ہو گئی تھی کسطرح کاٹے نہ کٹتی تھی۔

ہزاروں لڑائیاں جھگڑے رسوائیاں بدنامیاں جو جو قسمت میں لکھی تھیں پوری ہوئیں جسکے در پر بیٹھے دوبھر ہوگئے باپ دادا کی عزت کے خیال سے خاک میں مل گئے سلائی پیائی پر بسر اوقات کی ایک وقت بھی آدھا پیٹ کھانا مشکل سے میسر آتا تھا ایسے آزمایش کے وقت میں بڑے بڑے خدارسیدوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں تو ہم دنیا کے کتّے کیا ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے عزت آبرو سے محنت مزدوری سے ہماری چند روزہ زندگی بُری بھلی طرح بسر کرادی اب آخری منزل درپیش ہے یہاں کی تکلیف تو ختم ہوچکی اب وہاں اسیکے فضل وکرم سے اچھی بنے۔

مَیں تمھیں ایک وصیت کرتی ہوں بیوگی کی حالت میں جو مجھے تلخ تجربہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستاں کے دستور کے موافق پردہ ایک ضروری چیز ہے اسکو قائم رکھنے کے بعد بے وارث عورتوں کا کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہنا سب سے زیادہ درد آمیز واقعہ ہے گویا ہندوستاں میں عورت اکیلی تنہا رہ کر زندگی بسر نہیں کرسکتی اور پھر پردہ کی زندگی ایک ایک چیز کو ترستی ہے ایک ایک کام ہزاروں کی خوشامد کرتی ہے کسی نے ترس کھا کر بازار سے سودا لادیا تو کھانا میسر آیا نہیں تو فاقہ ہے یہ ان کا ذکر ہے جنکے پاس پیسہ ہے یا کچھ محنت مزدوری کرکے دو پیسے پیدا کرلیتی ہیں۔

اور خدانخواستہ جنکے پاس پیسہ نہیں ہے اور ہاتھ پاؤں سے معذور ہیں محنت مزدوری کی عادت نہیں ہے ان کی تو رانڈ ہونے کے بعد ہندوستان میں مٹی خراب ہوتی ہے اگر باپ دادا کی عزت کے لحاظ سے پردے سے باہر نکلنا نہیں چاہتی ہیں تو فاقے کرکے کوٹھری کے اندر جان دیدیتی ہیں۔

ان مصیبتوں کا مجھے خوب اندازہ ہوچکا عزیزوں کی بیوفائی دیکھی

بھائیوں کی بے اعتنائی دیکھی محلے والوں کی بے پروائی دیکھی ہمسایوں کی کج ادائی دیکھی رنڈیوں کی رکھائی دیکھی جتنی تکلیفیں جتنی مصیبتیں تھیں سب کا مجھپر خاتمہ ہوگیا اور یہ اس لیے کہ کوئی اپنا لگی والا وارث ایسا نہ تھا جو ہماری عزت کو اپنی عزت اور ہماری آبرو کو اپنی آبرو سمجھتا اس لیے میری دست بستہ سب بھائی بہنوں سے گذارش ہے کہ جہاں تک ہو سکے رانڈ بیوہ کے دو بول کسی شریف غریب کے ساتھ ضرور پڑھاریں اور اس بدرسم کی ہندوستان سے بیخ و بنیاد نیست نابود کردیں۔

اس بدرسم نے ہزاروں شریفوں کی آبرو خاک سیاہ کردی۔ ہمارے باپ کی عزت و آبرو کا خیال کرو اور ہماری حالت کا اندازہ کرو تو دونوں میں زمین آسمان کا فرق پاؤگے۔

پیمانِ وفا

عشرت لکھنوی

(تمہید۔ لیڈی کلیر ایک ارل کی اکلوتی بیٹی خیال کی جاتی تھی اور لارڈ رونلڈ اس کا بھتیجا تھا۔ اسلیے وہ دونوں چچیرے بھائی بہن سمجھے جاتے تھے۔ لیڈی کلیر ارل کی وارثہ تصور کیجاتی تھی مگر اسکی بڈھی دایہ نے اس بات کا اقبال کیا کہ وہ اسکی ہی لڑکی تھی نہ کہ بڈھے ارل کی کیونکہ اسکی لڑکی ایام طفولیت میں مرگئی تھی۔ بدیں وجہ لیڈی کلیر ارل کی وارثہ نہ تھی بلکہ اسکا بھتیجا لارڈ رونلڈ اسکا وارث تھا۔ اور حق دار تھا۔ اس سے شادی ہونے کے بعد لیڈی کلیر پھر بھی اسکی بیوی ہونے کی وجہ سے لیڈی رہی)

لارڈ ٹینی سن نے اس واقعہ کو بعنوان لیڈی کلیر نظم کیا ہے جس کو میں آج اپنی زبان کا جامہ پہنا کر پیمان وفا کی سرخی سے ضیافت طبع ناظرین کے لیے پیش کرتا ہوں۔

جب کھلا کرتا ہے نیلوفر نفیس ایام میں
جن دنوں چھاتا ہے ابر بہاری چرخ پر

اک ہرن رونلڈ لایا تھا پے نذر کلیر
بال تھے جسکے سفید و صاف و نرم و خوبتر

اتنا کہہ سکتا ہوں رو رو کر ہوے دونوں جدا   دام الفت کے تھے وہ بیشک گرفتار قدیم
صبح اُن دونوں کی شادی ہونیوالی ہے ضرور   اس مبارک دن پہ ہو فضل خداوندِ کریم

میری عالی خاندانی سے نہیں الفت اسے   اسکو میری ملک بھی ہاں ہاں نہیں محبوب ہے
خوبیوں کی وجہ سے میری ہوا مانوس وہ   ہنس کے لیڈی نے کہا مجھکو یہی مطلوب ہے

بڈھی ایلیس اسکی دایہ اندر آئی اس گھڑی   اور پوچھا تجھ سے ملکر کون یہ اسدم گیا
ہنس کے لیڈی نے کہا میرا چچیرا بھائی تھا   قسمتیں کل دونوں کی وابستہ ہونگی برملا

ہنس کے دایہ نے کہا شکر خدائے ذوالجلال   یاں اب نکلیگی میری حسرتِ خاطر نشین
سچ تو یوں ہے فی الحقیقت تو نہیں لیڈی کلیر   وارث جائز رہی ہے تو نہیں ہاں تو نہیں

دایہ میری دایہ - پیاری دایہ لیڈی نے کہا   کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہے تو بالیقیں
پھر تو دایہ نے کہا اس سے کہ خالق کی قسم   تو تو میری لڑکی ہے جھوٹ اسمیں پیاری کچھ نہیں

سچ میں کہتی ہوں خدا شاہد ہے میری بات کا   اس کی لڑکی مری سینے پہ میرے ہائے ہائے
اپنے بچے کی طرح ہاں دفن اُسکو کر دیا   رکھ دیا پھر لال کو اپنے مگر اس کے بجائے

غمزدہ ہوکر کہا گر سچ ہے یہ سب پیاری ماں   تو بُرا بیشک ہوا بے شک ہوا یہ ناروا
ایسے پاک و صاف باطن نیک سیرت شخص کو   اتنی مدت ہائے اسکے حق سے رکھنا یوں جدا

پھر تو ایلیس نے کہا بیٹی نہ اب ظاہر ہو یہ   تا دمِ مرگ اب تو اسکی رازداری ہے ضرور
بعد شادی اُسکی بھی وہ ملکیت ہوجائیگی   کہنے کو فی الحال وہ بیشک تمھاری ہے ضرور

ہاں اگر میں ہوں فقیر بیٹوا اُس نے کہا   جھوٹ سے کیا کام سچی بات کردوں آشکار
میری پوشش سے نکالو کھینچ کر زریں بروچ   پھینکدو میرے گلے سے لے کے یہ ہیرے کا ہار

ملتجی ہوکر کہا ایلیس نے لے بیٹی مری   رازداری کر جہاں تک ہو - روا ہے یا نہیں
غیر ممکن ہے یہ ماں اُسنے دیا فوراً جواب   دیکھنا ہے مرد میں کچھ بھی وفا ہے یا نہیں

دوراندیشی سے دایہ نے کہا - کیسی وفا   وہ تو یہ سوچے گا - آخر کیوں نہ میں حق کو کھوں

اسپہ لیڈی نے کہا ہاں اسکو ملنا چاہیے
آج ہی شب میں اجل سے خواہ ہم آغوش ہوں

ایک بوسہ اپنی پیاری ماں کو تاہم کر عطا
یہ خطا اے میری بیٹی کی فقط تیرے لیے

میری ماں اے پیاری ماں ہاں پیاری ماں اُس نے کہا
ہے تعجب خیز یہ بیشک بہت میرے لیے

تاہم اک بوسہ ہے اپنی پیاری ماں کے واسطے
اپنی ماں کے واسطے گر ہاں ہے بے ریب وریا

دست شفقت اپنا میرے سر پہ رکھکر پیاری ماں
قبل میرے جانے کے کر میرے حق میں تو دعا

اس نے پہنا گندمی رنگت کا اک سایہ مگر
سچ جو پوچھو اب نہ تھی پہلی سی وہ لیڈی کلیر

اپنے گیسوئے معطر میں لگا کر اک گلاب
گھاٹیوں میں غار میں ہو کر گئی کھا کھا کے پھیر

وہ غزال رعنا ہاں رونلڈ جسکو لایا تھا
کود کر اپنی جگہ سے ہو گیا بس اسکے ساتھ

کیا کروں میں ہائے اسکے جذبۂ الفت کا ذکر
سر پہ اسکے رکھا تھا لڑکی کا کس الفت سے ہاتھ

زینہ سے نیچے اتر کر لارڈ نے اس سے کہا
تم کو زیبا ہے کہ پوشش خوب ہو معقول ہو

کپڑے کیوں پہنے ہو تم دہقان زادی کی طرح
تم تو اے جان جہاں باغ جہاں میں پھول ہو

ہاں مرا ملبوس گر دہقان کی لڑکی سا ہے
انقلاب دہر یہ بھی ہے مری قسمت کا پھیر

سچ میں کہتی ہوں کہ میں پیدائشی ہوں اک فقیر
اب یہ ظاہر ہو گیا ہے میں نہیں لیڈی کلیر

مجھ سے رہنے دو یہ فقرے لارڈ نے سنکر کہا
قول میں اور فعل میں میں ہوں تمہارا ہاں یکساں

رہنے دو اپنے یہ فقرے لارڈ نے پھر یہ کہا
یہ معمہ میں نہ سمجھا کچھ کہو تو جان جاں

فخر سے اور ناز سے تن کر کھڑی سیدھی ہوئی
اور نہیں آنے دیا دل پہ کوئی بار گراں

بعدہ رونلڈ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے
اپنی دایہ کی سنادی اُسنے ساری داستاں

اتنا سنکر وہ ہنسا جوش مسرت کی ہنسی
اسکو سینے سے لگایا اور کیا پھر اسکو پیار

اور کہا گر تم نہیں ہو وارث پیدائشی
اور میں ہوں خاندانی اور قریبی رشتہ دار

ہاں اگر پیدائشی وارث نہیں تم ارل کی
ق اور میں ہوں وارث جائز سنا اے جان جاں

تم رہوگی دیکھنا پھر بھی وہی لیڈی کلیر
عقد جب ہم دونوں کا ہو جائے گا کل بیگماں

باسط بسوانی

مسلمانوں کے احسانات ایرانی علوم و فنون پر

(۱)

بعض علمائے یورپ کے تعصب یا تاریخ دانی کا اس سے اچھی طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر اکثر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے تمام دنیا کے معارف علمیہ میں صرف ارسطالیس کے فلسفہ کی خدمت کی اور نہایت بیدردی سے ہم پر تمام دنیا کے علوم و فنون تباہ و غارت کرنے کا الزام لگاتے ہیں اور نہایت افسوس اسکا ہے کہ بعض اوقات مسلمان بھی اس معاملہ میں انکے ہم آہنگ ہوجاتے ہیں حال ہی میں میرے ایک انگریزی خوان دوست نے بڑے زور سے دعویٰ کیا کہ یقیناً ایران کے علوم و فنون مسلمانوں ہی نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے برباد کردیے لطف یہ ہے کہ میرے دوست یہ بھی فرماتے تھے کہ "اسمیں کیا مضائقہ ہے" اگر ایرانیوں کے کتبخانے جلادیے گئے تو کیا ظلم ہوا؟" میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یقیناً یہ انگریزی خوان جماعت ہم عربی خوانوں سے بھی زیادہ گرفتار تقلید ہے اور اسکا ایمان ہم سے کہیں زیادہ پختہ ہے کیونکہ اگر ہم کو اسکا یقین ہوتا کہ مسلمانوں نے قصداً کتب خانوں کو ضائع کردیا ہے تو ہم یقیناً انکو ظالم و وحشی خیال کرتے اسکے ساتھ یہ بھی خیال ہوا کہ ایران کے علوم و فنون کے متعلق ایک مختصر سا مضمون لکھنا چاہیے

جو جماعت کچھ بھی اسلامی تاریخ سے واقف ہے اس اعتراض کو حقارت آمیز ہنسی کے ساتھ سنکر خاموش ہوجاتی ہے، حالانکہ یہ اعتراض اگر رفع نہ کیا گیا تو آیندہ عام غلط فہمی پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے نوفل آفندی جو بیروت کا ایک

مشہور عیسائی مورخ ہے اپنی کتاب صباحۃ الطرب میں لکھتا ہے "یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ اہل عرب جو ہر قدم پر تمدن و تہذیب کو برباد کرتے تھے، جنھوں نے حضرت عمر کے حکم سے اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دیا جنھوں نے (حضرت عثمان کے حکم سے) فارس کے علوم و فنون تباہ کر دیے جنکے فاتحانہ حملوں کے ساتھ ہی انطاکیہ اور بیروت کے مدارس فنا ہو گئے، جنھوں نے مصر کی مشہور یادگاروں ابوالہول اور اہرام کے مٹا دینے کا ارادہ کیا وہ کیونکر دوسری اقوام کے معارف علمیہ کی طرف متوجہ ہوئے" ہم کو اس موقع پر مصنف کی بقیہ پے در پے غلط بیانیوں سے غرض نہیں بلکہ اسوقت ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں نے فارس کے علوم و فنون کی حفاظت کی یا برخلاف اسکے ان کو ضائع کر دیا۔

حیرت ہے کہ مسلمانوں پر کیونکر ایران کے علوم و فنون برباد کرنے کا اتہام لگایا جاتا ہے حالانکہ فارسی لٹریچر کے ساتھ مسلمانوں کو جو تعلق ہے وہ کسی اور زبان سے ہرگز نہیں علم الحرب میں پہلا سبق مسلمانوں نے اہل ایران سے لیا چنانچہ خندق کھود کر دشمنوں کا مقابلہ کرنا خود شارع علیہ السلام نے حضرت سلمان فارسی سے معلوم کیا، عرب کا نظام حکومت اگرچہ خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم قائم کر چکے تھے مگر با ایں ہمہ مسلمانوں نے بہت سی باتیں اہل عجم سے معلوم کیں چنانچہ حضرت عمر نے دفتر کو اہل عجم کے طریقہ پر ترتیب دیا اسی بنا پر اسکا نام دیوان (جو خالص عجمی لفظ ہے) رکھا گیا، عرب میں دستاویزوں پر تاریخ نہیں لکھی جاتی تھی جس سے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا ہوتا تھا سب سے پہلے حضرت عمر نے سلمان فارسی کے مشورہ سے سنہ ہجری کی بنیاد رکھی۔ فارسی لٹریچر کی طرف مسلمان صحابہ کرام ہی کے زمانے سے متوجہ ہو گئے تھے چنانچہ حضرت مغیرہ جو ایک جلیل القدر صحابی تھے فارسی سے خوب واقف تھے حضرت عمر کے دربار میں ایران کے

ایک قاصد آیا تو انھوں نے اس سے فارسی میں گفتگو کی[1]۔ پہلی صدی کے ختم ہوتے ہوتے فارسی لٹریچر سے اسقدر ذوق پیدا ہوگیا تھا کہ بکثرت حدیثیں فارسی کی فضیلت میں گڑھی گئیں یہاں تک کہ عمر بن موسیٰ ابن وجیہ نے جو خود عربی النسل تھا فارسی کی محبت میں یہ حدیث وضع کی اِنَّ اللّٰہَ اِذَا غَضِبَ اَنْزَلَ الْوَحْیَ بِالْعَرَبِیَّۃِ وَاِذَا رَضِيَ اَنْزَلَ الْوَحْیَ بِالْفَارِسِیَّۃِ[2] خدا جب غضب آلود ہوتا ہے تو عربی میں وحی بھیجتا ہے اور جب خوش ہوتا ہے تو فارسی میں دوسری قوموں کے علوم و فنون سے آجکل جسقدر ہمیں نفرت ہے اس سے بمشکل یقین آتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی کبھی دوسروں کے علوم و فنوں سے محبت رہی ہوگی مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے وجود کے ساتھ ہی دوسری قوموں کے لٹریچر کی طرف توجہ کی چنانچہ خود رسالتمآب صلعم نے حبر الامۃ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا اور پھر خود انھوں نے اپنے شوق سے سُریانی زبان سیکھی۔ یہاں پر یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ سُریانی بھی (اگرچہ ایرانی زبانوں میں سے نہیں ہے مگر) فارس کی علمی زبانوں میں سے ایک زبان تھی جیسا ہم آگے چلکر بیان کریں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ عبری زبان سے واقف نہ تھے مگر حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ یہود کے مذہب پر سب سے زیادہ حضرت ابوہریرہ کو عبور تھا[3] ناظرین یہیں سے قیاس کر سکتے ہیں کہ غیر قوموں کے لٹریچر کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عمل کیسا تھا۔

فرض کیا جائے کہ عربوں نے حضرت عثمان کے حکم سے ایران کے علوم و فنون ضائع و برباد کردیے لیکن پھر بھی سوال کیا جاسکتا ہے کہ کب اور کیونکر؟ مسلمانوں سے قبل ایران میں صرف ایک کتبخانہ تھا جسکا نام کتبخانہ گندز ہے۔ یہ کتبخانہ جی جارستاق اصفہان میں تھا ہم اس کتبخانہ کے حالات آگے چلکر بالاختصار بیان کرینگے لیکن

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۷۲ [2] اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱

اسوقت سوال یہ ہے کہ مسلمان اگر اس کتبخانہ کو برباد کرنا چاہتے بھی تو کیونکر برباد کر سکتے تھے۔ اگر یہ اعتراض حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے ہم باور کر لیتے کہ شاید فتوحات کے عام جوش میں اس خزانۂ علوم پر بھی کوئی آفت آگئی ہو مگر جب ہم کو یہ معلوم ہوجاتا کہ اصفہان کیونکر فتح ہوا تو اصل حقیقت کھل جاتی سنہ ۱۹ھ میں جب اسلامی فوج اصفہان کی طرف بڑھی تو اسوقت وہاں کا گورنر قاذوسقان نامے ایک افسر تھا جس نے مسلمانوں کے امیر العسکر (کمانڈر) حضرت عبد اللہ بن بدیلؓ سے کہا اس سے کیا فائدہ ہو گا کہ دونوں طرف سے خون کا دریا بہے آؤ صرف ہم تم باہم لڑیں جو غالب آئے وہی فاتح تسلیم کیا جائے چنانچہ مقابلہ ہوا اور عبد اللہؓ بن بدیل غالب آئے آخرکار قاذوسقان نے اس شرط پر صلح کر لی کہ "جسکو مسلمانوں کی حکومت پسند ہو جزیہ دیکر ذمیانہ حقوق حاصل کرے اور رہے اور جسے ان کی حکومت ناپسند ہو اپنا اسباب لے کر جہاں جی چاہے چلا جائے" چنانچہ تیس آدمیوں کے علاوہ تمام مرد و زن نے نہایت خوشی کے ساتھ مسلمانوں کا سایۂ عاطفت قبول کیا۔ عہد نامہ میں یہ شرط بھی تھی کہ مسلمان ان کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور اسکے عوض میں اہل اصفہان کو جزیہ دینا ہوگا اور ان کے مال و اسباب جان و مذہب سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا[1]۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مسلمان یہاں کے کتب خانہ کو کیونکر غارت کر سکتے تھے جب تمام مورخین کو یہ تسلیم ہے کہ اوائل اسلام میں عموماً اور حضرت عمر کے عہد میں خصوصاً جب مسلمان کوئی معاہدہ کر لیتے تھے تو اُسپر ضرور عمل کیا جاتا تھا۔ کہندژ[2] کے علاوہ ایران میں کسی قدیم کتب خانہ کے موجود ہونے کا گمان ہو سکتا ہے تو وہ جُندی سابور میں ہو سکتا تھا

[1] معجم البلدان باب الالف صہ ۵۳ نوی سنی ۹۳ زاقلعہ

مگر جندی سابور بھی سنہ ۱۹ھ میں انھیں حضرت عبداللہؓ بدیل کے ہاتھوں پر بغیر ایک قطرۂ خون گرے مفتوح ہوا[۵۴] عہد نامہ میں یہ شرط تھی کہ اسلحہ حرب کے علاوہ اہل جندی سابور کے مال سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا۔ پھر ان واقعات کے ہوتے ہوئے کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ ایران کے علوم و فنون کو مسلمانوں نے حضرت عثمان کے حکم سے برباد کر دیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایران کے معارف علمیہ کے تباہ کرنے کا جو الزام دیا جاتا ہے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے

(۲)

خلافت راشدہ کے بعد بنی امیہ کی حکومت قائم ہو گئی اس زمانے میں ان علوم کے تباہ ہونے کا کوئی مورخ قائل نہیں ہو سکتا خالد بن یزید ہی کے وقت سے مسلمانوں کو دوسری اقوام کے علوم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو چکا تھا حجاج بن یوسف کے زمانے تک عراق کا دفتر فارسی میں تھا ۸۰ھ میں فارسی سے عربی میں منتقل کیا گیا۔ اب ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ دفتر نقل کرنے میں کن کن فنون کو عربی میں نقل کرنے کی ضرورت پڑی ہو گی مثلاً عراق کا دفتر اسی لیئے فارسی میں رکھا گیا تھا کہ اہل عرب حساب و کتاب سے بالکل ناواقف تھے پس جب یہ دفتر عربی میں منتقل کیا گیا ہوگا تو بقدر ضرورت علم الحساب بھی عربی میں منتقل کیا گیا ہوگا نیز اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک بہت سے مسلمان فارسی لٹریچر سے واقف ہو گئے تھے انھیں آسانیوں کی وجہ سے ولید بن ہشام کے عہد میں فارسی زبان سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لیے ایک باقاعدہ دفتر تراجم قائم کیا گیا جس کا سکرٹری یا رئیس المترجمین جبلہ بن قاسم تھا اس نے اور لوگوں کی مدد سے بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے اسی زمانے میں فارس کی ایک عجیب و غریب کتاب کا ترجمہ کیا گیا یہ کتاب ایران کے

[۵۴] معجم البلدان باب الجیم ۱۲

تمدن کی ایک مکمل مفصل تاریخ تھی اسمیں ہر بادشاہ کی مکمل سوانحعمری اور اُسکی تصویر دے کر اسکی وضع، قطع، اخلاق و عادات سے بحث کی گئی تھی، ہر زمانے کے قانون میں جو کچھ ردو بدل ہوتا رہا علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت میں مندرج تھا۔ ایران کی تمام عمارتوں کی مختصر تاریخ، انکے علوم و فنون، انکی صنعت و حرفت سبکو ایک ایک کرکے علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت میں لکھا تھا مسعودی کا بیان ہے کہ اسنے خود اپنی آنکھوں سے اس کتاب کو اصطخر کے کتب خانہ میں دیکھا مورخ مسعودی کا خیال ہے کہ جسقدر کتابیں قدیم فارسی میں موجود ہیں اُن میں سے کوئی کتاب اس سے زیادہ مبسوط و مفصل نہیں ہے[1]" ان واقعات کے معلوم ہونے کے بعد ہمیں امید کرنی چاہیے کہ ناظرین اس نتیجہ تک پہنچے ہونگے کہ مسلمانوں نے جنکو علوم سے اسقدر ذوق تھا ایران کی بیش بہا دولت یعنی وہاں کے معارف علمیہ کو ہرگز ضائع نہ ہونے دیا ہوگا۔

بنی امیہ کے بعد بنی عباس کا زمانہ آتا ہے ابو العباس سفاح نے بہت کم مدت حکومت کی اسکے بعد منصور خلیفہ ہوا، اسکو فارسی علوم کے ساتھ جسقدر شغف تھا محتاج بیان نہیں ہے منصور پر عجمی مذاق اسقدر غالب تھا کہ ہربات میں وہ اہل عجم کا تتبع کرنا چاہتا تھا دربار کا عام لباس بھی اس نے وہی اختیار کیا جو فارسیوں کا قومی لباس تھا، ایرانیوں کو اپنے دربار میں اس رتبہ تک پہنچایا کہ خود عرب ان پر رشک کرنے لگے، اگرچہ سیاسی حیثیت سے یہ طرز عمل بہت خراب تھا مگر حسن اتفاق سے جن لوگوں کو منصور کے دربار میں رسوخ حاصل تھا وہ ارباب فضل و کمال تھے اور علم کا ذوق رکھتے تھے چنانچہ اس عہد میں طب و فلسفہ کی جسقدر نادر کتابیں دستیاب ہو سکیں مہیا کیں اور انکا عربی میں ترجمہ کرایا

[1] مروج الذہب المسعودی ۱۲

طب و فلسفہ تو خیر کارآمد علوم تھے اسی زمانے سے ایرانیوں کے قصص و افسانے بھی ترجمہ کیے جانے لگے، برزویہ نوشیرواں کے مشہور اطبا میں سے تھا، سب سے پہلے اس نے فارسی میں کلیلہ دمنہ کا سنسکرت سے ترجمہ کیا، یہ کتاب انھیں ایرانی النسل درباریوں کے ذریعہ سے منصور کو مل گئی جسکا نہایت کدوکاوش سے عربی میں ترجمہ کیا گیا۔[1]

مامون الرشید کو فارسی علوم سے ایک خاص تعلق تھا کیونکہ ان کی طرف سے وہ خاص ایرانی النسل تھا، شہزادگی کے زمانے میں مرو میں قیام رکھتا تھا اس زمانے میں اسپر مجمیت اسقدر غالب تھی کہ ہمیشہ صرف فارسی زبان کی کتابیں پیش نظر رکھتا تھا اسوجہ سے فارسی زبان کی تصنیفات کثرت سے مہیا ہو گئیں عباسیین کی حقیقی ترقی و عروج کا زمانہ وہ تھا جب برامکہ وزارت کے پردہ میں خلافت کا کام انجام دے رہے تھے۔ یہ خاندان خالص ایرانی تھا اور اسے اپنے خاندانی معارف علمیہ سے انتہا درجہ کا عشق تھا مزید براں برامکہ کے ہاتھ جسقدر فیاض واقع ہوے تھے دنیا اسکی نظیر پیش نہیں کر سکتی، اسلیے ان کو جسقدر کتابوں کا پتہ چل سکا دارالخلافت بغداد میں منگا کر انکا فارسی سے عربی میں ترجمہ کرایا۔

فارسی تصنیفات سے جو فرقہ سب سے زیادہ واقف تھا وہ شعوبیہ تھا، یہ ایک عجمی گروہ تھا جو عرب کی مذمت اور عجم کی مدح کرنا نہایت ضروری امر خیال کرتا تھا، جب سلطنت کو معلوم ہوا کہ یہ فرقہ عجمی علوم سے خوب واقف ہے تو خلیفۂ وقت ہارون نے انکو اپنے دربار میں باریابی کا موقع دیا چنانچہ بیت الحکمۃ بغداد میں فارسی کتابوں کے دفتر تراجم کا سکرٹری علان شعوبی مقرر کیا گیا، اس عہد میں غیر قوموں کے معارف علمیہ نقل کرنے کے لیے ایک باقاعدہ دائرۃ المعارف یا بیت الحکمۃ قائم ہو چکا

[1] طبقات الاطبا ۱۲

جسمیں بہت بڑے بڑے علما و فضلا اسلیے مامور تھے کہ دوسری زبانوں سے نایاب و نادر کتابیں جمع کر کے عربی میں انکا ترجمہ کریں چنانچہ فضل ابن نوبخت، عبداللہ ابن المقفع جو ایک مشہور ادیب بھی ہے، یوسف بن خالد، موسیٰ ابن خالد، علی ابن زیاد، حسن ابن سہل، محمد بن یحییٰ بلاذری، جبلہ بن سالم، موسیٰ ابن عیسیٰ کردی، زادویہ صفہانی، محمد ابن بہرام، بہرام بن مردان وغیرہ ائمہ فن صرف فارسی علوم کا ترجمہ کرنے کے لیے ملازم تھے۔

مسلمانوں نے فارسی علوم کی تحصیل و حفاظت میں جو کوشش کی اس کا اس سے زیادہ کیا ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ خود منصور کے پوتے ابراہیم بن مہدی[1] نے فارسی علوم میں اچھی مہارت حاصل کر لی تھی، ابراہیم کی ماں طبرستان کی ایک خاتون تھیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ابراہیم نے فن موسیقی میں کتاب الغنا ایک مستقل کتاب تالیف کی تھی اس زمانے میں ہندوستانی علوم کا اسقدر ترجمہ ہو چکا تھا کہ فن موسیقی میں ایک مستقل کتاب اور وہ بھی ایک شاہزادہ لکھ سکتا بس اس نے یقیناً یہ فن اپنے ننہال والوں سے سیکھا ہوگا۔ اس نے مذاق میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ادب ابراہیم تھا[2]۔

(باقی آیندہ)

جلال ندوی

رباعی

حضرت رسا ہمدانی گیاوی

آہنگ عزا ہے نغمہ خوانی میری ترتیب کے پھول گلفشانی میری
احباب میں ہوں بدنام رسا سنتا ہے بھلا کون کہانی میری

[1] کتاب الفہرست لابن ندیم۔ [2] فہرست ابن ندیم۔

طبیعت

جسطرح انسان کو زندگی میں لیاقت سے فتحیابی ہوتی ہے اُسی طرح طبیعت سے بھی کامیابی ہوتی ہے۔ انسان کی دنیاوی کامگاری اور آسودہ حالی خاصکر اسپر منحصر ہے کہ اُسکے مزاج میں تحمل و استقلال اور بردباری ہو اور اُن لوگوں کے ساتھ عنایت و مہربانی کی جائے جو اُسکے گرد و پیش جمع رہتے ہیں۔ فلاطون کا یہ قول فی الحقیقت بہت صحیح ہے کہ جو لوگ دوسروں میں خوبیوں کے جویاں رہتے ہیں خود اُن میں بھی عمدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض طبیعتیں خوبیوں سے اس درجہ مملو ہوتی ہیں کہ وہ کل چیزوں کو بھلائی کی نظر سے دیکھتی ہیں اور کیسی ہی بڑی تکلیف کیوں نہو لیکن وہ اُن سے راحت و اطمینان کے نتایج مستخرج کرتی ہیں چاہے آسمان پر کیسا ہی ابر سیاہ محیط ہو لیکن اُنھیں آفتاب کی روشنی میں جو چمک ہوتی ہے وہ ضرور نظر آجاتی ہے۔ گو آفتاب نہ دکھلائی دے لیکن وہ اس خیال سے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ آفتاب ضرور ہے۔

اس قسم کی طبیعت پر لوگ حسد کرتے ہیں کیونکہ اُنکی آنکھوں میں ایک ایسی شعاع ہوتی ہے جسکی روشنی میں خوشی۔ راحت کامگاری اور مذہبی مسرت نظر آتی ہے۔ آفتاب کی چمک گویا اُن کے دلوں کے قریب ہے اور جو کچھ کہ گرد و پیش نظر آتا ہے وہ گویا خود اُنکی دماغی روشنی ہے۔ جب اُنھیں کسی قسم کی دقت پیش آتی ہے تو وہ اُس سے نہ گھبراتے ہیں نہ اُسکی شکایت کرتے ہیں اور نہ فضول گریہ وزاری کرتے ہیں بلکہ نہایت بشاشت سے اُسکو برداشت کرتے ہیں اور دلیری سے کامیابی کی کوشش کرتے ہیں جسکا لازمی نتیجہ یہ

ہوتا ہے کہ وہ اپنے دامن تمنا کو گل مراد سے بھر لیتے ہیں۔
یہ بڑے دانشمند اور عالی دماغ آدمی کا کام ہے کہ وہ بُرائیوں کی ظلمت سے بھلائی کی تجلی کو دیکھکر تعجب کرے یا حالت فلاکت میں وہ اپنی آئندہ فلاح کی امید قائم کرے یا دکھ درد میں وہ اپنے محنت کے ذریعوں کو پہچان لے۔ یا تکلیف و مصیبت و رنج و غم میں وہ اپنے میں استقلال اور دلیری علم و ادراک پیدا کرے
جب جرمی ٹیلہ کی کل دولت و ملکیت چھین لی گئی اور مال و اسباب سب ضبط کر لیا گیا اور وہ مع اپنے خاندان کے نکالدیا گیا تو باوجودیکہ وہ ایسی مصیبت کی حالت میں گرفتار تھا لیکن ایسے وقت میں جو مضمون اُسنے لکھا نہایت قدر کے قابل ہے۔ وہ کہتا ہے "اگرچہ برباد کرنے والوں نے میری معاش و جائداد کل ضبط کر لی اور کوئی چیز میرے پاس باقی نہ رہنے دی۔ لیکن تاہم اُن لوگوں نے میرے واسطے آفتاب و مہتاب۔ زمین و آسمان کو چھوڑ دیا ہے۔ میری بی بی کو میرے پاس رہنے دیا ہے۔ میرے بہت سے دوست ایسے موجود ہیں جو میرے حال پر ترس کھاتے ہیں اور مدد کے واسطے حاضر ہیں۔ اور اب بھی میں اون چیزوں کی فہرست پیش کر سکتا ہوں جو کہ مجھ سے نہیں چھینی گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔ یعنی میری دلجمعی۔ میری دلیری اور کانشنس اُن لوگوں نے خدا کی مذاقی۔ کتاب مقدس کے وعدے اور آخرت کی امیدیں میرے واسطے چھوڑ دی ہیں۔ بہرکیف میں اب بھی کھاتا ہوں۔ پیتا ہوں سوتا ہوں پڑھتا ہوں اور غور کرتا ہوں۔"
اگرچہ زندہ دلی ایک پیدائشی بات ہے لیکن تاہم جسطرح اور عادتوں کی درستی ہوتی ہے اُسی طرح اسکی بھی تربیت ہو سکتی ہے۔ ہمکو اختیار ہے کہ چاہے ہم اپنی زندگی خوش اسلوبی سے بسر کریں یا بد اطواری سے ضائع کریں ہمارا یہی

اوپر منحصر ہے کہ اُس سے عیش وعشرت حاصل کریں یا تکلیف وصعوبت پیدا کریں۔ طرز زندگی کی تقسیم دو طرح پر ہے جسے ہم اپنی خواہش کے مطابق پسند کر سکتے ہیں خواہ تاریک خواہ روشن۔ ہم انتخاب کر سکتے ہیں اور اپنی قوت ممیزہ کو درست کر سکتے ہیں جس سے ہم میں زندہ دلی کی صفت پیدا ہو جائے یا برعکس اسکے بالعوض اسکے کہ ہم اپنی طبیعت کو تیرگی کی طرف مائل کریں ہم اپنے مزاج میں اس امر کی تحریک پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ مادہ ضیائی کی جانب متوجہ ہو۔ علاوہ اسکے کہ زندہ دلی سے آرام وآسایش کے ساتھ زندگی بسر ہوتی ہے اس سے چال و چلن کی بھی حفاظت ہوتی ہے۔ اس سے طبیعت میں رونق وصفائی ہوتی ہے یہ تحمل اور دانشمندی کی بنیاد ہے۔ ڈاکٹر مارشل نے اپنے بیماروں سے کہا کہ جملہ امراض کی قوی التاثیر دوا زندہ دلی ہے۔ اور سالومن کا قول ہے کہ زندہ دلی کا ایسا ہی عمدہ اثر ہوتا ہے جیسا دوا کا۔ جب لوتھر سے افسردگی کا علاج پوچھا گیا تو اُس نے جواب دیا کہ زندہ دلی اور دلیری ہے جو بوڑھے جوان حزین وغمگین سب کے واسطے یکساں مفید ہے۔ باوجودیکہ لارڈ پامرسٹن ایک ضعیف اور سن رسیدہ آدمی تھا لیکن آخر وقت تک مستعدی سے کام کرتا رہا اسکی یہی وجہ ہے کہ وہ زندہ دل اور مستقل مزاج تھا۔ اُس نے اپنے میں تحمل و برداشت کی ایسی عادت پیدا کر لی تھی کہ سخت وناملائم الفاظ سُن کر بھی اُسے غصہ نہیں آتا تھا۔ ہومر۔ ہوریس۔ ورجل۔ جان ملٹن۔ شکسپیر اور کرونٹیس کی سوانحعمری کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بڑے زندہ دل تھے۔ اسی طبقہ میں لوتھر مور۔ بیکن۔ ڈنفل۔ مکالی کا بھی شمار ہے کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ کام میں مشغول رہتے تھے جسکے باعث ان کا دماغ مفرح وشگفتہ رہتا تھا۔ ملٹن جو طرح طرح کی تکلیفات ومکروہات میں گرفتار رہا تاہم ایک زندہ دل آدمی تھا

اندھے ہونے کی وجہ سے اگرچہ اُسکے دوستوں نے اُس سے ترک رفاقت کر دی اور گو وہ ایک ایسی مصیبت کی حالت میں گرفتار تھا کہ اُسکے آگے تاریکی اور اُسکے پیچھے خطرے کی آواز تھی لیکن تاہم اُس نے اپنی ہمت و دلیری نہیں چھوڑی۔ ڈاکٹر جانسن کا مقولہ ہے کہ جسقدر آدمی کا سن بڑھتا جاتا ہے اُسیقدر وہ اچھا ہوتا جاتا ہے۔ گویا طبیعت کا اطلاق عمر کے ساتھ ہے۔ اگرچہ یہ خیال نوع انسان کی زندگی پر منطبق ہے لیکن لارڈ چسٹر فیلڈ کی رائے ہے کہ عمر کے ساتھ انسانی طبیعت کی درستی میں ترقی نہیں ہوتی بلکہ روز بروز سخت ہوتی جاتی ہے اور زندگی کے لحاظ سے دونوں اصول صحیح ہیں کیونکہ طبیعت کی جسکا انسان ہر حالت میں محکوم و مطیع ہے اگر قواعد و تجربہ اور خود اختیاری کے ساتھ تربیت کی جائے تو عمدگی ظاہر ہوگی نہ کہ خرابی۔ سر والٹر اسکاٹ ایسا رحمدل اور نرم مزاج آدمی تھا کہ ہر شخص اُس سے محبت کرتا تھا وہ کپتان باسل ہل کے لڑکپن کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے جس سے اُس کی طبیعت کی نرمی ظاہر ہوتی ہے۔ کپتان نے ایک کتے کو جو اُسکے پاس آ رہا تھا ایک پتھر کھینچ مارا۔ جس سے کتے کے پاؤں میں سخت چوٹ آئی لیکن بہر کیف کتے میں اتنی طاقت تھی کہ وہ اُسکے پاس آیا اور پاؤں چاٹنے لگا۔ کتے کے اس فعل سے کپتان کو نہایت ندامت و پشیمانی ہوئی۔

ابازٹ جو ایک فلسفی تھا اُسکے تحمل و استقلال کی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ اُس نے ستائیس برس کی محنت میں مقیاس الہوا کے قواعد مرتب کیے تھے اور اُن اصولوں کو روزانہ ایک کاغذ پر قلمبند کرتا جاتا تھا۔ اور جسقدر اُسکو روز بروز جدید تجربے ہوتے جاتے تھے اُنکو بھی کاغذ پر لکھتا جاتا تھا۔ ایکمرتبہ اُسکے خدمتگار نے مکان صاف کرانا شروع کیا اور اپنی مستعدی دکھلانے کے لیے

اپانٹ کے کمرے میں جو چیز تھی اُسکے کاغذات بھی درست کیے۔ اور جو اجزا کہ لکھے ہوے تھے اُنھیں اُٹھا کر علیٰحدہ کر دیا اور بجاے اُسکے نئے کاغذ رکھ دیے۔ جب اپانٹ کمرے میں داخل ہوا تو اُس نے دریافت کیا کہ مقیاس الہواکے جو کاغذات تھے وہ میز پر سے کیا ہوئے۔ خدمتگار نے جواب دیا چونکہ وہ بالکل ردی تھے اسوجہ سے میں نے اُنھیں جلا دیا اور بجاے اُنکے صاف وسادے کاغذ رکھ دیے۔ اپانٹ نے یہ سُن کر ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ ستائیس برس کی محنت سے جو نتیجہ حاصل کیا گیا تھا اُسکو تم نے غارت کر ڈالا۔ اور نہایت آہستگی سے صرف اُس سے یہ کہا کہ آیندہ سے اس کمرے کی کوئی چیز مت چھوا کرو۔

علم طبیعات کی تحصیل میں ایک غیر معمولی طور پر زندہ دلی اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے اور اکثر تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ دوسرے فنون کے ماہروں کی نسبت علم طبیعات کے ماہروں کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء کی فہرست سے جسمیں ماہران علوم طبیعات کی عمر مندرج ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے چودہ آدمیوں میں سے دو کی عمر نوّے برس سے زیادہ تھی پانچ کی اسّی برس سے زیادہ اور دو کی ستّر برس سے زیادہ ہیں اوسط نکالنے سے ہرایک کی عمر پچھتر برس کی ہوتی ہے۔

زندہ دلی کی اصل بنیاد محبت وتحمل ہے۔ کیونکہ اس سے دوسروں کے دلوں میں بھی الفت پیدا ہوتی ہے۔ راجرس (شاعر) ایک لڑکی کا قصہ بیان کرتا ہے کہ جو شخص اُس لڑکی سے واقف تھا اُسے عزیز رکھتا تھا چنانچہ بعض آدمیوں نے اُس سے پوچھا کہ تم سے لوگ کیوں محبت کرتے ہیں اُس نے جواب دیا کہ اسکی یہی وجہ ہے کہ میں خود بھی لوگوں سے الفت رکھتی ہوں۔ یہ مختصر قصہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ہم دوسروں کے ساتھ اخلاق ومہربانی سے

برتاؤ کرینگے تو وہ بھی ہم سے الفت و محبت کے ساتھ پیش آئیں گے۔

فی الحقیقت دنیا میں مہربانی کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ لی ہنٹ نے بہت ٹھیک کہا ہے کہ جسمانی قوت میں مہربانی کے مقابلہ میں نصف تاثیر بھی نہیں ہے۔ اور ایک انگریزی ضرب المثل ہے کہ بہ نسبت سرکے کے شہد سے بھڑوں کی زیادہ تعداد پکڑی جائے گی۔

مہربانی صرف بخشش پر منحصر نہیں ہے بلکہ اسکی بنیاد نرمی اور طبیعت کی فیاضی پر ہے۔ انسان روپیہ تھیلی سے نکال کر دیتا ہے لیکن مہربانی نہ کرنے سے طبیعت کے اندرونی جوش سے باز رہتا ہے روپیہ دینے سے جو مہربانی ظاہر کی جاتی ہے وہ چنداں اثر پذیر نہیں ہوتی بلکہ جسقدر بھلائی کی اُمید ہے اُتنی ہی بُرائی کا بھی خیال ہے لیکن ہمدردی کے ساتھ جو مہربانی یا توجہ کے ساتھ مدد کی جائے ممکن نہیں کہ اُسکا کوئی عمدہ نتیجہ نہ ظاہر ہو۔

خودستائی۔ وہم اور خودغرضی انسان کی زندگی میں نہایت خرابی پیدا کرتی ہیں۔ اور گو قدرتی طور پر یہ باتیں ہوتیں ہیں تاہم ہمیشہ خیال کرنے سے اسکی ایک صورت قائم ہوجاتی ہے۔ خودستائی قریب قریب کفر کے ہے کیونکہ اس سے اپنی خواہشات و خیالات و توجہات کل اپنی ہی جانب رجوع ہوتی ہیں جسکے سبب سے وہ خود اپنے دل میں ایک علحدہ چھوٹا سا خدا قائم کرلیتا ہے۔

بدترین انسان میں سے وہ شخص ہے جو اپنی قسمت سے ناراض رہتا ہے ہمیشہ بُرا بھلا کہے لیکن کبھی اُسکی درستی کی جانب نہ متوجہ ہو۔ اس قسم سے کے شکایت کرنے والے آدمی کبھی اپنی زندگی میں کوئی فائدے کا کام نہیں کرتے اور چونکہ کاہل ہوتے ہیں اس وجہ سے ہمیشہ شکوہ و شکایت کے واسطے مستعد رہتے ہیں

کیونکہ وہی پہیہ خراب سمجھا جاتا ہے جسمیں سے آواز آتی ہے۔

سینٹ ڈی فرنسس کا قول ہے کہ انسان کو ہمیشہ نیکیاں کرنی چاہئیں لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ نیکیوں سے آپ کا کیا مطلب ہے اُس نے جوابدیا کہ تحمل - بردباری - مہربانی - خوش اخلاقی - نرمی - رحمدلی - ہمدردی - عنایت زندہ دلی - اور پھر اُس نے کہا کہ انسان کسی حالت میں ہو لیکن اُس کو نرمی و مہربانی سے کبھی باز رہنا نہیں چاہیے - کیونکہ انسان کی طبیعت کی یہی ساخت واقع ہے کہ وہ غیظ و غضب کا تحمل کرے جس طرح پانی سے آگ کا شعلہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اُسی طرح نرم و ملایم جواب سے غیظ غضب بھی فرو ہو جاتا ہو

برائیوں کی صرف پیشبندی کر لینی ایک طریقہ فتحیابی کا نہیں ہے بلکہ جب کوئی ایسا امر واقع ہو تو نہایت دلیری و مستعدی سے اُسپر عملدرامد کرنا چاہیے - پرتھس نے ایک نوجواں کو جو افسردگی و پژمردگی کی حالت میں تھا نہایت عمدہ نصیحت کی۔

"امید اور اعتبار کے ساتھ اپنا کام شروع کرو" اور پھر اُس نے کہا کہ ایک ایسے شخص کی نصیحت تمہارے دل میں ہے جس نے زمانے کا گرم اور سرد بہت کچھ دیکھا ہے - پس جو کوئی امر واقع ہو جائے تو اُس پر نہایت استقلال اور زندہ دلی سے ثابت قدم رہنا چاہیے۔

زندہ دلی میں تحمل بھی شامل ہے جس سے دنیاوی کاروبار میں کامیابی و کامگاری کی امید ہو سکتی ہے - جارج ہربرٹ کا قول ہے کہ جو شخص اپنی مقصدبراری چاہتا ہے اُسکو صبر کرنا چاہیے۔

آخری اور آسان ترین برکت انسان کے واسطے امید ہے جو عام طور سے ہر شخص کے قبضہ میں رہتی ہے - امید غریبوں کی مددگار ہے اور اسکا دوسرا نام

مفلسوں کی قوت ہے۔

سکندر اعظم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ میکڈن میں تخت نشین ہوا تو اُس نے اپنے باپ کی جائداد کا بڑا حصّہ اپنے دوستوں کو تقسیم کر دیا چنانچہ جب پرڈکاس نے اُس سے پوچھا کہ آپ نے اپنے واسطے کیا رکھا تو سکندر نے جواب دیا کہ میں نے اپنے واسطے افضل ترین مقبوضات میں سے رکھ چھوڑا ہے اور وہ امید ہے (مترجم)

(راقم) طبیعت کی جملہ مسرتیں امید پر منحصر ہیں اور یہ کل محنتوں کوششوں کی بنیاد ہے جملہ امور دنیاوی امید ہی پر منحصر ہیں۔

نرمدا پرشاد ورما عاصی گیاوی

غزل

مت چھیڑو ہمیں ناصح گردوں کو ہلا دینگے
اک طرفہ قیامت سی عالم میں مچا دینگے

مذہب کے تقاضوں نے ملت کو مٹا ڈالا
معشوق خدا جانے کس کس کو مٹا دینگے

صیاد کے تیروں سے دل نے یہ سبق سیکھا
ہم قید میں آہوں سے اک آگ لگا دینگے

منکر وہ خدا سے ہے ہونے دو غنیمت ہے
محشر کے مناظر میں خالق بھی دکھا دینگے

کافی ہے غنیمت ہے گستاخ کی بیباکی
یہ داغ جدا دینگے وہ داغ جدا دینگے

احباب گئے آگے اب اپنا تقاضا ہے
ظلمات کی موجوں میں ہم زہر ملا دینگے

گلچیں کا کیوں شکوہ پھولوں کی شکایت کیا
اک برق نگاہی سے خرمن کو جلا دینگے

کیوں شورش خاطر میں ہوتی ہے لئے انور
ہم ان کو ہنسا دینگے وہ ہم کو رلا دینگے

نذر محمد انور سیالکوٹی

نظارۂ خرابات

(سلسلہ کے لیے اپریل نمبر ملاحظہ ہو)

کعبہ کی راہ چھوڑ کے جاتا ہے تو کہاں — مسلم بسانِ طائرِ گم کردہ آشیاں
آ۔ ورنہ کوئی دم میں مٹا نام اور نشاں — کب سے بلا رہا ہے موذن تجھے یہاں

ہنستے ہیں تجھ پہ بت کہ عجب حق پرست ہے
پیماں شکن ہے بادۂ غفلت سے مست ہے

خاتم وہی ہے جو ہو مرصع نگین سے — ہے عظمت مکاں متعلق مکین سے
دیکھ اپنی گر ہی نظر دوربین سے — پیدا ہو صداے سخن آفرین سے

دل میں متاعِ دین نہ زر تیرے پاس ہے
اسپر بھی پھر جہان میں جینے کی آس ہے

کمبخت کیمیاے سعادت کو کھو دیا — دولت ہوئی نصیب تو دولت کو کھو دیا
آئین حق گزاری و طاعت کو کھو دیا — آئینۂ جمالِ شرافت کو کھو دیا

غیروں کے گھر میں شب گزر آفتاب ہے
اک تو ہی ہے جہاں میں کہ خانہ خراب ہے

پاتا نہیں خیال سراغِ وطن ترا — لے کر بہار اُڑ گیا رنگ چمن ترا
دشمن کی پیروی نے بگاڑا چلن ترا — ناجنس کس طرح ہو شریک محن ترا

گلچین تو کر رہا ہے عیاں اپنے ناز کو
بلبل کے دل سے پوچھ مصیبت کے راز کو

سینچا تھا جسکو خوں سے وہ گلشن اُجاڑ ہے — گلہاے دلفریب کا خرمن اجاڑ ہے
لبریز تھا جو زر سے وہ مخزن اجاڑ ہے — طوطیِ خوشنوا کا نشیمن اُجاڑ ہے

بستاں میں دودِ آتشِ گلخن بلند ہے
ہر جا نواے نوحہ و شیون بلند ہے

تجھسا بھی ہوگا کم کوئی فرزند ناخلف — بیٹھا ہوا گنا کے ہے سرمایۂ سلف

بیرنثار علم تھے وہ نقد جاں بکف — اس بحر کا کہاں ہے شناسا تو بیرکف
دنیا میں باپ اختر برج شرف رہا
بیٹا گہر کو کہو کے مثال صدف رہا

پیش پدر تو فضل و ہنر ہے نہ ہے شرف — فرزند پھر رہا ہے پریشان ہر طرف
ہے چاند سے گہن میں وہ ہے ماہ بے کلف — قیمت میں ہے گوہر رخشندہ پر خزف
وہ صاحب کمال یہ سوئے زوال ہے
تاج مرصع وہ ہے یہ کوڑی کا مال ہے

گا وار ایک دوسرا دارائے شہ نشیں — اک ہے سفال ایک ہے جام جہاں میں
بے آب ان میں ایک ہے اک آب آتشیں — اک آسماں بلندی میں پستی میں اک زمیں
اک نغمہ سنج فتح صراحی بدست ہے
اک جام سے بلند صدائے شکست ہے

بے شک ہے گرچہ نور بہت دور نار سے — محروم ہو نہ رحمت پروردگار سے
دیکھ اپنا عیب چشم تغافل شعار سے — کچھ اب بھی سیکھ گردش لیل و نہار سے
حبل المتیں کو ہاتھ سے اپنے نہ چھوڑنا
اپنوں سے پھر نہ رشتۂ الفت کو توڑنا

عیب و ہنر سے تیرے سروکار کچھ نہیں — کچھ تجھ سے دشمنی نہیں پیکار کچھ نہیں
جز داستان دیدۂ خوں بار کچھ نہیں — تجھ سے اُلجھ پڑا تو خطاوار کچھ نہیں
اس انجمن میں جو ہے وہ بادہ پرست ہے
میں بھی ہوں مست اور مرا ساقی بھی مست ہے

میں بندہ ہوں مجھے نہیں کچھ نام سے غرض — مجھکو نہ تیرے کفر نہ اسلام سے غرض
سرمست کو ہے کیا سحر و شام سے غرض — مینا سے ہے کبھی تو کبھی جام سے غرض
عشرت نہیں جو ساقی فرخندہ پے نہیں
کیا لطف زندگی کا اگر دور مے نہیں

(باقی آیندہ) آغا غلام حسین ارشد

حُسن سعادت

(۶)

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

قیصر کو علیگڈھ آئے بہت روز گذر گئے اس نے لکھنے پڑھنے میں نہایت کوشش اور سعی بلیغ سے کام لیا پروفیسروں اور ممتحن عالموں نے کامیابی کی بہت کچھ امید دلائی ہے وہ تمام دن اور گیارہ بجے رات تک کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتا ہے اسوجہ سے جمیلہ کا خیال نہیں آتا لیکن شب کو سوتے وقت اسکی دلفریب صحبت اور میٹھی میٹھی خوش آیند باتیں یاد آکر بیچین کر دیتی ہیں اور قیصر دیر تک اس پر لطف خیال کے مزے لوٹا کرتا ہے مگر یہ خیال اسے کھلا دیتا ہے کہیں ایسا نہو میری عدم موجودگی میں اماں جان سے ملال کی صورت پیدا ہو جائے اگرچہ جمیلہ بیگم کے خصائل حمیدہ سے کافی امید ہے کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کریں گی جو باعث رنجش ہو لیکن اماں جان کا مزاج انوکھی باتیں اختراع کر کے ایک نہ ایک فساد پیدا کر دینے کا عادی ہے

قیصر کے اندیشہ کی تصدیق بہت جلد اس خط سے ہو گئی جو شکیلہ بیگم نے جمیلہ سے ناراض ہو کر تحریر کیا تھا اس نے لکھا تھا میں تمھیں اپنے حق کی قسم دیتی ہوں اس خط کے دیکھتے ہی اس بلا (جمیلہ) کو میرے گھر سے دفان کرو اس نے میرا جینا دشوار کر دیا ہے تمھارے باواجان نے جب سے اسکی طرفداری کی ہے اپنے آپ میں نہیں ہے بڑے چھوٹے کسی کا لحاظ نہیں جو جو منہ میں آتا ہے کہہ گذرتی ہے۔

قیصر کے سر پر بجلی گرتی تو بھی شاید اتنی حیرت نہو تی جو خط کا مضمون پڑھکر ہوئی کسی کو یقین نہ آتا تھا جمیلہ اتنا جلد بدل جائے گی خط میں ایسا طلسم تھا جسکا حل عقل سے دشوار تھا اسکا دل کسی طرح جمیلہ کے خلاف کوئی لفظ کہنے پر

رضامندی و رغبت نہ ظاہر کرتا تھا لیکن والدہ کے تاکیدی حکم سے سرتابی ممکن نہ تھی اس نے قلم اٹھا کر بجبر و اکراہ وہ خط لکھا جسکی وجہ سے افسر حسین شکیلہ سے خفا ہو کر علیگڈھ روانہ ہوئے۔

خط تحریر کرنے کے بعد سخت فکر میں مبتلا ہوا ہر وقت غمگین رہنے لگا اسے معلوم تھا اس خط سے جمیلہ کے نازک دل کی کیا حالت ہوگی وہ جانتا تھا میں عمداً ایک معصوم پر الزام لگا رہا ہوں اور جو سزا تجویز کی ہے یہ سنگین تر ہے لیکن اس نے اپنی خوشی سے نہیں بلکہ جبراً اور قہراً یہ جابرانہ کارروائی جائز رکھی تھی جس سے منفعل تھا لیکن اپنا حکم واپس لینا یا خفیہ طریقہ سے جمیلہ کو اصلی واقعات کی اطلاع دینا اسکے اختیار سے باہر تھا کیونکہ اسکی والدہ نے یہ بھی لکھا تھا اگر تم نے آج سے کوئی خط جمیلہ کو بھیجا تو میں اپنا دودھ نہ بخشوں گی اسلیے غریب قیصر بالکل مجبور تھا اگرچہ جمیلہ کے کئی خط آئے لیکن وہ جواب نہ لکھ سکا اس کج خلقی کی ندامت نے اسکا کھانا پینا ترک کرا دیا تھا اسکے چہرے سے پژمردگی اور نقاہت نمایاں تھی گو اوقات مقررہ پر کتابوں کا مطالعہ ہوتا تھا لیکن وہ انہماک کہاں کالج کے ملاقاتیوں سے بات چیت کرتا مگر طرز سے پریشانی ٹپکتی اس کایا پلٹ سے اسکے کلاس فیلو متحیر ضرور تھے لیکن سبب نہ معلوم کر سکے ہنوز ہفتہ قریب اختتام تھا کہ افسر حسین بغیر کسی اطلاع کے وارد ہوئے اور قبل اسکے کہ قیصر سے کوئی بات کریں اسکی غلطی پر جو اسنے اپنی والدہ کے لکھنے سے کی تھی سخت نفرین کی اور کہا اسی وقت جمیلہ کو معذرت نامہ تحریر کرو ورنہ قیامت تک میرا دل صاف نہ ہوگا۔

اب قیصر عجیب کشمکش میں تھا اسکے پائے استقلال کو جنبش ہونے لگی اس نے اپنی والدہ کا خط پیش کیا افسر حسین نے اول سے آخر تک پڑھا ایک ایک لفظ پر متحیر ہوجاتا تھا خط تمام کرکے کہا بہتر ہے تم اپنے ہاتھ سے نہ لکھو میں تمہارے

جانب سے جمیلہ کو خط تحریر کرتا ہوں یہ لکھکر ایک خط لکھا جسمیں تفصیل وار کُل واقعات لکھے اور قیصر کی مجبوری پر روشنی ڈالکر عفو تقصیر چاہی آخر میں یہ بھی رقم کیا قیصر خط لکھنے سے مجبور ہے لیکن اپنی بے بسی سے برداشتہ خاطر ہے رات دن خاموش بیٹھا رہتا ہے مگر تم دل میں ذرا بھی پریشان یا متفکر نہ ہونا۔

(۷)

جمیلہ نے میکے آکر قیصر کو آٹھ دس خط لکھے اور ہر خط میں اپنی بیگناہی کا اظہار کیا لیکن کسی خط کا جواب نہ ملا دو ایک خطوں تک تو اس نے دل کو یہ کہکر بہلایا شاید میرے مرسلہ خط وہاں تک نہ پہنچے ہوں گے یا پڑھنے لکھنے سے مہلت نہ ہوئی ہوگی مگر متواتر خطوط روانہ کرنے کے بعد بھی جواب نہ ملنے سے ماتھا ٹھنکا اور یقین ہوگیا ساس کے ساتھ شوہر بھی ناراض ہوگیا یہ خیال روح فرسائی کو کافی تھا وہ سب کی نظریں بچاکر تنہائی میں پہروں رویا کرتی اور عفو تقصیر کی تدبیریں سوچتی لیکن کوئی بات ذہن نشین نہوتی اسی اُدھیڑبن میں کئی ہفتے گذر گئے شباب و امید کا سارنگ زعفرانی ہوگیا عارض مرجھاگئے کٹورا سی آنکھیں نکل آئیں کئی مرتبہ قصد کیا سسرال جاکر روٹھی ہوئی ساس کو منانے کی کوشش کرے لیکن افسر حسین کی ممانعت سے مجبور ہوگئی کسی کام میں دل نہ لگتا تھا ہر وقت مُنھ لپیٹے پڑی رہتی تھی ہمسن لڑکیاں یہ حال دیکھکر غم غلط کرنے کے خیال سے رات دن اسکے پاس بیٹھی رہتیں ہنسی مذاق میں بہلانا چاہتیں لیکن جمیلہ بجائے بہلنے کے زیادہ افسردہ ہوجاتی اگرچہ اخلاقاً انکی باتوں کا جواب دیدیا کرتی کبھی کبھی جھوٹی ہنسی بھی ہنس لیتی مگر پہلو میں دل رویا کرتا۔

ایک روز حسبِ عادت کمرے میں تنہا بیٹھی ہوئی بحر خیال میں شناوری کررہی تھی کہ ماما نے ایک خط دیا اس نے لفافہ پر نظر ڈالی مُہر پڑھی معلوم ہوا علیگڈھ سے

آیا ہے دل کو کسی قدر ڈھارس ہوی مگر یہ معلوم کر کے کہ قیصر کے ہاتھ کی تحریر نہیں ہے خوشی غم سے بدل گئی لا پرواہی سے خط ایک طرف رکھدیا اور اسی طرح عالم خیال میں منہمک ہوگئی تھوڑی دیر بعد کچھ سوچکر خط اُٹھایا لفافہ چاک کر کے عبارت پر نظر ڈالی نگاہوں سے جو جو مضمون گذرتا جاتا تھا چہرے پر بحالی آتی تھی آخر ہونٹوں پر تبسم نمایاں ہوا اور آہستہ سے کہا اخاہ خط نہ آنے کی یہ وجہ تھی جو ابا جان نے تحریر کی ہے اب مجھے کوئی شکایت نہیں واقعی وہ بے قصور ہیں یہ کہکر اسیوقت ایک خط لکھا جسمیں اپنا مطمئن ہونا رقم تھا لفافہ بند کر کے روانہ کردیا وہ دن نہایت خوشی میں بسر ہوا رات کو جب کھانے سے فراغت کر کے کمرے میں سونے کو جارہی تھی اسکی سسرال سے ایک ماما نے آکر اطلاع دی آپ کی امّی جان سخت علیل ہیں صبح تک اچھی تھیں شام کو گردے میں درد کی تکلیف محسوس ہوی اسوقت کسی کروٹ آرام نہیں مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہیں گھر کے نوکر نوکری چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے کوئی مرد موجود نہیں جو حکیم ڈاکٹر بلائے جب سے بڑے میاں باہر تشریف لے گئے گھر کا اور ہی رنگ ہوگیا ہے یہ سُنتے ہی جمیلہ بدحواس اپنی والدہ کے پاس دوڑی گئی کل حال بیان کر کے کہا میں جاتی ہوں آپ کسی حکیم کو بُلوا کر فوراً بھیجے کہاروں کا اڈا قریب تھا جلدی سے چوپہلا لگایا گیا جمیلہ سوار ہوکر سُسرال پہنچی دیکھا گھر پر بیرونقی چھائی ہے ہرطرف کوڑا کرکٹ جمع ہے ایک کمرے میں اسکی خوشدامن پلنگ پڑی ہوی درد کی تکلیف سے کراہ رہی تھی درد اُٹھے گھنٹوں سے زیادہ نہوا تھا لیکن صورت سے ہفتوں کی بیمار معلوم ہوتی تھی یہ حالت دیکھکر جمیلہ نے سمجھ لیا افسر حسین کے جانے سے اسے کسقدر صدمہ پہنچا وہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ دبانا شروع کیا۔

درد کی تکلیف معمولی نہ تھی جو شکیلہ بیگم جمیلہ کو پہچان سکتی وہ اسی طرح کراہتی

تھوڑی دیر میں حکیم صاحب کے آنے کی اطلاع ہوی جمیلہ کے والد نے پردہ کرا یا حکیم صاحب تشریف لائے مریضہ کی نبض دیکھی نسخہ لکھا اور کچھ تسلی آمیز باتیں کر کے رخصت ہوے جمیلہ کے والد خود جا کر دوائیں لائے جمیلہ نے انھیں جوش کر کے چھنایا اور حسب ہدایت استعمال کرایا گھنٹہ بھر میں کچھ سکون واقع ہوا مریضہ نے آنکھیں کھولیں جمیلہ کو پہلو میں بیٹھے دیکھا لیکن پہچان نہ سکی کیونکہ اسے اتفاقیہ واقعہ نے بہت لاغر کر دیا تھا اگلا سا رنگ و روپ باقی نہ تھا تھوڑی دیر میں پہچان کر شکیلہ اپنے کیے سے پشیمان ہوی اور فرط خجالت سے آنکھیں بند کر لیں یہ پہلا موقع تھا جب جمیلہ کی فرمانبرداریوں نے شکیلہ کے دل پر پورا اثر کیا وہ بستر علالت پر پڑے پڑے خدا سے خود کردہ غلطیوں کی عذرخواہ تھی دل میں صفائی کا نور ضیا بار تھا اس نے خلوص دل سے خدا کو درمیان میں دے عہد کیا کہ آئندہ ان حرکات ناشائستہ کی مرتکب نہ ہوگی وہ اپنی بری خصلتوں کو چھوڑنے پر نہایت استقلال سے آمادہ تھی۔

جمیلہ اسکی خاموشی کو غشی سمجھ کر پریشان ہو گئی مڑ کر دیکھا تو کمرے میں بجز ایک ماما کے کوئی نہ تھا کیونکہ سب عورتیں بدمزاجیوں کی تاب نہ لا کر بھاگ گئیں تھیں وہ خود اٹھی الماری سے کیوڑے کی بوتل نکالی اور مریضہ کے منھ پر چھڑک کر پنکھے کی ہوا دینے لگی اس خالص برتاؤ نے شکیلہ پر گہرا اثر کیا اس نے آنکھیں کھول کر دونوں ہاتھ پھیلا دیے مطلب سمجھ کر جمیلہ سینے سے چمٹ کر رونے لگی تھوڑی دیر تک دونوں دل کی بھڑاس آنسوؤں کے ذریعہ سے نکالا کیے پھر مریضہ نے ناتوان آواز سے کہا۔

شکیلہ بیگم۔ بیٹا میں نے تمھیں اپنی بدمزاجی سے بہت تکلیف پہنچائی جسکی ندامت آنکھیں چار کرنے کی روادار نہیں تمھاری جگہ اگر دوسری لڑکی ہوتی تو زندگی بھر

ایسی ساس کی صورت نہ دیکھتی لیکن تم فرشتہ ہو جو مجھ سے ابتک صفائی برتتی ہو میرا رویاں رویاں تمھارا ممنوں احسان ہے اگر تم میرے گذشتہ گناہوں کو معاف کر کے سینے سے غموں کی بھاری سل ہٹا دو تو میری زندگی ہو جائے۔

جمیلہ۔ ہاتھ جوڑ کر، امی جان آپ کیا فرماتی ہیں ہر بزرگ چھوٹوں کو تربیت کرتا ہے میری عزت صرف اسی میں ہے کہ آپ کے قدموں پر پڑی رہوں اتنے دن قدموں سے جدا رہ کر زندگی تلخ ہو گئی تھی شکر ہے جو دوبارہ پھر قسمت نے انھیں مبارک قدموں پر لا ڈالا۔

شکیلہ بیگم۔ جمیلہ مجھے زیادہ خجل نہ کرو۔

جمیلہ۔ بات کاٹ کر، آپ زیادہ بات نہ کریں تھوڑا آرام فرمایئے کہیں ایسا نہ ہو موذی درد پھر اُٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کی طبیعت بےچین ہو شب بخیر صبح کو باتیں ہوں گی۔

(باقی آئندہ)

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

فلسفۂ غزل[1]

چار صد ہر میں جنب سے ہوا نظمی عمل
قدر کے بازار میں ممتاز ہے صنفِ غزل
فکر کے سانچے سے جو اشعار نکلے برمحل
خلعت تحسیں لیا اور ہو گئے ضرب المثل

طبقۂ اعلےٰ میں رہکر اتنے پیارے ہو گئے
آسمانِ نظم کے روشن ستارے ہو گئے

ہے غزل بھی جوہر سیار معنی و بیاں
راز حسن و عشق ہے جسکے مضامیں ہیں نہاں
جسکی بندش سے اثر پاتی ہے شاعر کی زباں
واقعاتِ حال ہوجاتی ہے کہنہ داستاں

دی تسلی جس نے مجنوں کے دلِ ناشاد کو
داد دے کر بھر دیا زخمِ سرِ فرہاد کو

---

[1] یہ نظم سیار کے گذشتہ مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

جسکے دو مصرعوں میں مضمر قوت تقریر حسن جو بتاتے ہیں اثر رکھتے ہیں اتنا تیر حسن
اور جسکے زور سے بڑھتی گئی توقیر حسن معتبر دنیا سے دل میں ہے یہی تفسیر حسن
دفتر جذبات ہے تعبیر خواب عشق سے
حسن کا مطلع ہے طغرا ئے کتاب عشق سے

اے غزل تو نے کیے وہ منتخب الفت نواز حسن کو خود چاہیے جنکی وفاداری پہ ناز
تیرے عالم میں وہی ہے سر بلند و سرفراز پڑ چکی ہے عشق کی جس پر نگاہ امتیاز
روح لے لی استخواں ہائے بیاباں زار سے
پیکر مجنوں کے اجزا چن لیے انبار سے

تو نے محفل گرم کر دی حسن کے اذکار سے دل کو آگہ کر دیا رنگ مزاج یار سے
کام کیا لیتے ہیں لبہائے نزاکت بار سے تیر کی حاجت نہ کچھ مطلب انھیں تلوار سے
ہو کے بے پروا جہان حسن میں کرتے ہیں راج
کس ادا سے خوں بہا دیتے ہیں یہ رنگیں مزاج

تو نے جسدم صفحۂ قرطاس کو رنگیں کیا پھر سے تازہ حسن کا اور عشق کا آئیں کیا
ہجر کی بیچینیوں کو خوگر تسکیں کیا عشق کے ماروں ہوؤں کو خوب یہ تلقیں کیا
کس طرح دل کو وفا کی نذر کرنا چاہیے
جب فلک سے رنج کیونکر صبر کرنا چاہیے

عقل باقی ہے جہانتک وسعت علم نظر حب کا ہر موجود پر ہے مبدء فطرت سے اثر
افضل مخلوق ہی ٹھہرا تو کیا ذکر بشر سنگ کے دلمیں بھی قدرت نے و دیعت کی شرر
عشق کے جوہر سے خالی ہیں تو سب بیکار ہیں
آج انسانی ہیولے جسقدر تیار ہیں

اخگر لکھنوی

غزلیات

حضرت مولانا صفی لکھنوی

نہیں اُٹھتے جہاں صبح جدائی دیکھ لیتے ہیں — اجل کا راستہ تیرے فدائی دیکھ لیتے ہیں
جب اپنی آہ کی بیدست و پائی دیکھ لیتے ہیں — نگاہ یاس سے بام رسائی دیکھ لیتے ہیں
جو نا ممکن وہاں تک ہم رسائی دیکھ لیتے ہیں — در جاناں پہ شوق جبہ سائی دیکھ لیتے ہیں
اُنھیں جب قابل زور آزمائی دیکھ لیتے ہیں — کبھی بازو کبھی ہنسکر کلائی دیکھ لیتے ہیں
یہ کسکا سر دکھا دہ پوچھتے ہیں اپنے درباں سے — جو چوکھٹ پر نشان جبہ سائی دیکھ لیتے ہیں
ہلال عید کہہ دیتے ہیں اُس خود بیں کے ابرو کو — اسی حیلہ سے دم بھر کج ادائی دیکھ لیتے ہیں
فدا کرتے ہیں نقد جان و دل ہم بھی حسینوں پر — مگر اس شرط سے جب پارسائی دیکھ لیتے ہیں
سحر کو آنکھ کھلتے ہی اسیران جنوں تیرے — در زنداں بامید رہائی دیکھ لیتے ہیں
نظر نبض دل انساں ہے اسکے دیکھنے والے — ہر اک دل میں صفائی ناصفائی دیکھ لیتے ہیں
ہمارا دل تبوں کا رخ تماشاگاہ عالم ہے — اسی عینک سے ہم ساری خدائی دیکھ لیتے ہیں

صفی کم فرصتی میں جب غزل کی فکر کرتے ہیں
فقط شعروں میں بندش کی صفائی دیکھ لیتے ہیں

حضرت ارشد تھانوی

حاصل زیست ہے ممنون قضا ہو جانا — زندگانی کا نتیجہ ہے فنا ہو جانا
اسقدر دوزخ و جنت کو سمجھتا ہوں میں — ایک خوش ہونا ترا ایک خفا ہو جانا
کر دیا جادۂ تسلیم سے کوسوں پیچھے — آگیا کیوں مری آہوں کو رسا ہو جانا
ہوش کے ساتھ رہے گی من و تو کی تمیز — بیخودی ہی تو ہے معروق آنا ہو جانا

سبب تازگیِ رونقِ دل ہے ارشد
عالمِ یاس میں مصروفِ دعا ہو جانا

حضرت آرزو لکھنوی

تڑپا جو کوئی سرد نفس کھینچ کر کہیں — خلوت میں جھلملا گئی شمعِ سحر کہیں
چمکا تو کھائے جیب کے قاتل نظر کہیں — گردن رگڑ لوں آپ میں تلوار پر کہیں
اے عشق ہر جگہ تری تاثیر میں ہے فرق — آرام دل کہیں ہے تو دردِ جگر کہیں
تڑپا چمن کے شوق میں کیا قیدیِ قفس — ڈر ہے اکھڑ اکھڑ کے نہ گر جائیں پر کہیں
تم اپنی یاد دے گئے تھے کیا اسی لیے — لِلّٰہ نہ دے قرار مجھے عمر بھر کہیں
تربت میں ہے دریدہ کفن اس گلی میں لاش — ہم ہیں کہیں سفر میں تو رختِ سفر کہیں
آتا ہے اب لگی کا بجھانا اسی طرح — جب دل بھر آیا رونے لگے چھپ کر کہیں
آتے ہی ذکرِ عشق میں پہلے سے رو دیا — ڈر تھا گریں نہ اشک ترے نام پر کہیں
آنکھوں سے نیند دیکھنے والوں کی اڑ گئی — سوتے ہیں اپنا اپنا ٹیک کے یوں تیغ پر کہیں
جب کہتے کہتے تھک گئے خاموش ہو رہے — ہوتا ہے ورنہ قصۂ غم مختصر کہیں
اقرارِ جرمِ عشق میں ہے راستی بڑی — تلوار مار دے نہ وہ ترچھی نظر کہیں
خالی پڑی ہے مجھ کو نشیمن میں ڈھونڈھ کے — بجلی گرے نہ خانۂ صیاد پر کہیں
ہمت کچھ اور لے سرِ شوریدہ چاہیے — زنجیر کھڑکھڑانے سے کھلتا ہے در کہیں
آتا ہے لے اجل تو بس آ وقت ہے یہی — رہتا ہے دل کا درد دو پہر دو پہر کہیں

وہ آرزو چلے گئے منہ دیکھتے ہوئے
حسرت بھری نظر نے دکھایا اثر کہیں

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دل کو محوِ لذتِ آزار رہنے دیجیے — خوش ہے جس حال میں بیمار رہنے دیجیے

کچھ وفا کچھ ظلم کے آثار رہنے دیجیے
خون میں ڈوبی ہوئی تلوار رہنے دیجیے

بیخودی کی قید میں رکھیے مجھے یا محو خواب
دل کو اپنی یاد میں بیدار رہنے دیجیے

شرم آئی کس لیے آئینہ رکھا کس لیے
جسکو دیکھا اُس سے آنکھیں چار رہنے دیجیے

دل میں رہ کر کیجیے گا کیوں علاج زخم تیر
آپ ہیں - تو روزن دیوار رہنے دیجیے

یادگار عشق ہے یہ صحبت تیغ و گلو
اور دم بھر حلق پر تلوار رہنے دیجیے

میں ابھی تک بیخودی کی راہ سے واقف نہیں
ہوش میں ہوں آپ اگر ہشیار رہنے دیجیے

روح و جاں میرے لیے دونوں ہیں ان کی یادگار
آپ جسکو جانیے بیکار رہنے دیجیے

کیوں بجھا کر دیجیے رونے سے شمع قبر کو
ایک کو تو سیہ ماتمدار رہنے دیجیے

آپ یوسف ہیں تو باندھی ہی کمر کیوں قتل پر
کوئی دم تو رونق بازار رہنے دیجیے

روئیے جب تک ہو سوا ثاقب درد دل
آنکھ کو جب تک رہے خونبار رہنے دیجیے

حضرت باسط بسوانی

دیکھتے ہیں دور میں دل تمام کے
دل کے ٹکڑے ہیں کہ ساقی جام کے

ہو گئی صبح قیامت آشکار
رنگ لائے خوب نالے شام کے

پھر گئی ساقی کی پھر چشم کرم
رنگ دیکھو گردش ایام کے

در پہ نالاں ہے کوئی خستہ جگر
دیکھ تو او سونے والے بام کے

دور ہم بیٹھے ہیں اے ساقی مگر
نظریں بوسے لے رہی ہیں جام کے

چارہ گر اب ضعف کا عالم نہ پوچھ
درد دل اُٹھا کلیجا تھام کے

خون دل پیتے ہیں یا خون جگر
اب کہاں دن بادۂ گلفام کے

بلبلوں نے باغ میں گھیرا انھیں
صدقے ہوتی ہیں رخ گلفام کے

اس تڑپنے نے مرے کھویا مجھے
کس گئے کچھ اور حلقے دام کے

ضعف سے کروٹ بدلنا ہے محال یہ بھی دو پہلو گئے آرام کے
میکدے سے دل شکستہ ہم چلے ٹکڑے ہو جائیں نہ ساقی جام کے
جیب ہو جن سے نہ داماں تار تار ٹوٹ جائیں ہاتھ وہ کس کام کے
آج باسطؔ سے کسی نے کہہ دیا
تم سے دیوانے مرے کس کام کے

حضرت خلیقؔ دہلوی

کدورت خاکساروں سے نہ رکھا کر نہ رکھا کر مٹے جاتے ہیں ہم خود ہی تو اپنا دل نہ میلا کر
اشارہ کر کے مژگاں سے نہ عاشق کو بلایا کر خدا کے واسطے ظالم نہ کانٹوں میں گھسیٹا کر
دم تیغ آزمائی دل میں قاتل کچھ نہ سوچا کر کسی کی جان جائے یا رہے تو کچھ نہ پروا کر
کہا یہ پیش داور بھی تو اُس نے مجھ سے دھمکا کر کسی کے روبرو میرا نہ شکوہ کر نہ دعویٰ کر
کہاں تک تجھکو سمجھائیں حسینوں کو نہ چاہا کر تو اتنا اے دل مضطر نہ تڑپا کر نہ تڑپا کر
جن آنکھوں سے ہمارے دشمنوں کو دیکھتا ہے تو اُنھیں آنکھوں سے اے ظالم کبھی ہمکو بھی دیکھا کر
مدیں ابرو ہیں آنکھیں دائرے ہیں خال نقطے ہیں دکھا دو میم بسم اللہ زلفیں اپنی لٹکا کر
تری وہ کونسی ہے بات جو میں نے نہیں مانی ارے ظالم کبھی سن تو ہمارا بھی تو کہنا کر
ہماری انتظار دید میں پتھرا گئیں آنکھیں تو اب اندھوں سے اے پردہ نشیں ہر گز نہ پردہ کر
تری منت خوشامد کرنے سے انکار کس کو ہے فقط ہم سے منا لینے کی خاطر تو نہ روٹھا کر
لگی تو دل کی بجھ جائے اسے یونہی سہی ظالم پلا کر آب خنجر ہی کلیجا میرا ٹھنڈا کر
مرے قاصد سے کیا احوال غم دریافت کرتا ہے گذرتی ہے جو میرے لیے میرے دل سے پوچھا کر
ترے آگے ترے جانباز اپنی جان پر کھیلیں تو اپنے لطف سے بیٹھا تماشا اُنکا دیکھا کر
وہاں جا کر نہ بے پر کی اُڑائے مرغ نامہ بر یہاں سے اُسکو طوطے کیطرح اچھا ہے سمجھا کر
خلیقؔ خستہ خلاقِ سخن سمجھے ہر اک تجھکو
جو ہے معجز بیاں تو بات میں سے بات پیدا کر

ریویوز

شعلہ

دہلی سے ایک ماہواری رسالہ شعلہ نامی کوئی ۷ ماہ سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکے مضامین زیادہ تر تصوف کا رنگ لیے ہوئے ہوتے ہیں اور اس خاص حیثیت میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے بعض مشہور مضامین نگار جو کسی رسالہ یا اخبار میں بلا معاوضہ مضمون نہیں دیتے وہ بھی بعض اوقات اپنے جدت طراز تخئیل کے ساتھ شعلہ کے اوراق میں نمودار ہوتے ہیں اور جہانتک ہمکو معلوم ہے ایسے حضرات کی ہمدردیاں بغیر کسی معاوضہ کے شعلہ کے ساتھ ہیں اور یہ یقیناً شعلہ کے لیے فال نیک ہے۔ شعلہ کے اڈیٹر مولانا سید محمد ناصر صاحب خلف مولانا شاہ سید حمزہ صاحب قبلہ ہیں۔ وہ یقیناً رسالہ کے اتنے تھوڑے عرصہ میں اتنا زیادہ مقبول بنانے میں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ پہلی جلد کے خاتمہ پر ہی رسالہ کی قیمت میں تخفیف کر کے ملک کے اُن غریب ناظرین کو بھی شعلہ سے مستفید ہونے کا موقع دیے سکے جو اسکی ابتدائی قیمت عہ/ نہ دے سکتے تھے۔

شعلہ اپنے موجودہ رنگ میں اگر دوسرے علمی ادبی رسالوں کی شان بھی پیدا کرے تو غالباً اس حالت میں ملک کے تمام افراد کے دلوں میں گرمی پہنچانے میں کامیاب ہو سکے گا اور یہی اسکا دعوٰے اور مقصد ہے۔

افسوس ہے کہ شعلہ اپنی اس چھوٹی سی عمر میں بھی پریس کی بدعنوانیوں سے نہ بچ سکا اور اسکی اشاعت میں چند ان بے قاعدگی واقع ہوگئی تھی مگر شکر ہے کہ مولانا نے اب پھر اسکو وقت کی پابندی کی بندش میں کر لیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۸-۲۲ تقطیع پر ۴۸ صفحوں کے حجم میں شائع ہوتا ہے۔ عوام سے قیمت ۱۲/ ہے۔ نمونے کے لیے ۴ر کے ٹکٹ دفتر رسالہ شعلہ محلہ چوڑیگراں دہلی کے پتے پر روانہ کیجیے۔

النظامیہ

یہ علمی۔ مذہبی۔ تاریخی ماہواری رسالہ ہندوستان کے مشہور دار العلوم یعنی فرنگی محل لکھنؤ سے مولوی صبغت اللہ صاحب شہید انصاری کی اڈیٹری میں پابندی

وقت کے ساتھ شایع ہوتا ہے۔ اسکے مضامین زیادہ تر مذہبی ہوتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جناب شہید صاحب رسالہ کی مقبولیت کے راز کو پہچان کر رسالہ کو مقبول عام بنانے کے لیے کوشاں ہیں چنانچہ النظامیہ کے آجسم پرچے کو ہم اسکے تمام گذشتہ نمبروں پر ترجیح دیتے ہیں اسمیں تمام مضامین نہایت عمدہ اور محنت و قابلیت سے لکھے گئے ہیں اگر ہمارے کرمفرما جناب شہید صاحب نے اسی رفتار ترقی کو جاری رکھا جسکی جھلک انھوں نے آخر نمبر میں دکھائی ہے تو ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ النظامیہ بہت جلد ہندستان کے ممتاز پرچوں میں شمار ہونے لگے گا اور اس کی اشاعت کو بھی قرار واقعی فائدہ پہنچے گا

بعض اوقات النظامیہ میں ایسی خبریں درج ہوجایا کرتی ہیں جو ایک رسالہ کی شان سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔

اسوقت طبقۂ علمار کو جناب شہید کا مشکور رہونا چاہیے کہ انھوں نے فرنگی محل کی شاندار روایات کو قائم رکھنے بلکہ ان میں چار چاند لگانے کے خیال کو مد نظر رکھ کر ایک ایسا رسالہ جاری کیا۔ آیندہ انشاءاللہ بہت سے دوسرے طبقہ بھی حلقۂ ممنونیت میں شامل ہوجائیں گے۔ رسالہ کا حجم ۳٦ صفحہ تقطیع ۲۰-۲٦ قیمت ۸؍ پتہ

11 النظامیہ - فرنگی محل لکھنؤ ہے۔

خونی منظر

اس نام کی ایک کتاب جناب منشی مقرب حسین صاحب مقرب دہلوی نے لکھی ہے اس کتاب میں کربلائے معلے کے واقعات روح فرسا کا اس خوبصورتی اور درد انگیزی سے ذکر کیا گیا ہے جس سے کوئی مسلمان متاثر ہوے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر جس ادبی خصوصیت کو جناب مقرب صاحب نے مد نظر رکھا ہے وہ اسے دوسری کتابوں پر فوقیت دیتی ہے -

ملک میں اس امر کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ امور دینی کو اس قسم کا خوبصورت اور دلچسپ لباس پہنا کر پیش کیا جائے اور اس لیے ہم جناب مقرب صاحب کو

ان کی اس پہلی تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں۔ "تمدن" میں جناب مقرب کے مضامین چھپتے رہتے ہیں اس لیے ناظرین "تمدن" پر زبان کی سلاست و شیرینی خوب روشن ہو سکتی ہے جسکو انھوں نے اپنے اس ؟؟ میں نہایت خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔

کتاب کی لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے حجم ۳۲ صفحہ تقطیع ۱۸-۲۲ یہ خوبصورت کتاب ۴؍ چار آنے قیمت پر ہلالی پریس دہلی سے مل سکتی ہے۔

عطر انتخاب

جناب چودھری رحم علیصاحب الہاشمی متعلم بی۔ اے کلاس کیننگ کالج لکھنؤ آنریری سکرٹری صیغۂ اخلاقی گوکھلے اسٹوڈنٹ برادرہڈ نے الہ آباد یونیورسٹی کے ایف۔ اے اور بی۔ اے کے عربی کورس کے چند عربی قصائد کا منظوم ترجمہ ایک ایک چھوٹی سی ۴۸ صفحہ کی کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے۔ مترجم نے حسان ابن ثابت فرزدق ابن ثالث کے قصائد کو ترجمے کے لیے منتخب کیا ہے۔ ترجمہ بہت محنت اور قابلیت سے کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عام لوگوں کے علاوہ اُن حضرات کے لیے بہت مفید ہے جنھوں نے الہ آباد یونیورسٹی کی اعلیٰ جماعتوں میں عربی لے رکھی ہے۔ کتاب ۲؍ کے ٹکٹ آنے پر مصنف کے پاس کیننگ کالج بورڈنگ لکھنؤ کے پتہ پر مل سکتی ہے۔

ضروری گذارش

"تمدن" بلاطلب جن حضرات کی خدمت میں تنوعتاً یا کسی معزز کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُنکا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی۔ پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ جو حضرات "تمدن" کو قیمتاً نہیں منگا سکتے وہ اگر آخر مئی تک "تمدن" کو چار مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُنکی خدمت میں ایک سال کے لیے تمدن مفت حاضر ہوگا۔ جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُن کے پاس چھ ماہ تک یہ رسالہ مفت حاضر ہوگا۔

ریڈیم ... واچ	ہفت روزہ واچ	ریلوے ریگولیٹر واچ	وائٹ میٹل واچ	انگلش شبٹ سٹ واچ	زنانی چوڑیدار گھڑی
 نمبر ۲۲ گارنٹی ... سال	 نمبر ۶۱ گارنٹی ۵ سال	 نمبر ۵۰ دس روپیہ	 نمبر ۲	 نمبر ۲۲ گارنٹی ۲ سال قیمت ...	 نمبر ۶۹ گارنٹی ۲ سال
نمبر ۲۲ اس گھڑی میں ریڈیم ایسا ... ہے کہ رات کو اندھیرے میں ہندسے اور سوئیاں روشن ہو جاتے ہیں ... ٹائم دیتی ہے چابی وقت دینے میں اعلیٰ گارنٹی ... نکل کیس قیمت سات روپیہ اور قسم اعلیٰ کیس سنہری نقش قیمت نو روپیہ ...	نمبر ۶۱ - اس گھڑی میں آٹھویں روز چابی دی جاتی ہے وقت بہت صحیح دیتی ہے لیور مشین جویلدار فینسی کٹ ڈائل - کیس نکل ... ۱۰ اور سیاہ گارنٹی ۵ سال - قیمت چھ روپیہ نمبر ۶۲ - اصلی چاندی کا منقش ہیرکٹ کیس نہایت درجہ کی فینسی ہفت روزہ چابی کی ... گارنٹی ۶ سال قیمت نو روپیہ ... اور بند کیس ... اعلیٰ چاندی کا کیس گارنٹی ... سال قیمت تیرہ روپیہ	نمبر ۵۰ - ریلوے مارکہ لیور چال مضبوط صحیح ٹائم دینے میں عمدہ نکل کیس قیمت ... نمبر ۵۱ - عمدہ جویلدار نکل کیس قیمت پانچ روپیہ نمبر ۵۲ چاندی کا کیس قسم اعلیٰ لیور مشین فل جویل نہایت درجہ کی مضبوط گارنٹی ۶ سال قیمت ... دس روپے (...) آلارم ولزٹائم پیس نہایت مضبوط صحیح وقت دینے میں اعلیٰ قیمت تین روپیہ	نمبر ۲۵ بند کیس منقش ... چابی کی نہایت خوبصورت ... چال مضبوط صحیح وقت دینے میں لاثانی گارنٹی ۲ سال قیمت چار روپیہ ... نمبر ۲۶ - یہ بھی گھڑی ... کی قیمت پانچ روپیہ عکسی قرآن شریف ... صفحہ ... واسطے تلاوت کے موجود ہے ... روپیہ ...	یہ گھڑیاں نو فیشن انگلش شیپ کی ... اور نہایت ... صحیح وقت دینے والی ہیں گارنٹی ۲ سال نمبر ۲۲ سفید اور سیاہ چار روپیہ آٹھ آنے ... نمبر ۲۳ - چاندی کی چھ روپے ... ڈائل کی ... آپ اندھیرے میں مانند روز روشن کے ٹائم بتلاتی ہے نکل کیس ... اور سیاہ کی قیمت نو روپیہ اور چاندی کی قسم اعلیٰ جویلدار گارنٹی ۶ سال قیمت پندرہ ...	نمبر ۶۹ - یہ گھڑی ایک ... اور چوڑی میں جڑی ہے ... گھڑی اور ... گارنٹی ۲ سال قیمت ... نمبر ۷۰ - موافق نمبر ۶۹ کے ... گھڑی کی چوڑی پر ... قیمت ... روپیہ ...

چوڑیاں ڈائمنڈ کٹ کی ... قیمت ... چوڑیاں ... نہایت نفیس قابل دیکھنے ... چوڑیاں ... گھڑی میں ہے قیمت فی جوڑہ ... ایک روپیہ ... چھاپہ کی ... قیمت ... روپیہ ...

ادبی اور اخباری دنیا میں ظہور معجزہ

ماہواری رسائل نالاں ہیں کہ اشاعت نہیں بڑھتی، پبلک کی شکایت ہے کہ دیکھنے کے قابل کوئی رسالہ ہی نہیں ہے۔

کسی زمانے میں مخزن کی قدر تھی کیونکہ وہ اپنی قسم کا پہلا رسالہ تھا اور اُس سے قبل ایسا کوئی رسالہ نہ نکلا تھا اسکے بعد ایک دور آیا کہ انڈین پریس الہ آباد کے ادیب نے پسندیدگی حاصل کی۔ لیکن اب مخزن ہے نہ ادیب، یعنی نہ معنوی حیثیت سے کوئی ماہوار میگزین دیکھنے کے قابل ہے نہ صورت کے لحاظ سے کسی میں جاذبیت ہے۔ اس بیان میں بہت صداقت ہے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، اچھا اب ولایت کے رسائل کو لیجیے اُن میں ونڈسر پیرسن وغیرہ بہت معروف ہیں۔ کاغذ نفیس، ضخامت کافی طباعت پسندیدہ، تصاویر بہت، مواد دلچسپ، کہا جاتا ہے کہ ویسا ہی رسالہ اگر کوئی اُردو میں جاری ہو تو پبلک قدر کرنے کے لیے آمادہ ہے، اگر یہ صحیح ہے جسکا ہمیں بھی یقین ہے تو آپ صرف ایک کارڈ کے ذریعہ سے ہمیں اطلاع دیں کہ اگر کوئی رسالہ ایسا جاری ہو تو آپ اُسکا دیکھنا پسند کریں گے۔

ہمنے ایک نہایت وسیع پیمانہ پر انتظام کیا ہے کہ ایک ماہوار رسالہ جاری کیا جائے جو تمام حیثیات سے ولایت کے بہترین رسائل کے برابر ہو اور ہندوستان کے تمام رسائل گذشتہ و موجودہ سے اعلیٰ و برتر ہو۔ باعتبار صورت کے آپ ادیب سے مقابلہ نہ کیجیے گا کیونکہ یہ رسالہ اُس سے بڑھا چڑھا ہوا ہوگا اور بلحاظ معنی حسن ترتیب، تنوع مضامین، پاکیزگی لٹریچر وغیرہ آپ ہندوستان کے کسی دوسرے ماہوار رسالہ کا ذکر نہ کیجیے کیونکہ یہ رسالہ ان تمام باتوں میں تمام رسائل سے بہت ارفع ہوگا۔ ضخامت کم از کم ۹ جز کاغذ دبیز اور نہایت چکنا، کتابت از بس پسندیدہ، طباعت بغایت دیدہ زیب، تصاویر کم از کم ایک درجن جن میں دو رنگین اور نقاشی کا بہترین نمونہ ہونگی، مضامین تمام معاوضہ دیکر لکھوائے جائینگے۔ ایڈیٹوریل اسٹاف میں کوئی معمولی قابلیت کا شخص جگہ نہ پائیگا قیمت لعہ سالانہ صہ ششماہی ؏ سہ ماہی فی پرچہ ۹ر ہوگی۔ نمونہ بذریعہ وی پی ایک روپیہ ایک آنہ میں ملے گا اور نقد ۱۲ر میں اس سے زیادہ فی الحال ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے رسالہ خود ہمارے اس بیان کی تصدیق کرے گا۔

منیجر درویش پریس دہلی

نظّارہ

یہی وہ نظارہ ہے جسکی تاب حضرت موسیٰ نہ لا سکے!

یہی وہ نظارہ ہے جسکے پردہ میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں دنیائے علم کے تماشائی کہاں ہیں آنکھیں کھولیں اور اس جام جہاں نما کی سیر کریں۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ ادبی۔ معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کی طرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے۔

اہل نظر نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھیں اور علم کی جیتی جاگتی تصویروں کا جنکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگین میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں تماشا دیکھیں۔

قیمت کچھ بھی نہیں صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہے نمونہ ۵ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

مینجر رسالۂ نظّارہ میرٹھ

شعلہ بھڑکا

اور گذشتہ مہینوں میں اچھی طرح بھڑکا۔ اس نے دلوں میں محبت کی لو لگائی اور اچھی طرح لگائی کامیابی جو پہلے ایک چھوٹی سی چنگاری کی طرح چمکتی تھی۔ اب انگارا نظر آنے لگی۔ اسی لئے ہماری ہمت بھی یہاں تک بڑھی کہ ابھی سے ہم اسکی قیمت گھٹانے کی سوجھی جس سے مطلب صرف اتنا ہے کہ ہمارا شعلہ کم سے کم ہندوستان کی تیس کروڑ آبادی میں تیس ہزار سوختہ دلوں کو آتش حقیقی سے جلانے کے لئے منتخب کرلے۔ اس لئے

اعلان کیا جاتا ہے

کہ جن خریداروں کی درخواستیں ایک مہینہ کے اندر اندر موصول ہوں گی انہیں شعلہ بجائے دو روپیہ آٹھ آنے (عہ/) کے ایک روپیہ بارہ آنہ (عہ/) میں روانہ کیا جائے گا۔
غریب طلباء سے عہ سالانہ بھی لیا جائے گا۔

ایسا شاندار رسالہ اتنی سستی قیمت پر بالکل مفت ہے جو لوگ اپنے دل آتشکدہ منزل کو شعلہ کی نورانی آگ سے جلانا پسند کرتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ

درخواست خریداری

بہت جلد دفتر شعلہ دہلی کے پتہ سے روانہ فرمائیں۔ اور ساتھ ہی اسکی توسیع اشاعت کے لیے بھی چند دوستوں سے فرما کر ہمیں شکر گذاری کا موقع دیں۔

خاکسار

مینیجر رسالہ شعلہ دہلی

اس گرمی کے موسم میں بیماریاں آپکے گھر کے سچے دوست ہیں

وقت پر صلاح

جو دوست ہوتے ہیں وہ خطرہ سے بچنے کے لیے وقت سے پہلے نیک صلاح دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی یہ صلاح ہے کہ موسم گرما آگیا ہے۔ اس موسم میں کھانے پینے کے باعث ہیضہ ہونیکا ڈر رہتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے پہلے ہی ایک شیشی اصلی عرق کافور ڈاکٹر برمن کا اپنے گھر میں ڈال رکھیں جس سے آپ اپنے عزیزوں کی وقت پر حفاظت کرسکیں۔ یہ اصلی عرق کافور ڈاکٹر برمن ۴۰ سال سے تمام ہندوستان میں جاری ہے۔ یہ عرق کافور گرمی کے دست پیٹ کے درد قے کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے قیمت ایک شیشی ۱۲ محصول ڈاک ایک سے ۴ شیشی تک ۵ ۔ ۶ شیشی تک چھ آنہ ۔ اعلانات ہر جگہ دوکانداروں یا دوا فروشوں سے مل سکتی ہیں۔

بدہضمی و بدہضمی کے دست کی ٹکیہ

غذا تحلیل نہ ہونے کو بدہضمی کہتے ہیں۔ جیسے غذا کرنے کے بعد پیٹ کا بھاری رہنا پیٹ میں ریاح ہونا کھٹی ڈکاریں آنا قوت ہاضمہ کے خراب ہو جانے سے ہوتا ہے جب غیر ہضم غذا کھائی جائے تب پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہوتی ہے اور پیٹ پھولتا ہے اور دست ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے جسم کمزور ہو جاتا ہے اور مرض لاعلاج ہو جاتا ہے اس مرض کے ہونے کے اسباب یوں ہیں ضعیفی کا عالم کسی خاص بیماری کے بعد ضعف کا ہونا۔ کم کھانا۔ منی کا بیجا ضائع ہونا۔ زیادہ محنت فکر و تردد یا غم اور ان خرابیوں کی حالت میں جبکہ ہضم کے وقت ہوتی ہے ان باتوں کا غور کرکے ڈاکٹر برمن نے یہ بدہضمی کی ٹکیہ بنائی ہے جس سے غذا تحلیل ہوتی ہے اور بدہضمی کی خرابی کو دور کرنے میں نہایت مفید ہے ٹکیہ کی ایک شیشی قیمت ۸ محصول ڈاک ایک سے ۴ شیشی تک ۵

طاقت بڑھانے والا پھل

کولا نٹ افریقہ کا ایک نہایت قوت دینے والا پھل ہے۔ زیادہ فکر یا محنت کی وجہ سے یا آب و ہوا کی تبدیلی آب و ہوا کے سبب بدن کمزور ہو گیا ہو تو اسکو استعمال کیجیے۔ نئی طاقت پیدا ہوتی ہے ... بڑھاتا ہے۔ پہلے گھوڑے کی سواری پہاڑ کی چڑھائی کشتی کسرت ناچ گانا ... کاموں میں پہلے اسکو استعمال کرنے سے دم نہیں پھولتا ... جاتی ہو اسکو پی لیجے تکان نہیں ہوگا۔ شراب افیون کی عادت کو چھڑانے ... فہرست یا قیمت منگوا کر دیکھیے ... خوراک کی شیشی ایک ... محصول ۵

ڈاکٹر ایس کے برمن تاراچند دت اسٹریٹ نمبر ۵ کلکتہ

جون سنہ ۱۹۱۶ء

تمدن

معاشرتی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری

محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

قواعد

(۱) تمدّن ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج تمدّن نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں درج ہو چکا ہو اُس کو تمدّن کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین درج تمدّن نہیں ہوسکتے۔

تمدن

خواتین اندلس

زمانے کی دست برد نے جہاں ایک طرف اسلامی سلطنتوں کے پرخچے
وہاں دوسری طرف مسلمانوں کے علمی جواہر کو بھی تہ آب کر دیا" اسکے خلاف
جو کچھ علمی سرمایہ دنیا کے مختلف گوشوں میں محفوظ رہ گیا ہے اگرچہ وہ ہمارے
پوچھنے کے لیے بالکل ناکافی ہے تاہم اگر یہی ہمارے قبضہ میں چاروں
کھنچ کر آجائے تو وہ ہمارے علمی افلاس کے دور کرنے میں ایک بڑی حد تک
ہوسکتا ہے۔ مگر "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

اسی باقی ماندہ سرمایہ میں تذکرہ کی دو چار کتابیں ہیں جو علمائے سلف
حالات میں زیادہ مشہور رہیں لیکن اُن میں خواتین اسلام کے مفصل حالات
تلاش کرنا بالکل لا حاصل امر ہے کیونکہ ان مصنفین نے اگر ایک جانب تو
میں رعایت ایجاز و اختصار کا اصول پیش نظر رکھا ہے تو دوسری جانب

اسلام کے علمی کارناموں اور عام حالات کو بالکل قلم انداز کردیا ہے گویا اُن کے نزدیک عورتوں کے قابل تقلید واقعات کا بھی ظاہر ہونا ویسا ہی جرم تھا جس طرح خود اُن عورتوں کا پردے سے باہر ہوجانا جرم اور قابل شرم امر ہے اگر حسن اتفاق سے کسی نے اس جنس کے ساتھ ہمدردی کی ہے تو صرف اتنی کہ چند خواتین کے تذکرے میں اُن کے حالات زندگی کو دو ہی تین سطروں میں ختم کردیا ہے، اکثر نہایت مشہور خواتین کے حالات میں تو صرف اسی قدر عبارت لکھی ہوتی ہے کہ "کانت عالمۃ فاضلۃ ادیبۃ شاعرۃ" اور بس ظاہر ہے کہ ان چند کنایوں سے اُن بیشمار خواتین کے حالات پر بالکل روشنی نہیں پڑ سکتی جو علم و فضل کے آسمان پر ہلال بنکر طلوع ہوئیں اور بدر بنکر چمکیں چونکہ زمانے کی شدید ضرورت اس بات کو چاہتی ہے کہ خواتین اسلام کے حالات سربمہر اسرار سمجھنے کے بجاے روشنی میں لائے جائیں اسلیے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اس طرف بھی وہ اپنی خاص توجہ مبذول کریں اور اس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ اس مقصد کے پورا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں وہ عام اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں جن میں ضمناً خواتین کے بہت سے حالات آگئے ہیں' اور ان منتشر حالات کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع کردیں۔ اگرچہ یہ کام پوری جانفشانی، سعی بلیغ اور ہزاروں تاریخی صفحات کی ورق گردانی کے بعد پورا ہوسکتا ہے مگر جو شخص اس اہم خدمت کو انجام دے گا وہ حقیقت میں قوم کی ایک بہت بڑی ضرورت کے پورا کرنے کا کفیل ہوگا۔ اس مختصر سی مگر ضروری تمہید کے بعد ہم چند خواتین کے حالات بیاں کرنا چاہتے ہیں جو سرزمین اندلس کے لیے مایۂ ناز تھیں،

تاریخ اسلام میں اندلس نہ صرف اسلیے زیادہ مشہور ہے کہ وہاں صدیوں اسلامی

سلطنت نہایت شان وشوکت کے ساتھ قائم رہی بلکہ اسلیے بھی اسکی شہرت میں چار چاند لگے ہیں کہ اس نے علوم وفنون کو اپنے آغوش میں لے کر پرورش کیا ہزاروں اولوالعزم علماء وارباب فضل وکمال پیدا کیے اور طبقۂ اناث میں بھی ایسی خواتین کی اتنی غیر معمولی تعداد کو ظاہر کیا جو بہ لحاظ اپنے تبحر علم، قدرت کلام شاعری اور آزادی راے کے ضرب المثل تھیں بلکہ بعض اوقات وہ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علامہ پر بھی سبقت لے گئی تھیں سلاطین وقت بھی ان کو تعظیمی الفاظ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔

چوتھی صدی ہجری میں قرطبہ کی رہنے والی عایشہ بنت احمد ایک نہایت عالمہ شاعرہ خاتون گذری ہیں خدا نے ان میں علم وفضل، فصاحت وبلاغت کا جوہر کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا یہانتک کہ اس زمانے میں یہ عام خیال تھا کہ انکے چچا ابو عبداللہ جو ایک ممتاز خطیب اور شاعر تھے ان سے اگر اس خاتون کو ترجیح دی جائے تو بالکل بجا ہے، خدا جانے اس خاتون میں کیا کیا خوبیاں تھیں کہ اسکی شان میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے "انہا من عجائب زمانہا و غرائب اوانہا" یعنے وہ عجائب روزگار تھی، ایک مقام پر انکی تعریف میں خاص الفاظ یہ ہیں "لم یکن فی زمانہا من حرائر اندلس من یعدل لہا علما وفہما وادبا وشعرا وفصاحۃ" یعنی اندلس کی حریت پسند عورتوں میں کوئی ایسی نہ تھی جو علم، فہم، ادب، شعر اور فصاحت میں اس خاتون کے مساوی ہو، اس عبارت سے ایک اور نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ خاتون موصوفہ کے زمانے میں بھی ایسی خواتین کی تعداد کثرت سے تھی جو اپنے علم وفضل اور سچے جذبات وخیالات کے اظہار کرنے میں آزاد تھیں گو وہ سب کی سب خاتون موصوفہ سے علمی لیاقت میں کم درجہ رکھتی ہوں،

خاتون موصوفہ کا خط نہایت پاکیزہ ہوا کرتا تھا وہ اکثر قرآن پاک لکھا کرتی تھیں، شادی اپنی تمام عمر میں نہ کی اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ جس قسم کا شوہر چاہتی تھیں نہیں ملتا تھا چنانچہ ایک شاعر نے جب نکاح کا پیغام بھیجا تو صاف انکار کردیا اور اسکے جواب میں دو شعر لکھ بھیجے جسکا مفہوم یہ ہے " آپ تو آپ میرے معیار میں بہت بڑے بڑے لوگ پورے نہیں اُترتے" اس جواب سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خاتون موصوفہ کا منتہائے خیال کیا تھا اور وہ اپنے تبحر علم کے سامنے بڑے بڑے شعراء کو ہیچ سمجھتی تھیں۔

اندلس کی خواتین تعلیم کی اسقدر دلدادہ تھیں کہ وہ مرد اور عورت دونوں سے علوم سیکھتیں معلمات اپنی علمی لیاقت، زبان دانی میں نہایت ممتاز ہوتیں۔

پانچویں صدی ہجری میں مریم بنت ابی یعقوب انصاری ایک بہت بڑی مشہور شاعرہ اور ادیبہ خاتون تھیں اُنکے ذاتی فضل اور مذہبی خوبیوں نے عزت و احترام کے آسمان پر ان کو بدر کامل بنا رکھا تھا، عورتوں کو فن ادب کی تعلیم دیا کرتی تھیں، اُنکے فضل و کمال کی تعریف اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود سلطان مہدی اپنے ایک خط میں اُن کے علم و فضل، زہد و تقویٰ کا نہایت گرم جوشی سے ذکر کرتا ہے بلکہ یہ بادشاہ خاتون موصوفہ کے خداداد قوت نطق کی تمنا کرتا ہے، سلطان مہدی نے ان کے پاس کچھ دینار اور خط میں یہ چند شعر لکھ بھیجے۔

مَالِي بِشُكْرِي الَّذِي أَوْلَيْتُ مِنْ قِبَلٍ — لَوْ أَنَّنِي حُزْتُ نُطْقَ اللُّسْنِ فِي الْحُلَلِ

جو کچھ تم نے دیا ہے اُسکا شکریہ نہیں چاہتا — ہماری تو یہ تمنا ہے کہ وہ طلاقت لسانی جو ہر حلقہ میں شہرہ ہے حاصل

يَا فَذَّةَ الظَّرْفِ فِي هٰذَا الزَّمَانِ وَيَا — وَحِيدَةَ الْعَصْرِ فِي الْإِخْلَاصِ وَالْعَمَلِ

اے ظرافت میں یکتا سے روزگار — اور اے اخلاص و عمل میں فرد زمانہ

أَشْبَهْتِ مَرْيَمَ الْعَذْرَاءَ فِي وَرَعٍ — وَفُقْتِ خَنْسَاءَ فِي الْأَشْعَارِ وَالْمَثَلِ

تو تقویٰ میں مریم عذرا کے مشابہ ہے اور اشعار و نثر میں خنسا سے فوقیت لے گئی ہے

خاتون موصوفہ نے شاہانہ عطیہ شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا اور سلطان کے خط کا جواب شعر ہی میں دیا جسکا پہلا شعر یہ ہے۔

مَنْ ذَا یُجَارِیکَ فِی قَوْلٍ وَفِی عَمَلٍ   وَقَدْ بَدَرْتَ اِلَی فَضْلٍ وَلَمْ تُسْأَلِ

قول و فعل میں آپ کا کون مقابلہ کر سکتا ہے   آپنے تو بے مانگے مجھپر احسان کرنے میں جلدی کی ہے

اُنھوں نے آخر عمر میں اشبیلیہ میں سکونت اختیار کر لی عمر بھی دراز پائی تھی جسکا اظہار ان بیتوں میں کیا ہے۔

وَمَا یُرْتَجَی مِنْ بِنْتِ سَبْعِینَ حِجَّةً   وَسَبْعٍ کَنَسْجِ الْعَنْکَبُوتِ الْمُهَلْهَلِ

ستر برس کی بڑھیا سے کیا امید کی جا سکتی ہے   جسکی تمام زندگی تار عنکبوت کی طرح گذری

تَدِبُّ دَبِیبَ الطِّفْلِ تَسْعَی عَلَی الْعَصَا   وَتَمْشِی بِهَا مَشْیَ الْاَسِیرِ الْمُکَبَّلِ

وہ بڑھیا پست چھوٹے بچے کیطرح عصا پر ٹیک لگائے ہوئے چلتی ہے   اور اس قیدی کی مانند چلتی ہے جسکے پیروں میں بیڑیاں ڈالدی گئی ہوں

آخر کے شعر میں ایک اور خوبی ہے وہ یہ کہ جب انسان کی عمر زیادہ آجاتی ہے تو اُسکی کمر خم ہو جاتی ہے اور وہ سیدھا نہیں چل پاتا خاتون موصوفہ نے اپنی اس ہیئت کو چھوٹے بچے اور اُس قیدی کی چال سے تشبیہ دی ہے جسکے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں، جو نہایت ہی موزوں ہے۔

جذبات اور تخیل کو موزوں الفاظ میں ظاہر کرنا اگرچہ ایک خوبی ہے لیکن معنی خیز مفہوم میں فی البدیہہ شعر کہنا ہر ایک کا کام نہیں، اسلام کی تاریخی روایات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت سی ایسی عورتیں ملیں گی جو اس وصف سے موصوف تھیں، چونکہ ہمارا موضوع اسوقت "خواتین اندلس" ہے اس لیے عام خواتین کا ذکر چھوڑ کر اسی سرزمین کی خاتونوں کی مثال پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ام الہنا قاضی ابو محمد عبدالحق کی صاحبزادی تھیں تعلیم باپ ہی سے حاصل کی تھی

علم و فہم، عقل و ذکاء میں بےنظیر تھیں، فی البدیہ شعر کہدینا خاتون موصوفہ کے نزدیک کوئی بڑی بات نہ تھی، ایک دفعہ قاضی صاحب "مریہ" (ایک مقام کا نام ہے) کے قاضی بناکر بھیجے جانے لگے، چلتے وقت اپنی حویلی میں گئے اسوقت اُنکی آنکھوں سے وطن اور اہل و عیال کی مفارقت میں آنسو جاری تھے، طبیعت دار لڑکی نے باپ کی یہ حالت دیکھکر برجستہ چند شعر کہے،

یَا عَیْنُ صَارَ الدَّمْعُ عِنْدَکِ عَادَۃً	تَبْکِیْنَ فِیْ فَرَحٍ وَ فِیْ اَحْزَانِ
لے آنکھ! کیا رونا تیری عادت ہوگئی ہے	کہ خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں رویا کرتی ہے
غَلَبَ السُّرُوْرُ عَلَیَّ حَتّٰی اِنَّہٗ	مِنْ عِظَمِ فَرْطِ مَسَرَّتِیْ اَبْکَانِیْ
مجھپر خوشی کا اسقدر غلبہ ہوا	کہ فرط مسرت نے مجھے رولا دیا
فَاسْتَقْبِلِیْ بِالْبِشْرِ یَوْمَ لِقَائِہٖ	وَدَعِی الدُّمُوْعَ لِلَیْلَۃِ الْھِجْرَانِ
ہنسی خوشی ملاقات کے دن	ملنے اور رونا شب ہجر کے لیئے اُٹھا رکھ

خواتین اندلس تعلیم حاصل کرنے میں صرف معلمات کی تعلیم پر ہی اکتفا نہ کرتی تھیں بلکہ مردوں سے بھی اپنی علمی کمی کو پورا کرلیتی تھیں چنانچہ غرناطہ کی رہنے والی نزہون نامی ایک خاتون تھیں وہ ابو بکر مخزومی ایک نابینا شخص سے نحو میں پڑھا کرتی تھیں ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ وہ اس نابینا شخص کے پاس سبق پڑھ رہی تھیں کہ ایک شخص وہاں پہنچا اور مخزومی کو مخاطب کرکے کہا "لَوْ کُنْتَ تُبْصِرُ مَنْ تُجَالِسُہٗ" یعنی کاش تجھے معلوم ہوتا کہ تیرا جلیس کون ہے، مخزومی نے ہر اگر کوشش کی کہ اس مصرعہ کا کچھ جواب دون مگر کوئی بات اسکو نہ سوجھی اُستاد کو متفکر دیکھکر بدیہہ گو خاتون نے فی الفور کہا جسکا پھڑکتا ہوا ایک مصرعہ یہ ہے "لَغَدَوْتَ اَخْرَسَ مِنْ خَلَاخِلِہٖ" یعنی تو اُسکی پازیب کی جھنکار سے گونگا ہوگیا ہوتا مطلب اسکا یہ ہے کہ تو اگر اسکو دیکھ پاتا تو ہکا بکا سا رہ جاتا تیری زبان گنگ ہوجاتی اور تو بول نہ سکتا۔

خاتون موصوفہ کو کثرت سے اشعار اور ضرب المثلیں یاد تھیں، انکی شیریں زبانی طلاقت لسانی اور جوہر علم کی بدولت وزرا ے سلطنت بھی ان سے مذاکرہ و مراسلہ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے چنانچہ وزیر ابوبکر ابن رخا خاتون موصوفہ میں اکثر مذاکرہ ہوا کرتا اور مراسلات جاری رہا کرتی تھیں۔

اس تذکرے میں یہ بات نہایت تعجب سے سنی جائے گی کہ ایک شخص منصب قضا پر متمکن کیا جاتا ہے، تمام خصومات کے فیصل کا اسکو پورا حق حاصل ہے لیکن اس فرض کو ایک خاتون ادا کرتی تھی کیونکہ قاضی صاحب کو تمام مقدمات کے فیصل کرنے میں رایوں و مشوروں کے لیے اس خاتون کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ یہ خاتون قاضی لوشہ کی حرم محترمہ تھیں جنکی راے کے بغیر مقدمہ فیصل نہیں ہوتا تھا قاضی صاحب کے کسی منچلے دوست نے اسپر پھبتیاں اڑائیں اور خط میں دو شعر لکھ بھیجے۔

بِلَوْشَۃِ قَاضٍ لَہٗ زَوْجَۃٌ   وَاَحْکَامُھَا فِی الوَریٰ مَاضِیَہ

لوشہ کے قاضی صاحب کی ایسی بیوی ہیں   کہ انھیں کے احکام لوگوں میں جاری ہوتے ہیں

فَیَا لَیْتَہٗ لَمْ یَکُنْ قَاضِیًا   وَیَا لَیْتَھَا کَانَتِ الْقَاضِیَہ

کاش میاں صاحب قاضی نہ ہوتے   اور انکے بجاے انکی بیوی قاضی ہوتیں

قاضی صاحب نے اپنی بیوی کو اسکی اطلاع دی جنھوں نے فی الفور دو شعر جواب میں لکھ بھیجے جسکا آخری شعر یہ ہے

کَلَّا لَئِنْ لَمْ یَنْتَہِ   لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَہ

دیکھو اگر وہ اس سے باز نہیں رہا   تو اسکے سر کے بال پکڑ کر کھینچ ماروں گی

یہ قرآن پاک کی ایک آیت ہے جسکے دو ٹکڑے کر دیے شعر بن گیا۔

احمد اللہ ندوی

نظارۂ خرابات

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہاں پھر ضیائے بادہ سے روشن صدف ہو آج پھر میکدے میں نور خدا ہر طرف ہو آج
ذرہ بھی آب و تاب میں دُرِّ نجف ہو آج پھر آشکار جلوۂ بیت الشرف ہو آج
پروین و مہر و ماہ و کواکب ہوں سب بہم حور و ملک بھی کھائیں تو اس رات کی قسم

چہرہ ہے زرد آج اسے گلرنگ رنگ رنگ دکھلائے جوہر اپنے خوش رنگ رنگ رنگ
مے ساغر نشاط سے آہنگ رنگ رنگ خوب آئے آتشیں سے مجھے رنگ رنگ رنگ
ہاں اب تجمل سحر عید کھول دے اے رشک ماہ چشمۂ خورشید کھول دے

وہ رات ہے یہ رات جو شب قدر قدر ہے تابندگی میں جس کا ستارہ بھی بدر ہے
شب ہائے محتشم میں یگانہ ہے صدر ہے میں کیا بیاں کروں کہ بڑی اسکی قدر ہے
بخشش یہ بحر ابر کرم ہے کھلا ہوا بندوں پہ آج ہے در رحمت کھلا ہوا

چرخ اک طرف زمیں کی عجب آن بان ہے دامان دشت خاک [illegible] ہے
تشبیہ دوں فلک سے تو یہ کسر شان ہے وہ آسمان ہے تو یہ عرش آستان ہے
ہیں سربلند ذرے کے پیارے زمیں سے مانگے ہے عرش چاند ستارے زمیں سے

کہتا ہے آسمان زمیں سے بتا مجھے اپنی چمک دمک یہ دکھاتی ہے کیا مجھے
دنیا میں سب سے پہلے ملی تھی ضیا مجھے بولی زمیں تو خاک ہے سمجھا ہوا مجھے
جوہر نہاں بہت سے ہیں اس خاکسار میں دونوں جہان کا نور ہے جس کے کنار میں

دیکھ اس طرف کہ معدن لعل و گہر ہوں میں کس چیز پر ہے ناز تجھے تحت و زبر ہوں میں
بولا فلک کہ پست ہے تو اوج پر ہوں میں ہنس کر کہا زمیں نے کہ ہاں بے خبر ہوں میں
تو خم کمر جہان میں ہے در در پھرا ہوا دامن مرا ہمیشہ ہے زر سے بھرا ہوا

گردوں کو اس سخن سے ہوا رنج بے حساب پوچھا بطنز یہ تو بتا اے فلک جناب
میں بخشتا اسے نہ اگر تاب آفتاب [illegible] تجھے سحاب
ملتا کہاں یہ لعل یہ زیب گہر تجھے سب میرا فیض ہے کہ ملا سیم و زر تجھے

آغا غلام حسین ارشد

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے مئی نمبر ملاحظہ ہو)

ناظرین تمدن" گذشتہ نمبر میں میں نے زہیر ابن ابی سلمیٰ کے حالات لکھتے ہوے اسکے کلام پر آئندہ نمبر میں روشنی ڈالنے کا وعدہ کیا تھا حسب وعدہ اُسی قصیدے سے بعض شعر پیش کرتا ہوں یہ قصیدہ بحر طویل میں ہے اور مقبوض بھی ہے اسکا قافیہ متدارک ہے تقطیع فعولن مفاعیلن فعولن مفاعلن دوبار۔ اس قصیدے میں درحقیقت زہیر نے حارث ابن عوف اور ہرم ابن سنان کی مدح کی ہے یہ دونوں شخص اکابرین مرہ سے ہیں اسکا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ مرہ اور عبس یہ عرب کے قبائل سے دو ٹہسلے قبیلہ ہیں ان میں جنگ مخالفت یوں قائم ہوئی کہ عبس کے قبیلے کے ایک شخص ورد ابن حابس نے مرہ کے قبیلہ کے ایک شخص کو جسکا نام ہرم ابن زمزم تھا کسی مخالفت کی وجہ سے قتل کر ڈالا چونکہ اس عہد میں عرب کی قوم متمدن قوم نہوئی تھی نہ انکے دماغ علوم سے روشن تھے نہ ان کا کوئی بادشاہ تھا جس کے زیر اثر تمام قبائل عرب ہوتے اخلاقی حالت بھی بہت کمزور تھی قتل و غارت عام طور سے شعار تھا لہذا مار ڈالنا یا لوٹ لینا ایک بالکل معمولی سی بات تھی بلکہ قبائل میں باہم خانہ جنگیاں ایک روز کا دلچسپ مشغلہ تھا یہ واقعہ قتل ان دونوں قبیلوں کی آتش فساد بھڑکا دینے کے لیے بہت کافی تھا۔ تمدنی حالت یہ تھی کہ ہر ہر قبیلہ بجاے خود ایک ایک اپنا شیخ اپنے قبیلے سے مقرر کر لیتا تھا اور اُسکے احکام کی تعمیل میں حسب تقتضاے وقت حتی الامکان کوشش کرتا تھا اُس زمانے میں اس قوم کے لیے اتنا بھی بہت تھا جبکہ دنیا کی قومیں اخلاقی و تمدنی تہذیب سے کم و بیش آزاد ہو رہی تھیں میری راے میں یہ بھی خصوصیت اسی قوم کے ساتھ

پائی جاتی ہے کہ ایسی غیر متمدن قوم جیسی عرب کی تھی اتنا جلد متمدن ہوگئی کہ آپ اپنی عالم میں نظیر سمجھی جانے لگی ہر قبیلے کو اُس عہد میں شیخ قبیلہ مقرر کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ یا تو اندرونی نزاعیں اس طرح ختم ہوسکتی ہیں کہ قبیلے سے کوئی بھی فرد باقی نہ بچے اور یا یوں انجام پذیر ہوسکتی ہیں کہ کسی ایک طاقت کے زیر اثر ہو کے باہمی متنازعہ قضایا کو فیصل کرائیں اور اُسکے احکام متعلقہ نافذہ کی تعمیل کریں چنانچہ فطرت نے عربوں کی ایسی وحشی قوم کو صورت ثانی کے پسند کرنے کے لیے مجبور کیا اور ہر ہر قبیلے نے اپنے اپنے باہمی انتخاب سے ایک ایک شیخ مقرر کر لیا چنانچہ یہ رواج اس وقت تک ہے لیکن عہد جاہلیت اور عہد اسلام میں صرف فرق اسقدر نکل سکتا ہے کہ عہد جاہلیت میں ہر ہر قبیلہ ایک خود مختار حیثیت رکھتا تھا اور اکثر دوسرے اور اور قبائل سے لڑا کرتا تھا سب قبیلے ایک طاقت کے زیر اثر نہ تھے اور عہد اسلام میں اسلام نے سب کو اندازِ نگونساری اور اطاعت کی تعلیم دے کے سب قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کردیا اور ایک طاقت کے زیر اثر کرکے چھوڑا۔

ہرم ابن ضمضم مری کے قتل ہونے کے بعد حصین ابن ضمضم مری نے جوش انتقام میں قسم کھالی کہ میں اپنے سر اور منھ پر پانی نہ ڈالوں گا جبتک کہ اپنے بھائی کے قاتل یا بنی عبس سے کسی شخص کو قتل نہ کرلوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا کہ ایک شخص کو قبیلہ بنی عبس سے جو اسی کے گھر میں مہمان ہوا تھا اس نے قتل کر ڈالا۔ بھلا قبیلہ بنی عبس کو جسے اپنی کثیر جمعیت اور شجاعت پر ناز تھا اسکی خبر سنکر کب تاب رہ سکتی تھی قصاص کی غرض سے آمادۂ فساد ہو کر چڑھ دوڑا اور بڑے عظیم قتل و غارت کا دفعتاً سامان جمع ہوگیا۔ اسمیں شک نہیں کہ قبائل کا جوش اس حد پر پہنچ چکا تھا کہ اگر ہرم ابن سنان اور حارث ابن عوف اس شر کو اپنے سر نہ لیتے اور اپنے پاس سے ایکسو بچھڑے اونٹ خونبہا میں دے کے قبیلہ بنی عبس سے مصالحت نہ کر لیتے تو عرب کی ریتلی سرزمین پر یقیناً

خون کی ندیاں بہ جاتیں۔ لیکن اس نازک موقع پر حارث ابن عوف نے بڑا کام کیا سو اونٹ اور اپنے جوان لڑکے کو لے کے قبیلہ بنی عبس میں جا پہنچا اور کہا کہ ان میں سے جو پسند کرو حاضر ہے یہ اونٹ بھی حاضر ہیں اور یہ میرا جوان لڑکا بھی موجود ہے خواہ اسکو قتل کر کے آتشِ فساد کے بھڑکے ہوئے شعلوں کو دھیما کرو یا یہ خونبہا لے لو۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی چنانچہ بنی عبس نے اونٹ لے کے مصالحت کر لی۔ زہیر نے اسی واقعہ پر اس قصیدے میں روشنی ڈالی ہے اور ان مصلحان قبیلہ کی مدح میں دریا بہائے ہیں بلکہ زمین و آسمان شاعری کے قلابے ملائے ہیں۔ یہ قصیدہ زہیر نے اس زور کا لکھا ہے کہ تمام فصحائے عرب کو عرب کے قرآن فصاحت کی ایک آیت کمال تسلیم کرنے کے بعد خانۂ کعبہ پر امرؤالقیس اور طرفہ کے قصیدے کے برابر جگہ دینی پڑی ہے میں اس قصیدے سے صرف تشبیب کے چند شعروں پر اس غرض سے روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ناظرین "تمدّن" صرف اسکی قوت شاعری اور رنگ طبیعت کا اندازہ کر سکیں ورنہ پورے قصیدے کو پیش کرنا عدم گنجایش کی وجہ سے ممکن نہیں ہے اور جبتک یہ واقعہ سلسلے کے ساتھ نہ پیش کیا جائے کچھ لطف نہیں لہذا یہی مناسب ہے کہ صرف تشبیب پر اس مضمون کو ختم کر دوں اس قصیدے کی تشبیب واقعات حسن و عشق ام اوفی میں ہے جو قبیلہ بنی اسد سے تھی۔ مطلع۔

امن ام اوفی دمنۃ لم تکلم بحومانۃ الدراج والمتثلم

دراج اور متثلم یہ اُن دو مقاموں کے نام ہیں جہاں ام اوفی کے سفری مکانات یعنی خیمے اور چھولداریاں نصب ہوا کرتی تھیں زہیر اس مطلع میں ان ہی منازل اور ام اوفی کے مکان کے نشانوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اظہار تاسف کرتا ہے لیکن اس بلاغت کے ساتھ کہ تاسف اور یاد معشوق کے ساتھ ہی ساتھ ام اوفی کی شان دلبری کا پایہ بڑھتا ہی جاتا ہے کہتا ہے کہ کیا ہی خراب دراج اور متثلم میں مری ام اوفی کے مکاں کے ٹوٹے

نشانات ہیں جو میری بات کا جواب نہیں دیتے اور کلام نہیں کرتے۔ طرز تکلم کی معنوی خوبیاں قابل ملاحظہ ہیں۔ یہ ایک لفظ صاحبان درد اور ہلاگردان عشق و محبت کے جذبات اُبھار دینے کے لیے میرے خیال میں کافی اور بہت کافی ہے۔

یا تو کلام نہ کرنے سے زہیر کا یہ مطلب ہو کہ زمانے کی گردشوں نے اُن مکانات کو اس قابل باقی ہی نہ رکھا کہ جو میرے کلام کا جواب دے سکیں۔ یا منازل ام اوفی کے مٹے مٹے نشانات بھی اس مٹ جانے پر بقدر خودداری اور خود پرستی کا جوہر لیے ہوئے ہیں کہ ام اوفی کا عاشق بیتاب اور ہجراں نصیب شیدائی خیال کر کے جواب دینے میں ام اوفی کی اندازِ دلبری اور معشوقی کی کچھ کمزوری اور سبکی خیال کرتے ہیں بہرصورت میری رائے میں اس تصویر خیالی کے دونوں عالم دلکش رنگ سے منقش ہیں۔

ودار لها بالرقمتين كأنها ❊ مراجيع وشم في نواشر معصم

تشبیہ کا لطف بھی یہی ہے کہ مشبہ کی تصویر پوری پوری تشبیہ سے آنکھوں میں کھنچ جائے اس شعر میں تشبیہ کی یہی خوبی ہو کہ ایک تصویر آنکھوں میں کھنچ جاتی ہو بلکہ آنکھوں میں کھُب کے دل میں چھپ جاتی ہے۔ زہیر کو اس شعر میں بتانا تو صرف اتنا ہے کہ میری معشوقہ کی منزل دو سنگلاخ وادیوں کے درمیان واقع ہو جنمیں سے ایک سمت بصرہ میں ہے اور ایک سمت مدینہ میں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس منزل کو جو دو سنگلاخ وادیوں کے درمیان واقع ہے کتنی دلچسپ تشبیہ سے ادا کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ اب میری ام اوفی کے مکان کے نشان اس وادی میں یوں نظر آتے ہیں جسطرح کسی نازک اندام حسین کی نازک کلائیوں کی مہین مہین رگوں میں گُدنے کے نشان ہوتے ہیں اور گُدنا بھی وہ گُدنا جسکے نشان ایکمرتبہ مٹ جانے کے بعد پھر دوبارہ رنگ روپ دے کے اُبھار دیے گئے ہوں۔ بظاہر یہ تشبیہ اس خیال پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ زہیر اس طرف اس شعر میں توجہ دلانا چاہتا ہے کہ ہوا یہ کرتا ہے کہ کبھی اس جنگل وادی کی چلنے والی ہوائیں گرد و غبار کی چادروں سے ان نشانات کو بالکل مبہم و غیر معلوم

بنادیتی ہیں اور کبھی خاک کو اُڑاکے پھر اُبھار دیتی ہیں۔

بها العین والآرام یمشین خلفة　　　واطلاؤها ینهضن من کل مجثم

اس شعر میں زہیر ویرانی منزل کی تصویر کھینچتا ہے اور یہ دکھاتا ہے کہ اللہ اللہ رے زمانے کے تغیرات۔ اُف اُف رے فلک کی کجرفتاری وہ منزلیں جو ایکدن میرے دل وجان کی مالک اور حسن وجمال کی دیوی ام اوفی کی قیام گاہیں تھیں وہ منزلیں کہ جنپر ایکدن کسی کے آفتاب حسن و جمال کی جلوہ ریزیاں تھیں آج اسقدر غیرآباد و ویران ہوگئیں کہ دنیا کے وحشی ترین جانور ہرن اور نیل گائیں اور اُنکے بچے ہر مقام پر دوڑتے ہوئے اور اُٹھتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ ناظرین ویرانی کے ثبوت میں بہت سی چیزیں پیش کی جاسکتی ہیں مثلاً یوں کہدیتا کہ اب وہ آباد مقام بالکل چٹیل میدان بے برگ وگیاہ نظر آرہے ہیں یوں کہدیتا کہ اب اُن مقاموں پر خونخوار حیوانات کا مسکن ہوگیا۔ یوں کہدیتا کہ منزلوں آدمی کا نبس نظر نہیں آتا لیکن نہیں، نہیں ہرگز نہیں کبھی نہیں یہ شوخی یہ لطف کبھی نہیں پیدا ہوسکتا تھا۔ جو اسوقت پیدا ہوا۔

ام اوفی کے ایسے آہوے رم خوردہ کی منزلوں میں سوا ے آہوان صحرائی کے طبیعت وفطرت حسن کسی کو اجازت دے ہی نہیں سکتے تھے فلسفۂ وحشت کا ثبوت اس سے بڑھ کے اور کسی طریقہ سے کامل طور پر ادا ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

وقفت بها من بعد عشرین حجة　　　فلایا عرفت الدار بعد توهم

اسکے بعد کہتا ہے کہ آج میں بیس برس کے بعد یہاں کھڑا ہوا ہوں اور البتہ زمانے نے اس مدت میں اتنے ورق پلٹ دیے کہ ام اوفی کی منزل اور اسکو اتنی دیر تامل کرنے کے بعد پہچان سکا۔ سچ ہے اسے جادو بیان شاعر اگر شاعری کا مذاق خداداد ہے تو ایسا ہی بلند طبیعت ہیں کہ واقعات کے بیان کرنے میں اور سادہ تخیلوں میں اتنا تو اثر ہو جتنا تیرے کلام میں ہے۔

اتافی سفعا فی معرس مرجل ونویاً کجذم الحوض لم یتثلم

اُن نشانوں کو اُن علامتوں کو بتا رہا ہے جن علامتوں سے اس نے منزل معشوق کو پہچانا کہتا ہے چولہے کے اُن سیاہ سیاہ پتھروں سے میں نے منزل کو پہچانا جسکے کلیجے میں بخارات دخانیہ نے گھر کر لیا ہے۔ اس نہر سے پہچانا ہے جو خیمو نکے گرد میں کھودی جاتی ہے جو ام اوفی کے خیمے کی یاد میں اسوقت تک چشم منتظر بنی ہوی ہے۔ اور تغیرات جسکو اسوقت تک نہیں مٹا سکے ہیں۔ واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعات کو جس خوبی سے اعراب اور خصوصاً اعراب جاہلیت ادا کر گئے ہیں اتنی بے ساختگی اور رافہ اوروں میں ملنا مشکل ہے۔

واضح رہے کہ پتھر کا جرم جس طرح عسیر القبول ہے اُسی طرح عسیر الترک بھی ہے جس طرح یہ مشکل سے کسی اثر کو قبول کرتا ہے اُسی طرح قبول کرنے کے بعد مشکل سے ترک بھی کرتا ہے۔ آگ کا اثر یعنی دھواں جب پتھروں کی رگ رگ میں اُتر جاتا ہے تو پھر نہیں صاف ہوتا۔ اسی طرح سنگ لاخ وادیوں میں جو کھود کے نشان بنا دیے جاتے ہیں وہ بھی نہیں مٹا سے مٹتے۔ یہی وہ علامتیں ہیں جنھوں نے جذب وکشش یا منی کے ساتھ مل کے زہیر کو منزل ام اوفے کو پہنچوا دیا۔ (باقی آئندہ)

آشفتہ لکھنوی

تصحیح

مئی کے پرچے میں حضرت رسا ہمدانی گیاوی کی رباعی مندرجہ صفحہ ۴۰ میں کاتب کی غلطی سے پہلے شعر کا دوسرا مصرع اور دوسرے شعر کا پہلا مصرع غلط ہوگیا ہے۔ ناظرین اس طرح سے پڑھیں

آہنگ عزا ہے نغمہ خوانی میری ۔۔۔ تربت کے ہیں پھول گلفشانی میری

احباب میں ہوگیا ہوں بدنام رسا ۔۔۔ سنتا ہے بھلا کون کہانی میری

ایک لڑکی اور شیر کا عشق

پیرس میں ایک شخص موسیو بولیو کا یہی مشغلہ تھا کہ وہ ہر قسم کے جانوروں کو پالتا اور اُنکی تعلیم و تربیت حفاظت و نگرانی کرتا تھا۔ کمیاب اور نادر الوجود وحوش و طیور اُسکے یہاں موجود تھے اور ہر ایک کے رہنے کے لیے اُس نے اپنے باغ میں محفوظ مقامات مخصوص کر رکھے تھے۔ ہر جانور اُس سے محبت کرتا تھا اور اُسے اپنا آقا ولی نعمت سمجھتا تھا۔ ان جانوروں میں ایک شیر بھی تھا جسکو موسیو نے ایک مہینے کا بچہ لے کر پالا تھا اور اُس سے بہت محبت کرتا تھا۔ شیر بھی اس سے بے انتہا مانوس تھا جسوقت موسیو اُسکے پاس جاتا تو وہ کُتے کی طرح اُسکے قدموں پر لوٹنے لگتا تھا۔

موسیو بولیو کی ایک حسین و جمیل لڑکی تھی جس کی عمر مشکل سے تیرہ چودہ برس کی ہوگی۔ وہ بھی شیر کے پاس آیا جایا کرتی تھی۔ اور رفتہ رفتہ اُسے شیر سے اس درجہ محبت ہوگئی تھی کہ اکثر دن بدن بھر شیر ہی کے پاس بیٹھی رہتی تھی اور رات کو بادل ناخواستہ اُسکے نزدیک سے آتی تھی۔ کبھی اپنا کھانا بھی شیر ہی کے پاس بیٹھ کر کھاتی تھی اسی طرح شیر بھی لڑکی سے محبت کیا کرتا تھا۔ اُسے بھی بغیر اُسکے چین نہیں آتا تھا اور اگر لڑکی کسی وقت شیر کے پاس نہ پہنچ سکتی تو اسکا کھانا پینا حرام ہوجاتا تھا۔ اور لڑکی اُسکے پاس جاتی تو شیر اُسکی گود میں آکر لیٹ جاتا تھا اور اُسکی صورت تکا کرتا تھا۔

غرض کہ اس حالت کو چار برس گذر گئے اس عرصہ میں شیر بھی اپنی پوری جسامت قد و قامت اور عمر کو پہنچ گیا اور اُسکی خونفشاں آنکھوں، غضبناک چہرے اور غرفش سے ڈر معلوم ہونے لگا۔ ادھر لڑکی بھی نشۂ جوانی سے بدمست ہوگئی اور اُسکی اداؤں میں دلربائی، حسن میں رعنائی، زیبائی اور بے پروائی ظاہر ہونے لگی۔

ایسی صورت کے ہزاروں خریدار ہوتے ہیں اسلیے ہر شخص شادی کے پیام سلام بھیجنے لگا۔ مگر ان سب میں سے ایک شخص موسیو ہنری منتخب ہوا۔ اور نسبت قرار پاگئی۔ یہ نہایت وجیہ و شکیل تھا، مردانہ حسن و جمال کی اسمیں تمام خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ اور وہ بڑی اسی وجہ سے خوش حالی و فراغ بالی کے ساتھ بسر زندگی بسر کرتا تھا۔ اور ہر طرح اُس حسین لڑکی کا شوہر بننے کے قابل تھا۔

جب سے شادی کی نسبت قرارداد ہوی تو ہنری لڑکی کیے پاس روز روز آنے جانے لگا اور اپنا زیادہ وقت یہیں گذارتا تھا۔ لڑکی کو اس کی صحبت میں اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ وہ حسب معمول شیر کے پاس جاتی اور بیٹھتی اور اُسے اپنے ہمجنس اور ہونیوالے شوہر کی پاسداری، خاطر و مدارات منظور تھی۔ اور اپنی محبت کو دو عاشقوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ تاہم جب کبھی چلی جاتی تو شیر اُسی طرح اُس سے پیش آتا۔ ایک روز ہنری لڑکی کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا تو اتفاق سے شیر کے پنجرے کے سامنے جا پہنچا۔ شیر نے جب ہنری کو اپنی آقا زادی کے ہمراہ اس بے تکلفی سے دیکھا تو اُسے غصہ آگیا۔ آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہوگئیں اور مُنھ سے کف بہنے لگا۔ وہ کبھی بیٹھتا، کبھی کھڑا ہوکر ڈکارتا تھا۔ لڑکی نے موسیو ہنری سے کہا "جس طرح میں تم سے محبت کرتی ہوں اسی طرح اس شیر سے بھی محبت کرتی ہوں۔ یہ بھی میرا دوست ہے۔ اور مجھے بہت ہی پیار کرتا ہے۔ کہو تو میں اسکے پاس جاکر تمھیں تماشا دکھاؤں۔ ہنری نے کہا "یہ جانور ہے اسکا کیا اعتبار، اور اسوقت تو وہ غصے میں بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے مصلحت یہی ہے کہ اسکے پاس اسوقت نہ جاؤ۔ لڑکی نے کہا نہیں کوئی اندیشے کی بات نہیں ہے تم بھی پنجرے میں چلے چلو یہ میری وجہ سے تم سے بھی کچھ نہ بولے گا۔ اور دیکھنا کس طرح پیار و محبت کرتا ہے "ہنری نے کہا کہ تمھاری یہ بات میں تو کبھی نہیں مانوں گا، بلکہ تم بھی نہ جاؤ تو اچھا ہے" لڑکی نے کہا تم ناحق ڈرتے ہو، مجھے اس پر ہر طرح اعتبار ہے"

یہ کہکر لڑکی پنجرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی - جب دروازہ کھلا تو شیر نے چاہا کہ باہر نکل کر ہنری پر حملہ کرے مگر لڑکی نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا - اور اُس کے سر پر ہاتھ رکھکر کہا اے میرے دوست ہنری کوئی غیر نہیں ہے - بلکہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو میرا شوہر بننے والا ہے - تو کیوں خفا ہو رہا ہے - مگر اس کہنے کا کچھ اثر نہیں ہوا اور شیر کے دل میں اس بات نے اور ہیجان پیدا کیا یہ برعکس معاملہ دیکھکر لڑکی سوچنے لگی کہ ہر روز تو یہ میرے قدموں پر لوٹا کرتا تھا، محبت کی نظر سے دیکھتا تھا، آج یہ کیا بات ہے کہ اسقدر بگڑ رہا ہے - شیر بپھر رہا تھا - اُسکا غصہ دمبدم تیز ہوتا جاتا تھا - وہ اپنے دونوں پنجے لڑکی کے کاندھے پر رکھے ہوئے کبھی ہنری اور کبھی لڑکی کو دیکھتا تھا لڑکی نے کہا اے میرے وفادار دوست اب میں تجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جاؤنگی اور کبھی نہ مل سکوں گی (ہنری کی طرف اشارہ کرکے) عنقریب انکے ساتھ میری شادی ہو جائے گی - آج سے تین دن باقی ہیں - شیر نے لڑکی سے جب اتنا سُنا تو نہایت حسرت سے اپنا ہاتھ لڑکی کے کاندھے پر سے ہٹا لیا - اور دو تین مرتبہ لڑکی کے آس پاس پھرا - اور ایک طرف چپکے سے بیٹھ گیا - ہنری یہ دیکھکر ڈرا - اور لڑکی سے کہنے لگا شیر کو اسوقت بہت غصہ ہے تم جلد باہر آ جاؤ - کہیں یہ تمھارے مار نہ دے - اتنا کہنا تھا کہ شیر نے جھپٹ کر ایک پنجہ مار ہی تو سہی مگر خدا کی شان کہ ہنری بچ گیا - لڑکی نے شیر سے غضبناک ہو کر کہا ہٹ بے ادب دروازہ چھوڑ، مجھے باہر جانے دے لیکن وہ شیر جو ہمیشہ اسکے حکم کو بسر و چشم قبول کرتا تھا، اور سر تسلیم خم کر دیتا تھا، اسوقت اپنے آپے سے باہر تھا اور سعدی کے اس شعر کا مصداق ہو رہا تھا -

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

لڑکی کے ڈانٹنے پر غصہ کی حالت میں شیر پیچھے تو ہٹ گیا مگر اُس نے اس زور سے

حملہ کیا کہ لڑکی کے نازک جسم کا گوشت نکل گیا اور نفیس لباس سر سے پاؤں تک نچ گیا اور اسکے بعد ہی فوراً ایک اور حملہ بھی کر دیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لڑکی شیر کے پنجے میں پھنس کر دم توڑنے لگی - تیز اور نوکدار ناخن بدن میں گھس گئے اور اسنے چیخنا چلانا شروع کیا - شیر نے اپنے ہاتھ میں جب لڑکی کو دم توڑتا ہوا دیکھا تو فرط محبت سے اسکے پاؤں پر اپنا سر پٹکنے لگا - آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے - اور نہایت مہیب آواز سے آہ کی ادھر یہ دردناک منظر دیکھکر ہنری کو تاب نہ رہی اُس کی نظر میں دنیا تیرہ و تار ہو گئی اور طپنچہ شیر پہ سر کر دیا جس سے شیر بھی لڑکی کے پاس ہی بے دم ہو کے رہ گیا - اودھر ہنری بیہوش ہو کر دہم سے گر پڑا -

موسیو کبلیوتے شور و غل اور چیخنے کی آواز سُنی تو بہت گھبرایا! اور دوڑا ہوا یہاں آیا - کیا دیکھتا ہے کہ نور نظر مری پڑی ہے خون میں لباس تر بتر ہے اور شیر اُسکے قدموں میں بیجان پڑا ہے اور پنجرے کے باہر ہنری بیہوش ہے - اسوقت اُسے جو رنج و غم ہوا اُسکا بیان ممکن نہیں - اُسے زندگی دو بھر معلوم ہوئی سر چکرانے لگا مگر بڑی مشکل سے سنبھلا - جو لوگ شادی میں شریک ہونے کے لیے دور دور سے آکر مہمان ہوئے تھے - افسوس! وہ جنازہ اُٹھانے میں شریک ہوئے - ؎

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

(ترجمہ)   محمد اسمٰعیل ہاتف

"شریفانہ برتاؤ ہی بہترین طرز عمل ہے - دنیا میں عمدہ عادات سے بہتر کوئی چیز نام پیدا کرنے یا اُسکی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے نہیں ہے"

"لارڈ لٹن"

واردات فراق

ناتوانی نے رکھا اُنسے شب وعدہ جدا
ہم چلے شام سے رستہ تو سحر تک پہنچے

ہجرت کا پہلا سال ہے اور ہمارے حضور کے تشریف لیجانے سے سارا مکہ بھائیں بھائیں کر رہا ہے حرم اور کعبہ پر اُداسی چھائی ہوی ہے اور کعبہ کے اندر جو مورتیں دھری ہوی ہیں اُن پر ادبار برس رہا ہے جو مخالف ہیں اُنکے گھروں میں گھی کے چراغ جل رہے ہیں کہ اچھا ہوا کانٹا نکل گیا مکہ سے سات میل کے فاصلے پر پہاڑ کے نیچے ایک اونٹ لمبی لمبی ڈگیں رکھتا ہوا لپکا چلا جا رہا ہے اونٹ پر کجاوہ کسا ہوا ہے اور کجاوے کے اندر ایک طرف ایک خوشرو نوجوان بیٹھا ہوا ہے جس کی عمر اندازاً تیس برس کی ہوگی اور دوسری طرف ایک خاتون خوب رو بیٹھی ہوی ہے جس کا سن وسال کوئی بیس کا ہوگا خاتون کے چہرے پر کچھ ایسی تجلی ہے جس پر نگاہ کا ٹھہرنا دشوار ہے۔ خاتون کی گود میں دو برس سے کم کا ایک گل اندام بچہ ہے جو کلکاریاں مار رہا ہے اور خاتون خوش ہو کر کہتی ہے ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔ نوجوان بالکل چپ ہے مگر مڑ مڑ کر مکہ کی طرف دیکھتا ہے بچہ کھیلتے کھیلتے رونے لگا اور خاتون نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا بچہ دودھ پینے لگا اور خاتون نے نوجوان سے کہا اے صاحب تم ایسے چپ کیوں ہو اور مکہ کی طرف تم نے ٹکٹکی کیوں باندھ رکھی ہے۔

نوجوان۔ اے ہند میرا دل اسوقت قابو میں نہیں ہے مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کہیں دشمن ہمارا پیچھا نہ کریں اور ہمیں مدینے نہ جانے دیں۔

ہند یعنی خاتون - پیارے تم مرد ہو کر ایسی بودی بات منہ سے نکالتے ہو تم نہیں جانتے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے ہند یہ کہہ ہی رہی تھی جو ہند کے خاوند نے گھبرا کر کہا اے ہند دیکھ میں اسواسطے ڈرتا تھا ہند نے مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مکہ کی طرف سے بیس شتر سوار لیکے چلے آتے ہیں اور اُنکے نیزوں کی بوڑیاں دھوپ میں بجلی کی طرح چمک رہی ہیں -

ہند - کیا یہ ہمارے دشمن ہیں -

ہند کا شوہر - ہمارے تمھارے کیا دشمن ہیں یہ تو خدا اور رسول کے دشمن ہیں -

ہند - انا للہ وانا الیہ راجعون - ایک پلک جھپکانے میں بیسوں شتر سوار ان کے پاس آگئے اور ان بیکسوں کے اونٹ کا محاصرہ کرلیا ان لوگوں کی شکلیں دیکھکر معلوم ہوا کہ اسمیں دس سوار قبیلۂ بنی مغیرہ کے ہیں جنکے گھرانے کی ہند بیٹی ہے اور دس سوار ہند کے جیٹھ دیور اُسکی سُسرال والے ہیں بنی مغیرہ والوں نے اپنی دسوں برچھیاں نوجوان کی طرف بڑھا کر کہا اے نادان تو کہاں جاتا ہے اور ہند کو اپنے ساتھ کیوں لیے جاتا ہے -

نوجوان - میں اپنے آقا سے نامدار محمدؐ کے پاس مدینے جاتا ہوں اور اپنی بیوی کو بھی وہیں لیے جاتا ہوں -

بنی مغیرہ والے - اے بے عقل تو ہمارے جوش اور غیرت سے آگاہ نہیں ہے ہم اپنے گھرانے کی بیٹی کو کہیں باہر جانے دیں گے اگر ہمیں ہند کا لحاظ نہ ہوتا تو یہ وقت یہ دسوں برچھیاں تیرے پہلو اور سینے سے پار نکل گئی ہوتیں تیری خیر اسی میں ہے کہ ہند کو ٹھنڈے پیٹوں ہمارے حوالے کردے - ہند کا شوہر گھبرا گیا اور ڈر کے باعث اُسکے ہاتھ سے اونٹ کی مہار نکل گئی ایک مخالف نے جلدی سے مہار لیکر [illegible] ایک جھٹکا دیا تو اونٹ اس ہچکولے کے ساتھ بیٹھا کہ ہند اونٹ سے [illegible]

نازک بچہ دھڑام سے زمین پر گرا اور ہند کا شوہر بھی منھ کے بل نیچے آیا ایک شخص نے جلدی سے اُس بچے کو اُسکی ماں کی گود سے چھین کر کہا اگر بنی مغیرہ کے خاندان کی بیٹی مکہ سے مدینے نہیں جا سکتی تو ہماری نسل کا بچہ بھی اُن ماں باپ کے پاس نہیں رہ سکتا جنھوں نے اپنے بڑوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے ننھا سا بچہ جو کچھ دیر پہلے اپنی ماں کی گودی میں لیٹا ہوا چادر کے نیچے چھپ رہا تھا اب جلتی جلاتی دھوپ میں بیرحمی اور بیدردی کے ساتھ دشمن کے جنگل میں تھا اور منھ بنا بنا کر اور بلک بلک کر رو رہا تھا ہند کے بھی چوٹ آئی اُسکے شوہر کو بھی اونٹ پر سے گر کر صدمہ پہنچا مگر دونوں نے دم نہیں مارا ہند کے سسرال اور میکے والوں نے ہند پر بہت زور ڈالا کہ تو ہمارے ساتھ مکہ کو چل نہیں ہم تیرے بچے کو لیجائینگے اور یہ بے دودھ کے اور تیرے ہڑکے میں مرجائے گا تو اُسکی جدائی میں تڑپ تڑپ کر جان دیدے گی مگر ہند کے دل میں اپنے پیشوا کی الفت سمائی ہوئی تھی اُسنے بگڑ کر جواب دیا کہ ایک بچہ نہیں اُس بندی کے سَو لال خاک میں مل جائیں تو بھی اُف منھ سے نہ نکلے گی یاد رکھو تم مجھے مدینے نہ جانے دوگے تو میں مکہ بھی نہیں جاؤں گی پھر ہند نے اپنے خاوند کی طرف دیکھکر کہا مجھے یہ لوگ نہیں جانے دیتے ہیں تو خیر خدا ان سے سمجھے مگر تم اپنی منزل کھوٹی نہ کرو مدینے کو سدھارو اور مردوں کے لیے اونٹ گھوڑے کی کیا حاجت ہے اُن کے پاؤں خدا نے سواری بنائے ہیں بیوی ننگ و ناموس اور اولاد آنکھوں کا تارا کہلاتی ہے مگر ہند کے شوہر کے دل میں بھی مدینے کا شوق ایسا لگا ہوا تھا کہ اُس نے اپنی آنکھوں سے یہ سب حال دیکھا مگر اُسے ذرا پروا نہ ہوئی بیوی کے کہنے سے وہ چونکا اور اُس نے کہا اے ہند تو سچ کہتی ہے اچھا میں نے تجھے اور تیرے بچے کو خدا کے سپرد کیا میں چلا ہوں یہ کہکر ہند کا شوہر آگے بڑھا اور مکہ والوں نے ہند کو پھر سمجھایا کہ تو

ہمارے ساتھ چل ہم تجھے بڑے آرام سے رکھیں گے اور تیرے پاؤں دھو دھو کر پئیں گے مگر ہند نے اُنھیں ٹکڑا توڑ کر جواب دیدیا اور کہا سُن لو چاہے مجھے اس جنگل میں کھانے کو ایک دانہ اور پینے کو ایک بوند پانی کی نہ ملے شیر اور بھیڑیے مجھے پھاڑ کر کھا جائیں۔ بچہ مرجائے کُنبہ غارت ہوجائے رانڈ ہوجاؤں کچھ ہوجائے مگر میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی مجھے تو اُسکی دُھن لگ گئی ہے جس کا میں نے کلمہ پڑھا ہے جب وہ لوگ سمجھاتے سمجھاتے مایوس ہوگئے تو اُنھوں نے ہند کو جنگل میں چھوڑا اور اُسکے بچے کو اور اُسکی سواری کے اونٹ کو لے کر مکہ چلے آئے دن تو جوں توں کرکے ہند نے کاٹا مگر جب آفتاب غروب ہوا اور چاروں طرف سے اندھیرے کا سمندر اُبلا تو ہند کا کلیجا ڈر کے مارے دھڑ دھڑ کرنے لگا پہاڑوں کا سلسلہ تاریکی میں آسمان سے لگا ہوا معلوم ہوتا تھا اور آسمان کے تارے پہاڑ کی چوٹیوں سے ملے ہوئے دکھائی دیتے تھے ہند نے زمین پر تیمم کیا اور عشاء کی نماز پڑھکر وہ مدینے کی طرف مُنھ کرکے بیٹھ گئی اور اُس نے رونا شروع کیا پہلے وہ آنسوؤں سے روئی پھر اُس کی چیخ نکل گئی آخر چیختے چیختے اُسے غش آگیا خدا جانے کتنی دیر تک وہ غش میں پڑی رہی مگر جب اُسے ہوش آیا تو وہی پہاڑوں کا سلسلہ تھا وہی بالو ریت تھی وہی رات کا اندھیرا تھا اُس نے ایک جوش کے ساتھ کہا اے رحمۃ اللعالمین تجھے خبر بھی ہے تیری لونڈی ہند پر کیا بن رہی ہے تو سات آسمانوں کے پرے ایک آن میں گیا اور پلٹ آیا کیا تو دم بھر میں مدینے سے میرے پاس نہیں آسکتا ہے اور مجھے اس عذاب سے رہائی نہیں دے سکتا ہے میرا ایمان کہتا ہے کہ تو بیشک آسکتا ہے اچھا پھر کیوں نہیں آتا ہے دیر کیوں لگائی ہے موت برحق ہے اور میں موت سے ڈرتی بھی نہیں ہوں مگر ڈر ہے تو یہ ہے کہ کہیں تیری جدائی میں موت نہ آن گھیرے اور میں تیرے دیدار کے لیے تڑپتی

پھڑکتی چلی جاؤں - ٥

ہجوم غم سے اُسپر تنگ ہے عرصہ بیاباں کا   بلاہے وادیِ فرقت سے مجنوں اپنی لیلی کو

انھیں باولی باتوں میں یا آہ وزاری میں یاد عا میں رات گذر گئی اور آفتاب عالمتاب نے گوشۂ مشرق سے نکلنے کی تیاری کی ہند نے صبح کی نماز پڑھی اور اُسی بیچینی اور مصیبت میں اُس نے دو ہفتہ کاٹے ہیں نہیں معلوم کہ اُس بیابان میں وہ بے آب و دانے کے کیونکر جی ایک دن شام کے قریب وہ منھ ڈھانکے رو رہی تھی جو اُسے کچھ آہٹ معلوم ہوئی آنکھ کھول کر دیکھا کہ ایک شخص پری رفتار گھوڑے پر سوار کھڑا ہے جب ہند سے اُسکی چار آنکھیں ہوئیں تو سوار نے کہا اے عورت تو کون ہے اور اس لق ودق بیابان میں جہاں بڑے بڑے بہادر سپاہی ٹھہرتے ہوے گھبراتے ہیں کیوں بیٹھی ہے اور اس بُری طرح کیوں رو رہی ہے -

ہند - مجھے ہند بنت ابی امیہ کہتے ہیں اور میری ماں کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب ہے میرا شوہر برہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا ہے میرے میکے اور سسرال والوں نے ملکر مجھے اس طرح برباد کیا ہے پھر ہند نے اپنا سارا قصہ اُس شہسوار کو سُنایا تو اُسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور اُس نے کہا یہ لوگ بڑے بے غیرت ہو گئے ہیں کہ اپنی قوم کی عورت پر یہ ظلم ڈھایا ہے اور دودھ پیتے بچے کو ماں سے الگ کر لیا ہے معاذ اللہ اُن کے دل ہیں یا پتھر ہیں اے ہند میں مکہ ہی کو جا رہا ہوں تیرے کنبہ والوں کو ضرور سمجھا دوں گا -

ہند - خدا آپ کا بہت بھلا کرے مگر یہ تو فرمائیے آپ کس قبیلے سے ہیں سوار نے کہا میں قبیلۂ بنی عامر سے ہوں اتنا کہکر اُس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو شرارۂ آتش کی طرح آنکھوں سے غائب تھا بنی عامر کے سوار نے مکہ

پہنچتے ہی دونوں قبیلوں کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اُن کے ڈھرے بکھیر دیے اور شرم کے مارے اُنھیں پسینہ آگیا جو لوگ ہندسے بچہ چھین لائے تھے وہ سب مل کر ہند کے پاس بچّہ لے کر پہنچے اور بچہ اُسکی گود میں ڈال کر کہا تو نے مسلمان ہو کر ہماری ناک تو کاٹی ہی ہے مگر خیر اب ہم درگذر کرتے ہیں تجھے اختیار ہے چاہے تو بھاڑ میں جا یا مدینے جا مگر ہمیں بدنام نہ کر اب ہم تیرے لاگو نہیں ہیں پیارا بچّہ اپنی ماں کی چھاتی سے لگا ہوا تھا اور ماں کی ماری ماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ ساون بھادوں کی جھڑی لگ رہی تھی جب مکّے والے چلے گئے تو ہند نے مدینے کی طرف سر ٹیک کر کہا اے خدا کے پیارے رسول جس طرح تو نے میرے بچّہ کو مجھسے ملایا ہے اُسی طرح تو مجھے اپنا مدینہ بھی جلدی سے دکھا دے اے اللہ کے حبیب تو جانتا نہیں ہے کہ میں عورت ذات بے زر بے پر جنگل میں پڑی ہوں کمزور اور ناتواں ہوں تیرے شہر کا رستہ کٹھن ہے اور میرا دیکھا ہوا بھی نہیں ہے مجھے جلد اپنے پاس بلا لے ہند نے زمین پر سے سر اُٹھایا تو دیکھا ایک شخص اونٹ پر سوار کھڑا ہے سوار نے ہند سے کہا اے نیک بخت تو کون ہے اور ایسے ہولناک جنگل میں اس پھول سے نازک بچّہ کو لیے کیوں بیٹھی ہے کیا تو جانتی نہیں ہے حجاز کے بیابانوں میں بادسموم (لون) کیسی چلتی ہے۔

ہند۔ سب کچھ جانتی ہوں مگر جب خدا کی مرضی یہی ٹھہری ہے کہ میں اور میرا بچہ اس بیابان میں جل بھلس کر مر جائیں تو سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے اسکے آگے ہند نے شتر سوار کو اپنی رام کہانی سُنائی تو شتر سوار زار و قطار رونے لگا پھر اُس نے اپنا اونٹ بٹھا کر اُسکا زانو باندھ دیا اور اپنی خورجی میں سے کھانا نکال کر ہند کے سامنے دھرا اور چمڑے کی چھاگل بھی اُسکا دیدیا

کھول کر لے آیا جسمیں ٹھنڈا پانی بھرا ہوا تھا خدا جانے ہند کتنے دن سے بھوکی پیاسی تھی جب اُسنے کھانا کھا کر ایک کٹورہ پانی کا پیا تو اُسکے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا الحمد للہ

سوار۔ اے ہند اب دیر نکر اونٹ پر سوار ہو جا کیونکہ مدینہ یہاں سے بہت دور ہے جلدی سے جلدی وہاں پہنچیں گے تو بھی دس دن میں پہنچیں گے سوار کی یہ مہربانی دیکھکر ہند پھولی نہ سمائی اور اپنے بچہ کو بغل میں مار اونٹ کی طرف بڑھی اونٹ کے مالک نے ہند کو اونٹ کی طرف آتا دیکھکر اپنی پیٹھ پھیر لی جب ہند اونٹ پر سوار ہو گئی تو اُس نے ساربانوں کی طرح اونٹ کی مہار اپنے کندھے پر ڈالی اور ہند کو مدینے کی طرف لے چلا جب ہند کسی ضرورت سے کہتی کہ میں نیچے اُترونگی تو اُونٹ کا مالک بہت آہستگی سے اونٹ کو بٹھاتا اور آنکھیں بند کر کے پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو جاتا اسی طرح وہ غیبی مددگار ہند کو مدینے تک لے گیا جب مدینے کی فصیل دکھائی دی تو اُس نے کہا اے ہند مبارک ہو تو مدینے کے پاس آن پہنچی مگر میرا مدینہ میں جانا مناسب نہیں ہے اب تو اونٹ پر سے اُتر اور بچے کو گود میں لے کر شہر میں داخل ہو جا۔

ہند۔ اے بزرگ آپنے جو کچھ مجھ بندی پر احسان کیا ہے اُسکا شکریہ میں ادا نہیں کرسکتی شاید باپ بھی اپنی سگی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک نہ کرسکتا کہ آپ پیدل چلے اور وہ اونٹ پر سوار ہو مگر آپ نے میرے واسطے یہ تکلیف اُٹھائی اسکا بدلہ خدا آپ کو عطا فرمائے برائے خدا آپ اپنا نام تو بتاتے جائیے۔

اونٹ کا مالک۔ میرا نام عثمان بن طلحہ ہے میں مکہ کا ہی رہنے والا ہوں یہ کہکر عثمان بن طلحہ نے اونٹ کو بٹھایا۔ ہند اونٹ پر سے اُتری اور اللہ بیلی کہکر مدینے کی طرف بڑھی اور عثمان بن طلحہ اونٹ پر سوار ہو کر مکہ روانہ ہوا۔

---

(۲)

آقائے نامدار احمد مختار ابو ایوب انصاری کے مکان پر تشریف رکھتے ہیں اور آپ کے سامنے مہاجر اور انصار سر جھکائے حاضر ہیں صحابہ کے حلقہ میں ایک شخص دبلا پتلا زار و نزار آنکھیں بند کیے بیٹھا ہے مگر اُسکی آنکھوں میں سے آنسو زمین پر ٹپک رہے ہیں حضور فرماتے ہیں اے میرے پھوپھی زاد بھائی آپ اپنا جی میلا نہ کیجیے اگر قوم نے آپ کے بیوی بچوں پر بڑا ظلم کیا ہے مگر ان دونوں کا خدا ضامن ہے اُن پر کسی طرح کی آنچ نہ آئے گی صحیح سلامت آپ سے آکر ملیں گے آہ ایک غمزدہ ایک مہجور کو تسلی دی جاتی ہے تو غم کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور اُسکا دل قابو سے بے قابو ہو جاتا ہے حضور کے اس فرمانے سے اُس مریض محبت کا جی بگڑ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اسکے رونے سے حضور کا جی بھی بھر آیا حضور کی سرشار آنکھوں میں آنسو دیکھکر سب حاضرین بیتاب ہو گئے اور دربار نبوی میں ہلچل مچ گئی حضور والا نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے جو دفعتہً ایک عورت منہ پر نقاب ڈالے گودی میں بچہ لیے حاضر ہوئی اور اس نے حضور کی طرف مخاطب ہو کر کہا السلام علیک یا رسول اللہ حضور والا نے سلام کا جواب دے کر ایک گہری نظر سے اُسے دیکھکر أنتِ هند بنت ابی امیہ عورت نے کہا نعم یا رسول اللہ روحی لك الفدا اور وہ دوڑ کر آپ کے قدموں پر گری حضور نے فرمایا مرحبا مرحبا اُدھر ہند کے شوہر نے آنکھ کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا بیوی بچے دونوں موجود ہیں پھر کیا کہا جائے کہ ہند اپنے شوہر سے ملکر اور اُسکا شوہر اُس سے مل کر اور اپنے بچے کو دیکھ کر کس قدر خوش ہوا بس یہ سمجھیے ؏

خوشا وقتے و خرم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

محدثین اور اہل سیر حضرت ہند کی کنیت ام سلمہ اور آپ کے شوہر کی کنیت ابو سلمہ اور جس نونہال کو مکہ والے چھین کر لے گئے تھے اسکا نام سلمہ لکھتے ہیں جنگ احد میں

ابو سلمہ زخمی ہو کر ایک مہینے کے بعد جمادی الاخرہ سنہ ۴ ہجری میں دار البقاء کو سدھارے اور ام سلمہ رانڈ ہو گئیں۔ چار مہینے تک آپ کا آنسو نہیں تھما کیونکہ آپ اپنے خاوند کو بہت چاہتی تھیں عدت کے بعد شوال کے مہینے میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو آپ نے انکار کر دیا آپ بارہا کہتی تھیں کہ نہ ابو سلمہ سے بہتر مجھے خاوند ملے گا نہ وہ بندی نکاح کرے گی جونہی یکایک حضور پرُ نور صلے اللہ علیہ وسلم کی توجہ آپ کی طرف مائل ہوئی آپ نے کہلا بھیجا اوّل تو میں بچّوں والی ہوں اور وہ میرے کلیجے کی کور ہیں اُنھیں میں چھوڑ نہیں سکتی اور جب اُنکی طرف جھکی رہوں گی تو حضور کی خدمت میں کوتاہی ہو گی اور میں گنہگار رہوں گی اس لیے مجھے معاف کیا جائے دوسرے میرے مزاج میں غیرت بہت ہے اور خدا رکھے حضور کے کئی کئی محل ہیں بھلا میری اُنکی کیونکر بنے گی حضور نے اسکے جواب میں کہلا بھیجا میں آپ کے بچّوں کو اپنا بچّہ سمجھوں گا اور اُنکی طرف آپ کو مائل دیکھکر بہت خوش ہوں گا اور آپ کی تنک مزاجی کے لیے خدا سے تعالیٰ سے دعا کروں گا امید ہے کہ آپ سوکنوں میں ایسے میل ملاپ سے رہیں گی جیسی سگی بہنیں ان مہربانی کی باتوں کو سن کر حضرت ام سلمہ نے فرمایا جو حضور کی مرضی میں آپ کی لونڈی دل و جان سے بن گئی چنانچہ حضرت ام سلمہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں حضرت فاطمہ اپنی سوتیلی ماؤں میں سب سے زیادہ ام سلمہ کے ساتھ ہی محبت رکھتی تھیں اور حضرت ام سلمہ بھی حضرت فاطمہ اور اُن کی اولاد کو اپنی سگی اولاد سے زیادہ چاہتی تھیں جب سیدنا و مولانا امام حسین علیہ السلام کوفے اور کربلا کو تشریف لیگئے ہیں تو اپنی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ کو ام سلمہ کے پاس ہی چھوڑ گئے تھے۔ ہمارے پیشوا چشتیوں کے سردار خواجہ حسن بصری انصاری نے حضرت ام سلمہ کے گھر میں ہی

پرورش پائی ہے اور حضرت ام سلمہ نے اپنا دودھ خواجہ حسن بصری کو پلایا ہے حضرت ام سلمہ حضور والا کی سب بیبیوں میں بڑی خوش تقریر اور عاقلہ تھیں جب اور بیویاں کوئی اپنا مدعا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کان تک پہنچانا چاہتیں تو ام سلمہ کو بیچ میں ڈالتیں آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے اس فصاحت اور بلاغت سے اس بات کو ادا کرتیں کہ حضور آپ کے منھ کو دیکھا کرتے اور فرماتے بہت اچھا آپکا کہنا مجھے منظور ہے - حضرت ام سلمہ نے سنہ ۵۹ھ میں وفات پائی -

فقیر حقیر حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی محلہ رودگراں مدرسہ اہلو تمن خاں مکان میر ظریف صاحب

غزل ظرافت

منڈنے سے صاف گیسو جانانہ ہوگیا
پھل استرے کا اتنا گرا - سشانہ ہوگیا

اچھا میں راگ لایا کہ دیوانہ ہوگیا
گانے ہی گاتے ختم سب افسانہ ہوگیا

گذرا سن شباب تو پھر کون پوچھتا
اب ترک اُن سے رسم قدیمانہ ہوگیا

افلاس جب سے آگیا اُس شاہ حسن پر
عشاق کا مزاج رئیسانہ ہوگیا

دوہرائیں اُن سے بیٹھ کے کیا سرِ مہربان
چھینک آگئی تو ختم سب افسانہ ہوگیا

قاصد کی کوئی بات بھی اب پوچھتا نہیں
محصول خط شوق کا آدھ آنہ ہوگیا

تیر نگاہ ناز چلے آئیں بائیں شائیں
اندھا کوئی ہوا تو کوئی کانا ہوگیا

تیغ نگاہ خنجر ابرو تنگ کے تیر
چہرہ کسی حسین کا سلح خانہ ہوگیا

عشاق کھا رہے ہیں قلابازیاں تمام
سرکس کا کھیل جلوۂ جانانہ ہوگیا

لیسانہ ہوکہ دوڑکے مجنوں کو کاٹ لے
لیلےٰ کا اونٹ نجد میں دیوانہ ہوگیا

عشاق میں ہے آپ کے اُلّو کی خاصیت
بیٹھے وہ جس جگہ وہیں ویرانہ ہوگیا

لائے گئے ظریف یہاں ہم کشاں کشاں
گویا مشاعرہ نہ ہوا تھانہ ہوگیا

مقبول حسین ظریف لکھنوی

قعرِ ذلت

اس مضمون میں اُس خاص اخلاقی کمزوری اور انسانی عیب پر بحث کرنی منظور ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لیے بے انتہا مضر اور بد نامی کا باعث ہے کھُلم کھُلا اُسکی طرف اشارہ کرنے سے پہلے ہم اُسکے چند ابتدائی اور ضروری متعلقات پر نظر ڈالتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) قانون فطرت کے موافق مرد اور عورت کی عام ڈگر یہ ہے کہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد اُن کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ وہ منجملہ دیگر سوشل فرائض کے انجام دہی کے بقائے نسل انسانی کی اہم اور مقدس ضرورت کو پورا کریں۔ مہذب رواج اور مذہب نے اسکا نام بیاہ شادی رکھا ہے۔ اس میں چند قیود اور ذمہ داریاں بڑی بڑی مصلحتوں کے خیال سے رکھی گئیں ہیں۔ سب سے بڑی قید یہ ہے کہ مرد کے لیے عورت کی تعداد معین ہو۔ سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ جو اولاد اس اتحاد سے نصیب ہو اُسکی پرورش اور تعلیم و تربیت کی جائے۔ ان دونوں باتوں کے ملانے سے ایک ایسا گھر قائم ہوتا ہے جس میں قانون فطرت کا اتباع سوسائیٹی کے بقار اور ترقی کا سامان۔ اور مثل انکے دیگر نفیس اور دلچسپ اجزا جمع ہوتے ہیں۔

(۲) محنت مشقت اور کاروباری زندگی کی تلخ کامیوں میں محبت اور حُسن پسندی انسانی زندگی کو بہت کچھ سمو دیتی ہے۔ محبت میں جسقدر دل و دماغ اور وقت صرف ہوتا ہے اُسکا ادنیٰ انعام یہ ہونا چاہیے کہ ایسے ساماں مہیا کیے جائیں جس سے وہ محبت پائدار ہے حُسن پسندی جو علاوہ دل و دماغ کو خاص راحت پہنچانے کے دنیا کی ہنرمندی اور بعض علوم کی ترقی کا باعث ہوتی ہے اُسکا مقتضا یہ ہے کہ اغراض نفسانی کو

اُسمیں اسقدر کم ملایا جائے کہ بالکل نہونے کے برابر ہو جائے۔ اور جہاں کہیں ضرورتاً ایسا کیا جائے وہاں اہم ذمہ داریاں قبول کرکے اسکا پورا ٹیکس ادا کیا جائے۔

(۳) اس سارے سلسلے کی بنیاد جوانی میں پڑتی ہے جو صورت شکل صحت اور اُمنگوں کے اعتبار سے زندگی کا بہترین حصّہ ہے۔

(۴) عورت اور مرد کے اتحاد کو قائم رکھنے اور اُس سے مندرجۂ بالا فوائد حاصل کرنے کے لیے اشد ضروری ہے کہ آپس میں تپاک ہو۔ خیالات اور عادات پاکیزہ ہوں۔ اور جانبین میں ایک خاص اعتماد اور ہمدردی قائم ہو

جہاں یہ سب باتیں جمع ہوں اُسے ہم ایک مہذب اور خوش نصیب گھر کہینگے جہاں یہ نہوں وہ دوزخ سے بدتر ہے مگر اس مضمون میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ گھر سے باہر جو ایک رواجی انتظام مردوں کی عارضی تفریح کا قائم ہے اُسکی بنا کن اصولوں پر ہے اور اُس سے سوسائیٹی کو کیا کیا نقصان پہنچتا ہے۔ باہر کی تفریح کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ (مرد کم [illegible] حساب سے اعلےٰ طبقہ میں) ایک حسین عورت کو شروع سے گانے بجانے کی تعلیم دی جاتی ہے [illegible] مذاق کی عادت ڈالی جاتی ہے اور مردوں کی فطرت کے کمزور قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے جسقدر گولا بارود درکار ہو وہ ہزاروں جتنوں سے اُسکے پاس جمع کیا جاتا ہے اگر اس کل انتظام کا منشار یہ ہوتا کہ کوئی معقول مرد کسی معقول عورت کا گرویدہ ہو کر عمر بھر اُسے نباہے تو بات ہی اور ہوتی اور منشار عقد تک بات قریب پہنچ جاتی۔ مگر یہاں منشا اسکے عکس ہے اور وہ یہ ہے کہ بہت سے معقول مرد گرویدہ ہو جائیں مگر عورت اُن میں سے کسی ایک کی بھی گرویدہ نہو۔ اسکا عملی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو مرد ایسے مشاغل میں پڑتے ہیں اُنمیں سے اکثر میں سے بیوی بچوں کو نباہنے کا مادہ بہت کچھ زائل ہو جاتا ہے۔ اور صحیح معنوں میں وہ خاوند یا باپ یا گھر کے

سردار بننے کے قابل نہیں رہتے۔ تھوڑے مرد ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجود باہر کی تفریحوں کے گھر کو بھی ادائے فرض سمجھ کر چلائے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا کمال کر رہے ہیں مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ کچھ بھی کمال نہیں ہے۔ اگر وہ باہر کی تفریحوں میں نہ پڑتے تو گھر ہی پر اُن کی پوری توجہ صرف ہوتی اور اُس سے کیا کچھ اعلےٰ نتائج مرتب ہوتے خیر ایسے مردوں کا تو جو کچھ حشر ہوتا ہے وہ ہوتا ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اُن عورتوں پر کیا گذرتی ہے جو باہر کی تفریح کی جان ہیں۔ غالباً اسی رعایت سے اکثر کے نام کے آخر میں جان ہوتا ہے۔ شاید یہ بھی اشارہ مضمر ہو کہ اس تفریح کے بدلہ میں جان تک برباد ہو جاتی ہے۔ روپیہ اور عزت آبرو تو ہے ہی کیا چیز۔ عورت پر یہ گذرتی ہے کہ ایک مرد کو گرویدہ کرنے کا جو خزانہ فطرت نے اُسے عطا کیا ہے وہ بہت مردوں کو گرویدہ کرنے کی کوشش میں تباہ ہو جاتا ہے اور اسلیے اُس عورت کو اپنے میں بیشمار مصنوعی کششیں پیدا کرنی پڑتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ بجائے ایک دلکش انسان کے ایک مصنوعی کل رہ جاتی ہے۔ دوسرا نقصان عورت کو یہ پہنچتا ہے کہ چونکہ یہ زندگی فطرت۔ مذہب اور اخلاق کے خلاف صرف معاش کی خاطر بسر کرتی ہے۔ اس لیے ایک نہ ایک وقت میں اُسکا نصب العین صرف روپیہ رہ جاتا ہے۔ اور چونکہ روپیہ بھی بیشتر حالتوں میں اُسکے پاس نہیں رہتا وہ آخر میں خسر الدنیا والآخرۃ کے مہیب جنگل میں سرگرداں پھرتی ہے۔ اور یا تو یوں ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتی ہے اور یا کسی اور عورت کو (اکثر صورت میں کسی معصوم لڑکی کو) اپنا جانشین بنا کر ایک مستقل عذاب کی مستحق ہوتی ہے۔

مرد جہاں تک ہو سکتا ہے روپیہ دیتے ہیں مگر اسکے علاوہ کوئی صحیح انسانی ہمدردی نہیں کرتے۔ اس لیے عورت بالکل ٹوٹے میں رہتی ہے۔

اگر مردوں کے سینوں میں دل اور دلوں میں خدا کا خوف ہو تو اس وقت ان بدنصیب عورتوں کو بچانے کی تدبیریں اختیار کریں۔ اس مختصر مضمون میں دیدہ و دانستہ ان مہلک امراض کا ذکر نہیں کیا گیا جن میں اس طبقہ کی بیشمار عورتیں مبتلا ہو کر جوانی ہی میں راہی ملکِ بقا ہوتی ہیں اور نہ اُن بیشمار رکیک حرکات کا ذکر کیا گیا ہے جو اس طبقے کی ادنیٰ عورتوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ مردوں کو یہ حس پیدا ہو جائے کہ ہائے اگر ہم اپنی ناجائز تفریح ان سے وابستہ نہ کرتے تو ان میں سے کس قدر اللہ کی بندیاں سیدھی سادی۔ خوشحال۔ گھر والیاں ہوتیں اور خدا اور انسان دونوں کے سامنے سرخرو ہوتیں۔

"نسائی"

اپنی برق دیکھکر میری رگ جاں دیکھکر — دیکھ کر لے خنجر ابروے جاناں دیکھکر
پہلے تو ناراض تھے انبوہ ارماں دیکھکر — اب بگڑ بیٹھے ہمارے دل کو ویراں دیکھکر
سر ہرا ہوتا ہے خم ابروے جاناں دیکھکر — دل تڑپ جاتا ہے نوک تیر مژگاں دیکھکر
زخم دل کو یاد ہیں چھیڑیں نگاہ ناز کی — آبلے بھر آتے ہیں خار مغیلاں دیکھکر
ہجر کے دن رات کٹتے ہیں تصور میں ترے — مہر انور دیکھکر اور ماہ تاباں دیکھکر
بال بکھرائے ہوئے بزم عزا میں آئے کیوں — سب پریشاں ہو گئے تم کو پریشاں دیکھکر
رشک سے جل بھن گیا آتشکدہ زردشت کا — میرے سینے میں فروغ آہ سوزاں دیکھکر
ہو دیا دل گلرخوں کو اب کہاں وہ تازگی — ہنس رہی ہیں ہمکو کیوں گلشن کی کلیاں دیکھکر
ہاں نہ گھبرا کر نکل جائے کہیں تصویر یار — قلب مضطر میں ہجوم یاس و حرماں دیکھکر
تیر کیونکر خم نہ ہو شمشیر کیونکر جھک نہ جائے — نوک مژگاں دیکھکر ابروے جاناں دیکھکر
ہائے کوئی بھی نہیں جو تختہ مشق ناز ہو — چپ ہیں وہ خاموشی گور غریباں دیکھکر
آسماں سر در گریباں خنجر کیں سرنگوں — سب پشیماں ہو گئے تم کو پشیماں دیکھکر
عالم دیوانگی ویران کب دیکھا گیا — ہو گئی وحشت مجھے در باب زنداں دیکھکر

کچھ جراحت میں نہ لذت پائی ہم نے ہاشمی
ہاتھ مل کر رہ گئے خالی نمکداں دیکھکر

چودھری رحم علی الہاشمی

اُردو علم صلہ

ہر زبان میں کچھ نہ کچھ ایسے الفاظ ضرور پائے جاتے ہیں جو مختلف الفاظ سے مل کر مختلف معانی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی الفاظ جو اپنی ترکیب کے بعد مختلف معانی پیدا کرتے ہیں۔ عربی اور فارسی زبان میں صلہ کہلاتے ہیں۔ مثلاً عربی میں رغبت کے معنی خواہش کرنے اور مائل ہونے کے ہیں۔ لیکن رغب کا صلہ جب عن آتا ہے تو اسکے معنی نفرت کرنے اور روگردان ہونے کے آتے ہیں۔ لفظ قال کے معنی کہنے کے ہیں قال لہ کے معنی اس سے کہا اور جب اسکا صلہ من لایا جائے تو قال منہ کے معنی اسکی طرف سے کہا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اشار الیہ کے معنی اسکی طرف اشارہ کیا اور اشار علیہ کے معنی اسکو مشورہ دیا۔

فارسی کا چمن بھی ان رنگا رنگ پھولوں سے خالی نہیں۔ فارسی زبان کے تجسس اور تلاش سے بکثرت ایسی مثالیں مل جائیں گی۔ میں یہاں اختصار کے طور پر محض سمجھانے کے لیے ایک دو مثالیں پیش کر دیتا ہوں۔ فارسی زبان میں زدن کے معنی مارنے کے ہیں لیکن یہی لفظ زدن کے بہت سے صلے میں جو ترکیب کے بعد مختلف معانی پیدا کر دیتے ہیں۔ مثالیں۔

نغمہ زدن گانا۔ حرف زدن بولنا۔ رہ زدن لوٹنا۔ گام زدن چلنا۔ جام زدن پینا۔ آتش زدن آگ لگانا۔ پنجہ در پنجہ زدن مقابلہ کرنا۔ نقش زدن لکھنا۔

اسی طرح کردن کے معنی صرف کرنے کے ہیں۔ لیکن جب اسکا صلہ تازہ [illegible] بعد بعد وا ز تو مختلف معانی ہو جاتے ہیں۔ نماد کردن تاد پڑھنا

گل کردن ظاہر کردینا غنچہ کردن چھپادینا - رو کردن متوجہ ہونا

اُردو زبان اپنی کمسنی کے باعث ان دو زبانوں کے آگے ابھی شیر خوار بچہ کہلانے کی مستحق ہے - اسکے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ اس نے ان ہی دو زبانوں سے حاصل کیا اور حق یہ ہے کہ اُردو زبان اپنے ہر مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ان ہی دو زبانوں کے چمنستان الفاظ کی گلچینی کرتی ہے اسلیے اسکا دامن بھی اسطرح کے گلہائے رنگا رنگ سے بھرا ہوا ہے میں اس حصۂ تحریر کی زیادہ تشریح و توضیح اس مختصر مضمون میں تو نہیں کر سکتا - لیکن اسکی متعدد مثالیں پیش کردوں گا جن سے یہ واضح ہوگا کہ اُردو میں بھی بہت الفاظ ہیں جو اپنے مختلف صلوں سے ملکر مختلف معانی پیدا کرتے ہیں یہ مضمون محض اپنی یادداشت سے لکھ رہا ہوں - اسلیے جہاں جہاں اساتذہ کے اشعار یاد آتے جائیں گے اُن کو بھی پیش کردونگا -

اُردو میں خاک کا لفظ اُڑانا چھاننا ڈالنا ہے ڈالنا ان صلوں کے ساتھ مستعمل ہے - خاک اُڑانا - خاک چھاننا کے معنی کسی کی جستجو اور تلاش کرنے کے آئے ہیں - ہجر مرحوم کے دو شعر یاد ہیں -

یہ میں نے خاک اُڑائی ہے یار تیرے لیے … عجب نہیں جو فلک پر بھی ہو زمیں پیدا

ولہ

صبا نے ہر چند خاک چھانی نہ ہاتھ مشت غبار کی ملا … ہوئی نہ برباد زندگانی رہی نہ ہستی کی کچھ نشانی

خاک ڈالنا یعنی عیب پوشی کرنا جلال لکھنوی -

کیا تعجب ہے چھپالے جو کفن عیبوں کو … خاک شاید مرے اعمال پہ مدفن ڈالے

خاک اڑانا اپنی غرض سے بار بار کسی کے در پر جانا جلال لکھنوی

میکدے کی خاک تک نے ڈالیے پردوں میں ہے … کس خرابا تی کی مٹی اپنی آب و گل میں ہے

دل کے لفظ کو دیکھو یہ اپنے مختلف صلوں سے مل کر کتنے مختلف معانی پیدا کر دیتا ہے

دل اُٹھنا دل برخواستن کا ترجمہ ہے جرات سہ

کیوں صبا جو ہووے گذر یار کی طرف   دل سب طرف سے آپکے جانب ڈھ گیا

دل ٹھہ جانا بھی اسی کے ہم معنی ہے جرأت

قطع جب سے ہوئی اُمیدِ وصالِ جاناں   اسطرح بیٹھ گیا دل کہ اُٹھا یا نہ گیا

دل بجھنا۔ دل بڑھنا۔ دل بھاری ہونا۔ دل پھٹ جانا۔ دل ڈوبنا غمگین ہونا۔ ناسخ

اے عزیزو آج میرا دل نہ ڈوبا جائے کیوں   اپنے یوسف کا مجھے چاہِ ذقن یاد آگیا

دل رکھنا دلداری کردن کا ترجمہ ہے۔ دل رُکنا دل بند ہونا۔ غالب کی ایک رباعی میں دل رکنا، دل بند ہونا دونوں تہہ سے ہیں غالب

دکھ جی کے پسند ہوگیا ہے غالب   دل رک رک کر بند ہوگیا ہے غالب

واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں   سونا سوگند ہوگیا ہے غالب

پاؤں اس لفظ کے بھی بہت سے صلے ہیں۔ پاؤں اُٹھا کر جانا شتاب روی۔ پا برداشتن کا ترجمہ ہے پاؤں اُٹھ جانا چلا جانا۔ بھاگ جانا۔ پاؤں اُڑانا حریف سے پاؤں خالی دینا یعنی بچا لینا۔ پاؤں بھاری ہونا عورتوں کے محاورے میں حاملہ ہونا پاؤں بھر جانا شل ہوجانا۔ پاؤں پکڑنا اور پاؤں چومنا قدمبوسی کرنا۔ پاؤں پھیرنا نئی دلہن یا زچہ کا اپنے اعزا اور اقربا کے گھر جانا یہ خاص عورتوں کی زبان ہے۔

یہ جو کچھ میں اُردو کی وسعت کو دکھا چکا ہوں۔ یہ تو ہمارے زمانہ سے پیشتر کے بزرگوں کے مساعی اور جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ اُردو کا موجودہ دور ترقی بہت خوش آیند اور مستقبل کے لیے بہت امید افزا ہے۔ اگر علمبرداران اُردو کی کوششوں کا یہی سلسلہ رہا تو کچھ روز میں اُردو زبان لطیف و پاکیزہ محاورات، تمثیلات، استعارات، کنایات اور ہر طرح کے تمدنی، معاشرتی، علمی اور اخلاقی الفاظ کی دولت سے مالا مال ہوجائے گی۔ اردو کی موجودہ رفتار نے بہت سے پُرانے محاورات

اور الفاظ کو متروک اور غیر فصیح بنا دیا ہے، اور بہت سے نئے محاورات اور الفاظ اپنے اندر پیدا کر لیے ہیں۔ آج اردو کی ترقی کا یہ حال ہو رہا ہے کہ ایک مصنف جب اپنی تصنیف کو جو دو سال پیشتر کی ہو آج دیکھتا ہے تو اسمیں اسکو بہت سے جملے کاٹ دینے اور نکال دینے کے قابل نظر آتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ موجودہ رفتار ترقی میں بعض لوگ ایسی بے اعتدالیاں کر بیٹھتے ہیں جنکی روک تھام اگر اسی وقت نہ کی گئی۔ تو آئندہ بہت برے نتائج پیدا ہوں گے۔ اس سے زیادہ کسی زبان کی بدقسمتی نہیں ہو سکتی کہ ایسے بے موقع الفاظ استعمال کیے جائیں۔ میرے ایک عزیز دوست ایک مجمع میں جہاں میرے ایک کرم و محترم بھی تشریف رکھتے تھے یہ جملہ بول اٹھے کہ میری روح فق ہوتی ہے میرے محترم جو وہاں تشریف فرما تھے انھوں نے اسکی صحت میں شک ظاہر کیا اور تھوڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ میرے دوست اودھ کے رہنے والے تھے۔ انکی رائے میں اودھ کا باشندہ ہونا ہی اہل زبان ہونے کی سند ہے۔ جوش میں بول اٹھے کہ اردو میری زبان ہے۔ میں جو کچھ استعمال کر دوں صحیح ہے میرے محترم میری طرف مخاطب ہو کر مجھسے پوچھنے لگے کہ اسکے متعلق تمھاری کیا رائے ہے۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک بھی یہ جملہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ فق ہونا اس خاص کیفیت کو کہتے ہیں جو انسان کے چہرے پر شرمندگی یا خوف کے وقت طاری ہوتی ہے جسکو دوسرے لفظوں میں ایک رنگ کا جانا دوسرے کا آنا بھی کہہ سکتے ہیں اسی لحاظ سے رنگ فق ہونا بولتے ہیں۔ ہاں چہرہ فق ہونا، رخ فق ہونا اور منھ فق ہونا بھی بولتے ہیں جیسے ذوق کے اس شعر میں ؎

اگر [illegible] اٹھاؤں — تو خورشید محشر کو تپ سے چڑھاؤں
جو گرمی داغ دل کو دکھاؤں — تو صبح قیامت کا منہ دم میں فق ہو

مگر ان تمام جملوں کی اصلیت میرے خیال میں یوں ہے۔ چہرہ کا رنگ فق ہونا

رخ کا رنگ فق ہونا۔ منھ کا رنگ فق ہونا۔ عوالناس کی زبان اور ہر وقت کے بولے جانے والے جملوں میں جس طرح اور دوسرے تصرفات ہوتے رہتے ہیں اسی طرح ان جملوں میں بھی تصرف ہو گیا ہے اور کثرت استعمال کے باعث "کا رنگ" کا لفظ ان جملوں سے حذف ہو کر چہرہ فق ہونا رخ فق ہونا منھ فق ہونا رہ گیا ہے۔ روح ایک لطیف شے ہے وہ کوئی ٹھوس جسم نہیں۔ وہ سرخی، زردی، سیاہی اور سپیدی ان تمام رنگوں سے پاک صاف ہے۔ اسلیے اسکی صفت میں فق ہونے کا لفظ استعمال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا"

بہت سی بے اعتدالیاں جو روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ انکی روک تھام بہت ضروری ہے۔ یہ بے اعتدالیاں کیوں پیدا ہوتی ہیں اسکو میں اور کسی موقع پر نہایت تشریح و توضیح کے ساتھ بتاؤں گا۔ مختصر یوں ہے کہ کسی زبان میں محاورہ بتانے، یا غیر زبان سے نقل کرنے، یا دوسری زبان کے الفاظ اپنی زبان میں استعمال کرنے کے لیے۔ بہت قابلیت، استعداد اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے۔ ورنہ کم از کم ان دو زبانوں میں تو ناقل کو پوری دستگاہ ہونی چاہیے۔

ابو الحسنات ندوی

ضروری گذارش "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں انکا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی۔ پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا انکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ جو حضرات "تمدن" کو قیمتاً نہیں منگا سکتے وہ اگر "تمدن" کو چار مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُن کی خدمت میں ایک سال کے لیے "تمدن" مفت حاضر ہوگا۔ جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُن کے پاس چھ ماہ تک پرچہ مفت حاضر ہوگا۔ جو حضرات کمیشن پر "تمدن" کی توسیع اشاعت میں کوشش کریں وہ خط و کتابت سے کمیشن طے کر سکتے ہیں۔ **منیجر**

مسلمانوں کے احسانات

ایرانی علوم و فنون پر

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

(۳)

اسلام سے کچھ پہلے چار زبانیں مستعمل تھیں (۱) دری یہ درباری زبان تھی اسمیں صرف قوانین اور ضروری کاغذات کارروائی تھے مسلمانوں نے اسکے ضروری معارف عربی میں نقل کر لیے (۲) پہلوی ایران کی علمی زبان تھی زیادہ تر اصفہان، اذربیجان، ماہ، نہاوند، ہمدان، رے وغیرہ اضلاع میں بولی جاتی تھی اس زبان کی جسقدر کتابیں دستیاب ہو سکیں عربی میں ترجمہ کی گئیں (۳) خوزیہ درباریوں اور شہزادوں کے سوا کوئی نہ جانتا تھا (۴) سریانیہ، یہ زبان اگرچہ ایرانی نسل کی زبان نہ تھی مگر ایران کے عیسائی زیادہ تر اسی زبان میں بولتے تھے، اور علمی سرمایہ بھی زیادہ تر اسی زبان میں تھا مسلمانوں نے اس زبان کے تمام بیش بہا جواہرات اپنے خزینۃ العلوم میں جمع کر کے عربی میں نقل کیا، مامون کے بیت الحکمت میں اس زبان کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لیے ایک اچھا انتظام تھا جسکے رئیس المترجمین یعقوب کندی اور ابن حنین جیسے نابغۂ روزگار حکما تھے اب ایک منصف مزاج شخص کو ضرور ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں نے مواہب ایران کی حفاظت کی نہ اضاعت[1]۔

اس زمانے میں فارس میں سات قسم کے خطوط مروج تھے (۱) دیتک دبیریہ

[1] طبقات الاطبا، کتاب الفہرست و تاریخ الحکما میں مختلف جگہوں پر یہ واقعات بیان کیے گئے ہیں

اسمیں ۳۶۵ حروف تھے اس طریقۂ نسخ میں صرف پانی کی آوازیں، ہاتھ پاؤں کے اشارے، چشم و ابرو کی حرکتیں لکھی جاتی تھیں، درحقیقت یہ ایک بہترین شے تھی اوائل میں مسلمانوں نے اسے سیکھا تھا اب غالباً کوئی اسکا واقفکار نہیں۔

(۲) راز سہریہ، بادشاہوں کے علاوہ اور لوگوں کو سیکھنا جرم تھا، مسلمانوں نے اسے بھی کسی طرح سیکھ لیا تھا چنانچہ خود ابن ندیم کو معلوم تھی (۳) شاہ دبیہ اس طریقۂ کتابت کو بادشاہوں کے علاوہ وزراء اور بڑے بڑے افسر بھی جانتے تھے۔ عام پبلک کو یہ خط سیکھنا قانونی جرم تھا کیونکہ رموز سلطنت اسی کشش کے حروف میں لکھے جاتے تھے جنکا پوشیدہ رکھنا ضروری سمجھا جاتا تھا (۴) کشتیج بادشاہ و وزیر کے علاوہ چھوٹے درجہ کے عمال سلطنت بھی سیکھ سکتے تھے کیونکہ فیصلہ جات احکام وغیرہ اسی خط میں لکھے جاتے تھے۔ (۵) نیم کشتیج ۲۸ حروف کا مجموعہ تھا، یہ خط کشتیج سے بہت مشابہ تھا طب و فلسفہ کی کتابیں انھیں حروف میں لکھی جاتی تھیں (۶) راس سہریہ ۲۴ حروف کا مجموعہ تھا منطق و طبیعیات کی کتابیں اس خط میں لکھی جاتی تھیں (۷) ناموشیہ ملک کا عام رسم خط تھا شاہ سے لے کر گدا تک اسے سیکھ سکتا تھا اسلیے اسمیں علمی کتابیں کچھ نہ ہوں گی مسلمانوں نے ان ہر ایک رسم خط کو سیکھا اور ان کے معارف اپنی زبان میں نقل کیے[1]

نیز مسلمانوں پر یورپ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فارس کے مذہبی لٹریچر کی کچھ بھی وقعت نہ کی اور اسکا ثبوت یہ دیا جاتا ہے کہ اسلام کے فاتحانہ حملوں کے بعد سے زردشتیوں کی مذہبی کتابیں کثرت سے ضائع ہوگئیں مگر انصاف سے غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اسکا ذمہ دار کون ہے۔ جمشید سے پہلے

---

[1] فہرست ابن ندیم ۱۴

ایران میں کتابت کا رواج ہی نہ تھا اسکے بعد رواج ہوا مگر زردشت کے عہد تک کوئی کتاب تالیف نہ ہوئی، زردشت کے بعد دارا کے وقت میں جب اسکندر مقدونی نے ایران پر حملہ کیا تو علوم عقلیہ کے علاوہ ایران کا تمام علمی سرمایہ برباد ہوگیا اسکے بعد سابور کے زمانے تک کسی قسم کی تصنیف و تالیف نہ ہوسکی، اسکندر کے دست تطاول سے جسقدر کتابیں بچی ہوں گی وہ اب تک موجود ہیں اگرچہ کچھ اجزا ضائع گئے ہوں تو اسکے ذمہ دار موبدان ایران ہیں جنھوں نے اچھی طرح حفاظت نہ کی۔

دین بھی یا شریعت زردشت کے حالات ہمیشہ سلطنت ایران کی ترقی و تنزل کے ساتھ بدلتے رہے کیونکہ اس مذہب نے بادشاہ کو ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت دے رکھی تھی اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جس طرح بادشاہ کی کمزوری کا اثر ملک کی پولیٹکل حالت پر پڑتا ہے اسی طرح ملک کی مذہبی حالت پر بھی پڑتا۔ ایران کے بادشاہوں کو چھوڑ و خود قباد کے عہد میں مزدک نے سلطنت پر پورا اثر جما لیا تھا۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اس غلبہ کی وجہ سے آتش پرستوں کے مذہبی لٹریچر پر کیا اثر پڑا ہوگا جب خود قباد مزدک کے پیرووں میں سے ہوگیا تھا اور آتش پرستوں کو اپنی حمایت کے لیے نوشیرواں کو ملانا پڑا۔ اس فتنہ کے رفع ہوتے ہی سلطنت پر عیسائیت نے اپنا اثر جما لیا یعنی خود نوشیرواں کا ایک بیٹا نوش زاد عیسائی ہوگیا اور اس نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور شاہی خاندان کے بڑے بڑے ارکان نے اسکا ساتھ دیا، جو لوگ نوشیرواں کا دم بھرتے تھے انمیں سے بھی چند لوگ دل میں اسی کے طرفدار تھے چنانچہ جب ہوکے سے ایک دفعہ نوش زاد کو گرفتار کر لیا تو ان لوگوں نے دانستہ اسکو بھاگ جانے کا موقع دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی کتابیں اس زمانے میں بھی ضائع ہوئی ہونگی[1]

[1] تاریخ ایران، ابن اثیر، طبری ۱۲

مسلمانوں کو اگر زردشت سے عداوت تھی تو مانی سے بھی نفرت ہوگی۔ مانی سابور کے زمانے کا ایک ایرانی عیسائی تھا جس نے نبی آخر الزمان (فارقلیط) ہونے کا دعویٰ کیا تھا، مسلمانوں کو اسکے ساتھ کوئی خاص خصوصیت نہ تھی (بلکہ مانی کو یقینی کاذب سمجھتے تھے کیونکہ وہ اگر سچا مان لیا جائے تو نعوذ باللہ رسول اللہ احمد موعود نہیں ٹھہرتے) مگر اسکے مذہب کی حسبقدر کتابیں مل سکیں قدیم فارسی اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کی گئیں چنانچہ خود مانی کے ۷۲ رسالوں اور چار کتابوں سفر الجبابرۃ، سفر الاسرار، سفر الاحیاء، فرقماطیا کا عربی میں ترجمہ کیا گیا یہی چاروں کتابیں مذہب مانیہ کا اصل اصول تھیں۔ قباد کے زمانے میں مزدک نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا، اسکا اصل اصول یہ تھا کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ایک معمولی مزدور ایک بہت بڑے تاجر اور بادشاہ کی دولت میں قانوناً برابر کا حصہ دار ہے" مسلمانوں کو جسطرح زردشت سے اجنبیت تھی اسی طرح مزدک سے بھی نفرت تھی لیکن اسکے مذہب کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ کی گئیں چنانچہ خود کتاب المزدک کا ترجمہ بنی عباس کے عہد میں کیا گیا[1]۔

طب، فلسفہ، قانون، فسانہ، تاریخ وسیر وغیرہ فنون کی جسقدر کتابیں ملسکیں بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد میں فارسی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کی گئیں انکے علاوہ اور فنون جو ایران میں موجود تھے لیکن فن کی صورت میں مدون نہوئے تھے مسلمانوں نے انکو بھی مدون کیا چنانچہ رازی، صولی، عدلی، فلاح اور ابن الاقلیدسی وغیرہ نے صرف شطرنج اور نرد پر مستقل اور مفصل کتابیں تالیف کیں۔

(۴)

حیرت ہے کہ مسلمانوں کو ایران کے علوم و فنون ضائع کرنے کا الزام دیا جاتا ہے حالانکہ مسلمانوں نے اور قوموں پر تو صرف یہ احسان کیا کہ ان کے علوم و فنون

---

[1] فہرست ابن ندیم

کو عربی میں نقل کرکے ہمیشہ کے لیے زندہ کردیا لیکن فارسی لٹریچر پر اس سے بڑھکر احسانات کیے۔ فارسی شاعری کا سنگ بنیاد مسلمانوں ہی کے ہاتھوں رکھا گیا میں اوپر بتا آیا ہوں کہ سریانی بھی فارس کی علمی زبانوں میں سے ایک زبان تھی مسلمانوں نے جہاں اور قوموں کے علوم عربی میں نقل کیے وہاں بہت سے علوم کا سریانی زبان میں بھی ترجمہ کیا چنانچہ حکیم جارج حکیم جبریل، حکیم بختیشوع کے لیے بہت سی طبی کتابیں رومی و یونانی زبانوں سے سریانی میں ترجمہ کی گئیں۔

اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام سے قبل ایران میں کس قدر کتب خانے تھے اور کیا ہوئے، فرداً فرداً علمائے ایران کے یہاں جسقدر فارسی کتابیں دستیاب ہوئیں سب عربی میں ہو گئیں، ایران میں کوئی مستقل کتبخانہ نہ تھا صرف ایک کتبخانہ کا پتہ چلتا ہے جسکا نام کُہَندِز (پرانا قلعہ) تھا اور زیادہ سے زیادہ ایک کتبخانہ جندی سابور میں بتایا جا سکتا ہے، جندی سابور کے تمام ارباب علم سلطنت عباسیہ میں اسی لیے ملازم تھے کہ نایاب و نادر کتابیں جمع کرکے عربی میں ترجمہ کرائیں اب ہم کو صرف کتبخانہ کہندز کے متعلق غور کرنا ہے۔

ابن ندیم کتاب الوزراء کا حوالہ دے کر لکھتا ہے :-

کانت الکتب والرسائل قبل ملک گشتاسب بن لهراسب قلیلة ولم یکن لهم اقتدار علی بسط الکلام واخراج المعانی بصحیح الالفاظ

گشتاسپ سے پہلے ایران میں کتابیں اور رسالے بہت کم تھے کیونکہ اہل فارس کو بتشریح بیان کرنے اور سلیس عبارت میں کچھ لکھنے کی قدرت نہ تھی۔

کتابت کا رواج جمشید کے عہد سے ہوا اور کیکاؤس تک صرف تین احکام لکھے گئے ایک تو خود جمشید کا حکم دوسرا فریدون کا تیسرا کیکاؤس کا وہ حکم نامہ جو رستم کو بھیجا گیا کہ میں نے تجھے غلامی سے آزاد کیا اور تجھے

سیجستان کا والی مقرر کیا گشتاسپ کے بعد سے ایران میں پوری طرح سے کتابت رواج ہوگیا، آہستہ آہستہ دارا کے وقت تک دو کتبخانے جمع ہوگئے ایک تو خود دارالسلطنت میں تھا دوسرا اصطخر میں سکندر مقدونی کے حملہ میں شاہی کتبخانہ بالکل برباد ہوگیا حتیٰ کہ اس نے وہاں کے کتبے بھی توڑ پھوڑ کر پھینک دیے مگر جب وہ اصطخر پہنچا تو اسے کسی طرح سے پتہ چل گیا کہ یہاں ایک عظیم الشان کتبخانہ ہے سکندر کو طب و فلسفہ کی جسقدر کتابیں ملیں انکو اسکندریہ بھیجدیا اور بقیہ کتابیں جنمیں غالباً قصص، افسانے، تاریخ و مذہب کی کتابیں ہونگی پھونک دی گئیں اسکے بعد مدت تک مذہبی اختلافات اور طوائف الملوکی کی وجہ سے ایران جہالت کی تاریکی میں پڑا رہا پھر سابور ذی الاکتاف نے ان اختلافات کو مٹا کر از سر نو ایران کی تہذیب کو زندہ کیا، نوشیروان کے وقت تک فارس کا آفتاب خط نصف النہار پر رہا پھر بہت جلد جلد ڈھلکر ڈوب گیا ان بادشاہوں نے مصر، شام، روم، یونان، چین، ہندوستان وغیرہ متمدن ممالک سے کتابیں منگا کر فارسی میں ترجمہ کرائیں اور ان کتابوں کو اصفہان میں جمع کیا، اسی کتبخانے کا نام کتبخانہ کہندز یا پرانا قلعہ ہے مسلمانوں سے بہت قبل یہ کتب خانہ گر کر خاک ہوچکا تھا چوتھی صدی ہجری میں معلوم ہوا کہ قدرت نے ہمارے لیے اصفہان میں جی رستاق کے کھنڈروں میں ایک عجیب و غریب دولت چھپا رکھی ہے، بڑی تلاش و جستجو کے بعد ۳۵۰ھ میں ابن العمید نے چند کتابیں پائیں جو بغداد بھیجدی گئیں مگر یہ کتابیں چمڑے پر لکھی ہوئی تھیں، اسلیے مسلمانوں کو اور جستجو ہوئی کیونکہ اہل ایران تو دیعنی خدنگ کی چھال پر کتابیں لکھتے تھے اس تفحص و جستجو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۵۰ھ میں بہت سی کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جنکو بڑی دقت سے حل کیا گیا پھر بھی بہت سی کتابیں نہ پڑھی جاسکیں، اس کتب خانہ میں ایک کتبہ بھی تھا جسمیں سے یہ

ظاہر ہوا کہ منجموں نے حملہ اہل غزب (اہل عرب) سے ۲۳۱ سال ۳ ماہ قبل اس حملے کی پیشین گوئی کی نیز یہ بھی بتایا کہ اگر کتابیں اصفہان میں جمع کی جائینگی تو ضرور محفوظ رہ سکینگی چنانچہ اہل غزب (عرب) کے حملے سے ۲۳۱ سال ۶ روز قبل اس کتبخانے کی بنیاد پڑی۔

(۱) تعد بھی یہی ہے کہ اصفہان کے علاوہ کسی ایسی جگہ یہ کتابیں ہوتیں جہاں مسلمانوں اور ایرانیوں میں گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں تو اس ہنگامۂ رستخیز میں شاید یہ کتبخانہ بھی ضائع ہوجاتا کیونکہ فاتحانہ جوش کا سیلاب تمام ملک کو زیر و زبر کر دیتا ہے۔

بیشک علوم و فنون کا برباد کرنا اگر انہیں احسانات کا نام ہے تو یقیناً ہم نے ساری دنیا کے علوم و فنوں کو برباد کر دیا (جسکی کوئی بین دلیل ہمارے سامنے پیش نہیں کیجاتی)۔

باقی رہا یورپ کے اعتراضات کا جواب تو کلکتہ کے بلیک ہول کا واقعہ بھی ایسا ہی دھوم دھام سے بیان کیا جاتا ہے گویا ایک مستند تاریخی واقعہ ہے اسکندریہ کا کتبخانہ جلانے کا واقعہ اس بلند آہنگی سے بیان کیا جاتا ہے گویا ایک مسلمہ امر ہے۔ عالمگیر کو اس طرح بدنام کیا گیا ہے کہ اسکے ظلم و جور کی داستانیں آج بچے بچے کی زبان پر ہیں۔

جلال ندوی

ہم سب کے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہوتی اگر ہم بہتری کی اتنی ہی زیادہ قدر کرتے جتنی بدتری کی مذمت کرتے ہیں۔

(سوفقی)

حُسنِ سعادت

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

(۹)

شکیلہ چپ ہو رہی جمیلہ نے آرام دہ طریقے سے چپی کرنا شروع کی درد کی کمی اور راحت ملنے کی وجہ سے بہت جلد نیند آگئی لیکن دماغ میں عجیب عجیب خیالات چکر لگا رہے تھے دل میں گذشتہ نادانیوں کا کانٹا کھٹک رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا خود کردہ غلطیوں کا خمیازہ مل رہا ہے سوتے سوتے چونک پڑتی تھی جسے جمیلہ آزار کا باعث سمجھ کر سہم جاتی نصف رات سے زیادہ گذر گئی ٹھنڈی ہوا سے خنکی محسوس ہونے لگی خاموشی کی فضا میں نیند نے غلبہ کیا خاصدان سے پان نکال کر کھایا آنکھوں کو پانی سے تر کیا نیند میں ذرا کمی ہوئی اس وقت شکیلہ بیخبر سو رہی تھی بیماری کا مطلق اثر نہ تھا البتہ شرمندگی اور انفعال کی وہی حالت تھی اس نے خواب دیکھا کہ وہ ایک صحرائے لق ودق میں کھڑی ہے جسکے چاروں طرف خاردار درختوں کی گنجان جھاڑیاں حائل کیے ہیں آفتاب پوری حدت کے ساتھ سطح فلک پر جلالی شان و تجمل سے جلوہ گر ہے جنگل میں ہُو کا عالم طاری ہے خون آشام درندوں کی خوفناک صدائیں ہلائے دیتی ہیں اس نے عالم اضطرار میں چاروں جانب نظر دوڑائی کوئی ممد و مددگار نظر نہ آیا انسان تو انسان اسکا نقش قدم بھی دکھائی نہ دیا گھبرا کر قدم اُٹھایا خدا کو یاد کرتی ہوئی ایک سمت روانہ ہوئی دھوپ کی تیزی سے ریگ بیابان آگ کی طرح جل رہی تھی خودرو درختوں کے بڑے بڑے کانٹے تلووں سے پار ہوئے جاتے تھے پیاس کی حد و انتہا نہ تھی لیکن وہ ہمت نہ ہاری اسی طرح تیزی سے مسافت طے کرتی رہی

چلتے چلتے دن قریب اختتام پہنچا پرندے چہچہا کر اپنے اپنے آشیانوں میں آ بیٹھے سوادِ شام کا
پرفضا منظر بھی اسی دشت ہولناک میں روح فرسا معلوم ہوتا تھا آخر تھک کر دم لینا
چاہا تو دیکھا وہی مقام تھا جہاں سے صبح چلی تھی رات ہوئی دکھیا عورت پر خوف و رجا کا
عالم طاری ہوا درندوں کی مہیب صدائیں جاڑے کی کثرت سے سرد ہواؤں کے
دلدوز تیر فنا کیے دیتے تھے اسے ایسے تغیر نے استعجاب میں ڈالدیا دوپہر کو صحرا کا موسم نہایت
گرم نمونہ دوزخ تھا رات ہوتے ہی رت بدل گئی سردی سے دانت کڑکڑانے لگے تاریکی
بڑھ رہی تھی وہ چاروں طرف جائے امن تلاش کرنے لگی ایک مقام پر پتاور کا انبار
معلوم ہوا وہ بیخوف اسمیں دبک کر بیٹھ رہی زہریلے کیڑوں کا خوف خون خشک کیے
ڈالتا تھا لیکن وقت اور سردی سے بچنے کے لیے کچھ پرواہ نہ کی خدا خدا کر کے رات
ختم ہوئی یہ عجیب بات ہے پو پھٹتے ہی آسمان سے پھر آگ برسنے لگی بجائے نسیم سحری
کے سرد سرد جھونکوں کے ہوائے تند کے جھکڑ چلنے لگے اس نے آج پھر سابق کی طرح
وہاں سے نکلنے کی کوشش کی مگر آج دوسری جانب روانہ ہوئی پاؤں میں چھالے
پڑ گئے تھے اور زبان شدت تشنگی سے سوکھ کر باہر نکل آئی تھی تمام بدن سے چنگاریاں
اُڑ رہی تھیں اور دل میں سمجھ لیا تھا اس جنگل سے جان سلامت لیجانا ممکن نہیں
نا امیدی کے بھیانک خیال نے ہمت پست کر دی اور وہ تھک کر گر پڑی نہیں معلوم
غشی کی حالت میں کتنی دیر پڑی رہی مگر جب بیہوشی سے افاقہ ہوا تو پر ہول جنگل کا
نشان بھی نہ پایا بجائے اسکے خود کو قدرت کے زمردیں فرش پہ ایک لالہ زار میں
پڑے ہوئے پایا نہ زبان شدت تشنگی سے کانٹا تھی نہ پاؤں میں آبلے تھے ٹھنڈی
ہوا کے دل خوش کن جھونکے چل رہے تھے اور صبح صادق کا نورانی منظر تھا
میوؤں کے خودرو درخت لہلہا رہے تھے ڈالیاں بار کے بوجھ سے زمین کی طرف
جھکی پڑتی تھیں دو روز گذر چکے تھے منھ میں ایک کھیل بھی اُڑ کر نہ پہنچی تھی لہذا وہ

جائے استراحت سے اُٹھی تھوڑے بہت پھل توڑ کر کھائے عمر بھر میں ایسے لذیذ میوے چکھنے میں نہ آئے تھے جب شکم پری کر چکی تو اپنے ہمجنس بنی نوع انساں کی تلاش میں ادھر اُدھر گشت لگانے لگی تمام دن چلا کی قریب شام ایک مقام پر تھک کر بیٹھ گئی یہ معلوم کر کے اُسکی حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ آسمان کی وہی کیفیت تھی جو اس نے غفلت سے آنکھ کھول کر دیکھی تھی وہی صبح کا سہانا دلکش منظر وہی ٹھنڈی ہوا کی ستارہ روشن وہی سفیدۂ سحری کی نمود اُس نے اپنے دل میں خیال کیا شاید میں بہشت میں زندہ داخل کر لی گئی ہوں لیکن ایسا ممکن نہ تھا البتہ بعض نبی اس مرتبہ پر فائز ہوئے ہیں ایک دنیادار عورت جسکا عضو عضو عصیاں میں آلودہ ہے کیونکر زندگی میں جنت کی سیر کر سکتی ہے اور ایسے جلیل القدر مرتبہ کو پہنچ سکتی ہے

ہنوز وہ اپنے خیالات میں مستغرق تھی کہ کسی غیر مانوس آواز نے چونکا دیا اس نے سر اُٹھا کر دیکھا سامنے ایک عالیشان عمارت نظر آئی جسطرح قصہ کہانیوں میں جواہر نگار مکان بنے ہوئے سنتے تھے آج آنکھوں سے دیکھ لیے قصر کی چوٹی پر ایک نشان نصب تھا جس کا ضیا بار پرچم ہوا سے لہرا رہا تھا اور اسپر نور کی سیاہی سے جلی حروف میں رقم تھا (نیک منزل) اس نے قصد کیا اُٹھکر محل میں داخل ہو لیکن آنکھ کھل گئی نماز صبح کا وقت تھا جمیلہ اسی طرح بیٹھی ہوی پاؤں دبا رہی تھی۔

شکیلہ بیگم۔ بیٹا جمیلہ تم رات بھر نہیں سوئیں بیٹھے بیٹھے شل ہو گئی ہوگی۔

جمیلہ۔ مجھے بالکل تھکن نہیں کئی مرتبہ سونے کا قصد کیا نیند ہی نہ آئی خدا کرے اب تو درد نہیں ہے۔

شکیلہ بیگم۔ شدنی تھی ہو گئی شکر ہے اب کوئی شکایت نہیں ہاں سوتے میں ایک خواب دیکھا ہے جو نماز پڑھکر بیان کروں گی۔

اسکے بعد دونوں نے نماز پڑھی پھر شکیلہ نے اپنا خواب بیان کیا جمیلہ تعبیر سمجھ گئی

لیکن کچھ نہ کہا شکیلہ بیگم نے خود ہی کہا۔

شکیلہ بیگم۔ بیٹا وہ دشت پُر خار جسے جہنم کہنا چاہیے اُن گنہگاروں کے رہنے کی جگہ ہے جنھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں زیردستوں کو تکلیفیں پہنچائی ہیں اور وہ پُر فضا صحرا جو نمونۂ بہشت تھا مع نیک منزل کے ان مستورات کے واسطے مخصوص ہے جنھوں نے دنیا میں نیکی اور ایمانداری سے زندگی بسر کی بیٹا جمیلہ گو تم سن میں مجھ سے چھوٹی ہو لیکن مرتبہ میں افضل و اعلیٰ ہو میں تم سے دست بستہ معافی کی خواستگار ہوں اور خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں آئندہ کبھی بدمزاجی نہ کروں گی کیونکہ اسی کی بدولت قعر جہنم میں گرنے والی تھی شکر ہے بہت جلد سنبھل گئی۔

جمیلہ۔ "دست بستہ" امی جان آپ کیا فرماتی ہیں میں آپ کی ادنیٰ کنیز ہوں خطا کیسی قصور کہاں کا آپ مالک ہیں اگر اصلاحاً تنبیہ کی تو کیا ہرج ہو گیا اور اگر آپکی یہی مرضی ہے کہ میں چھوٹے مُنہ سے بڑی بات نکالوں، تو آپ کی اطاعت مجھپر فرض ہے کہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں۔

شکیلہ بیگم۔ بیٹا میری یہی خوشی ہے ایکبار تم اپنی زبان سے کہدو میں نے معاف کیا۔

جمیلہ۔ بہتر ہے میں نے معاف کیا اب آپ بھی میرا قصور بحل کیجیے۔

شکیلہ۔ "گلے لگا کر" بیٹا تم فخر خاندان ہو میں نے معاف کیا میرے خدا نے معاف کیا۔

(۱۰)

قیصر اور افسر حسین علیگڈھ سے شاد کام واپس آ گئے ہیں قیصر کو صرف وکالت کا امتحان دینا باقی ہے وہ اپنی بیوی کی وفاشعاری کا تہ دل سے مشکور ہے خصوصاً اس بات سے نہایت مسرور ہے کہ اب اسکی ماں کسی پر غصہ نہیں کرتی وہ اپنی نیک نہاد بہو کو جان و روح سمجھنے لگی ہے اور افسر حسین سے بھی معافی مانگ لی ہے گھر میں خدا نے پہلے سے زیادہ برکت عطا فرمائی انتظام خانہ داری جمیلہ بیگم کے سپرد ہے جسے وہ

سلیقہ مندی اور مستعدی سے انجام دیتی ہے قیصر اسی طرح دن بھر پڑھنے میں مشغول رہتا ہے سہ پہر کو چہل قدمی کرکے جب گھر واپس آتا ہے تو جمیلہ کو کاموں میں منہمک پاتا ہے آٹھ بجے شب کو کھانے سے فارغ ہوکر وہ بھی اخلاقی کتب کا مطالعہ کرتی ہے بارہ بجے رات تک میاں بیوی علمی مشاغل اور مزیدار باتوں میں دل بہلاتے ہیں صبح سے پھر وہی معمولی طریقہ ہوجاتا ہے ایک روز حسب معمول کھانا کھاکر دونوں زن و شوہر مطالعہ میں مصروف تھے کہ جمیلہ نے ہنس کر کہا

جمیلہ - سچ ہے لاکھ کچھ ہو پھر بھی کسی نہ کسی موقع پر مرد بیوفائی کرگذرتے ہیں -

قیصر - بالعموم نہ کہو ع خدا پنج انگشت یکساں نکرد - ایک مثال میں ہی ہوں -

جمیلہ نے مسکراکر یہ ابھی کل کی بات ہے علیگڈہ سے حکمنامہ صادر فرمایا تھا جمیلہ اپنے میکے سوار کردی جائے اگر قصور دریافت کیا جائے تو جواب بھی نہ سوجھے یہ ایسی چبھتی ہوئی بات تھی کہ قیصر سے جواب نہ بن پڑا خجالت سے سر جھکا لیا چہرہ فرط ندامت سے متغیر ہو گیا جمیلہ یہ حال دیکھکر نادم ہوگئی اس نے تفریحاً ذکر کیا تھا صدمہ پہنچانا منظور نہ تھا وہ سوچنے لگی کس طرح اس ذکر کو ٹالنا چاہیے تھوڑے سکوت کے بعد بولی -

جمیلہ - من جانب اللہ یہ شرف عورتوں کو ملا ہے کہ وہ کسی کا نادم ہونا بھی نہیں دیکھ سکتیں اپنی کریم النفسی سے خطاکاروں کی تقصیر معاف کردیتی ہیں اسوقت تمہاری شرمندگی نے سفارش کرکے یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ میں نے تمہاری غلطیاں بطیب خاطر معاف کیں -

قیصر نے خوش ہوکر " میں معترف ہوں واقعی تم خدا کا نیک فرشتہ ہو جو میری زندگی کو بابرکت بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے تم جنت کی حور ہو جسے خداوند عالم نے مجھے دنیا میں عطا فرمایا ہے -

اس مختصر تقریر کے بعد جمیلہ نے حجابانہ ادا کے ساتھ سر جھکا لیا اور قیصر کا دست شوق ذوق ہم آغوشی میں جمیلہ کی جانب دراز ہوا -

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

غزلیات

(حضرت سائل دہلوی)

بیٹھے بیٹھے او دلِ ناکام یہ کیا ہوگیا — یاس کے بدلے طرفدار تمنا ہوگیا
تھا جنوں کا مادہ مجنوں کو سودا ہوگیا — جو اُسے عاشق بتاتے ہیں اُنھیں کیا ہوگیا
خاک تیرا خوگر بیداد اچھا ہوگیا — درد کے مٹنے کا دل میں درد پیدا ہوگیا
کیا بتاؤں میں ترے آنے سے کیا کیا ہوگیا — ہاتھ بھر دل بڑھ گیا دگنا کلیجا ہوگیا
اشک شوئی چاہیے تھی طالب دیدار کی — پوچھ تو لیتا تھا جھوٹے منہ تجھے کیا ہوگیا
تھا سبب رسوائیوں کا میرا ضبطِ بے محل — اسکا رونا ہے کہ رازِ عشق افشا ہوگیا
اس مثل کا اصل مطلب قبر کے اندر کھلا — چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا ہوگیا
ناگوار طبع نازک پہلے لاکھوں امر تھے — جب تمھیں دل دیدیا سب کچھ گوارا ہوگیا
دھجیاں خط کی اُڑا کر نامہ بر کو سونپ دیں — کہہ دیا بس پاسخِ عرضِ تمنا ہوگیا
نیمجاں کی جانبری کا اب تو خدشہ کچھ نہیں — خوش ہوا دل آپ کا ٹھنڈا کلیجا ہوگیا
دیکھ لیتے تھے ترے کوچے کے ہنگامے بہت — مجمع میدان محشر اک تماشا ہوگیا
ہاتھ کیا آیا دمِ نظارہ تیرے چشم تر — چادرِ اشکِ رواں سے اور پردا ہوگیا
کام آئی قیس کے اُسکے جنوں کی پختگی — جو تصور آگیا تصویر لیلےٰ ہوگیا
تجھ پہ مرنے سے ہوا ہے اشتباہ مرگ و زیست — تعبیرِ طلسمِ مرگ جینا ہوگیا

میں سمجھتا ہوں کہ سائل موجب شہرت ہے نام
لوگ کہتے ہیں اسی سے اور رسوا ہوگیا

حضرت طالب دہلوی

خار دشت جان کے چھوڑے ہے قضا نے ہمکو — وہ اگر آئیں لگا جائیں ٹھکانے ہمکو

...و برو اُس گُلِ صد برگ کے جانا ہوگا
پیرہن میں ہیں بہت پھول بسانے ہمکو

آسمانوں پہ ملائک سے کریں گے پرواز
آ گئے عقل سے اب پر بھی لگانے ہمکو

طائرِ دل کا نشیمن ہیں کسی کی زلفیں
دی ہے چوٹی کی جگہ بخت رسا نے ہمکو

چل دیا قیس اُٹھا بادیہ گردی کی بہار
دشت میں چھوڑ گیا خاک اُڑانے ہمکو

نازشِ حسن شرف اپنا ہے شکر مضمر
نعمتیں خود یہ عطا کی ہیں خدا نے ہمکو

ایک ہم - دیکھو اُسے جانتے ہیں بے دیکھے
ایک وہ - دیکھ کے جانے کہ نہ جانے ہمکو

باد و باراں سے مٹے قافلہ کے نقش قدم
خضر کا کام دیا بانگ درا نے ہم کو

چاند سورج سے چکا چوند ہے یہ عالم میں
داغ دل اور بھی باقی ہیں دکھانے ہم کو

نام پر حضرت غالب کے ہیں طالب جو نثار
نقد معنی کے لٹانے ہیں خزانے ہم کو

(حضرت صفی لکھنوی)

جی رہے ہیں انتظار وعدۂ دیدار میں
ورنہ کب کے مر گئے ہوتے فراق یار میں

...ناہ ہوں عشق ہلال ابروے خمدار میں
انگلیاں اُٹھتی ہیں مجھ پر کوچہ و بازار میں

میرے پہلو میں کبھی ہے صحبت اغیار میں
کس قیامت کا تلون ہے مزاج یار میں

اب کہاں تک خاک چھنوائے گا اے جوش جنوں
ہو گئے تلوے تو چھلنی وادیِ پرخار میں

بیشتر دل سے ہوا کھا کر ہرے ہوتے ہیں زخم
سینہ ریشان محبت جائیں کیا گلزار میں

ناتوانی سے بڑھی نازک دماغی اسقدر
سانس بھی آہستہ چلتی ہے تن بیمار میں

کیا کریں سیر بلند و پست عالم گوشہ گیر
کون کھائے ٹھوکریں اس راہ ناہموار میں

موت نے پوچھا ہمیں آکر نہ تم نے لی خبر
ایڑیاں رگڑا کیے ہم عشق کے آزار میں

رشک سے دیکھا کیے ہم یار کو ہمراہ غیر
زہر قاتل بھی ملا تھا شربت دیدار میں

ہم غریبوں کا خدا جانے وہاں کیا حشر ہو
کون پوچھے گا بھلا اتنے بڑے دربار میں

سوتے ہیں کیا بے خبر گنج لحد میں وہ صفی
نیند آتی ہی نہ تھی جنکو مکاں ستارمیں

حضرت آرزو لکھنوی

جسکی آئینۂ دل میں ابھی صورت دیکھی چھپ کے اُس دیکھنے والے کی بھی حالت دیکھی
سرحد ملک عدم ہے ترے کوچہ کی زمیں بنگئے دو دن بھی نہ بیتے کوئی تربت دیکھی
نشۂ عشق پہ غالب نہوا نشۂ مے نہ بہکتے کسی عاشق کی طبیعت دیکھی
ہمکو اپنا دلِ مایوس بہت یاد آیا خون ہوتے جو کسی شخص کی حسرت دیکھی
آخر جوشِ غم دل نہ چھپائے سے چھپا جب تھمے اشک ٹپکتے ہوے حسرت دیکھی
وہ نگاہ ہو نہیں ہوی چارہ گری اُنکی تمام گھاؤ دل کا کبھی دیکھا کبھی صورت دیکھی
پیے دیدار یہ رویا کہ گئی بینائی پھوٹتے اشک بھری آنکھوں نے قسمت دیکھی
رخصت درد محبت نہ اسے جانیے گا مر رہے یوں کہ تڑپنے کی نہ طاقت دیکھی
زرد تو زانو ہی پہ رہتے رہے اُٹھنے کے لیے صبر کی دل سے یہاں پہلے ہی رخصت دیکھی
سوزِ پنہاں تجھے اللہ سلامت رکھے شمع آندھی میں بھی روشن سر تربت دیکھی
زندگی میں تو نہ آتا دلِ محزوں کو قرار زہر اس وجہ سے کھایا کہ ضرورت دیکھی
رہ گیا کاٹ کے ہاتھوں کو ترا سودائی جب گریباں سے اُلجھنے کی نہ طاقت دیکھی
دل سے اک آہ خدا جانے یہ کیسی نکلی جانے والے نے پلٹ کر مری صورت دیکھی
دونوں آنکھوں سے گرے نزع میں دو قطرۂ خوں یوں نکلتے ہوے دیدار کی حسرت دیکھی

آرزو جس پہ سفید و سیہ عالم سے تھے
صبح فرقت کبھی گر شام مصیبت دیکھی

حضرت محشر لکھنوی

[illegible] ملزم بھی کبھی الزام سے پہلے مرا دل لیلیے اے ساقی حوالے جام سے پہلے

تڑپنا ہمنفس کا کونسی آنکھوں سے دیکھیں گے
خدایا ہمکو موت آئے دلِ ناکام سے پہلے

سحر تک اب جگایا کرتے ہیں نالوں سے دنیا کو
گئے وہ دن کہ سو رہتے تھے جب ہم شام سے پہلے

چلے ہو جلوہ گاہِ دوست میں میرا کہا مانو
اجازت لیلو اے موسیٰ دلِ ناکام سے پہلے

طلسمِ دلفریبی ٹوٹتے ہی ہو گئی شہرت
نہ تھے آگاہ دنیا والے تیرے نام سے پہلے

امید کامیابی خود بتا دے گی کہاں بیٹھیں
میانِ میکدہ آئے ہیں دورِ جام سے پہلے

دلِ کار آزمودہ پوچھتا ہے اس سے کیا کہدیا
ستم کیا ہوگا بتلا دو ہمیں الزام سے پہلے

اُٹھا کر زیست کی سختی نہ کیونکر سوؤں تربت میں
قسم کھاتا ہوں میں واقف نہ تھا آرام سے پہلے

خداوندا دلِ نازک کی ہستی کوئی ہستی ہے
اجل آتی ہو جسکو شامِ غم انجام سے پہلے

جوانی آتے ہی بیٹھے ہو بنکر قاتلِ عالم
وہی تم ہو کہ ڈرتے تھے ستم کے نام سے پہلے

شبِ فرقت کی اندھیاری نہ جانے رنگ کیا لائے
جلا رکھی ہیں شمعیں سارے گھر میں شام سے پہلے

غمِ فرقت وصالِ دوست کی تمہید ہے محشر
کہ ہوتی ہیں ہزاروں زحمتیں آرام سے پہلے

جناب سید محمد جعفر حسین عرف محمد صاحب بہار لکھنوی

شبِ غم ہر نفس کھنچکر نکلتا ہے مرے دل سے
مصیبت کا ذرا سا وقت بھی کتنا ہی مشکل ہے

معاذ اللہ سُننا اُنکا کب خالی ہے مشکل سے
وہ فریادیں جو نکلی ہوں کسی حسرت بھرے دل سے

یہ کیوں دنیائے ناکامی میں ہلچل ڈالدی تو نے
ارے اودھر جھکا کر جانے والے کون قاتل ہے

خلافِ وقت تنہا قافلے والوں سے پوشیدہ
خدا جانے کہیں کس کی ہی میں چل نکلا ہو بسمل دل

معاذ اللہ وہ چبھتی ہوی تقریر کے فقرے
یہی نشتر وہ ہیں جنکی کھٹک جاتی نہیں دل سے

ارے توبہ کھنچا رہنا بھی اُنکا کیا قیامت ہے
ملے بیٹھے ہیں لیکن پھر الگ ہیں ساری محفل سے

نظامِ عالمِ ہستی پسند آتا نہیں بالکل
خدا محفوظ رکھے میرے گھبرائے ہوئے دل سے

بجا ہے آتے ہی نسبت دیکھ قاتل کی آنکھوں میں
یہ کیسے ابھرے اٹھتے ہیں ارماں گرم بسمل سے

خداوندا کشش اتنی کسی کی کج ادائی میں	بڑھیں اسکی نگاہیں کیا کہ دنیا پھر گئی دل سے
زمانے بھر کی بیچینی خدائی بھر کی مایوسی	ہجوم رنج کا کیا پوچھنا آوارہ منزل سے
ہلا دیتے ہیں اب دنیا ے حسن عشق کو نالے	زمانہ متفق ہونے لگا بے تابیِ دل سے
مناسب جو مشیت کارساز حسن الفت کی	کوئی مختار ہے دل کا کوئی مجبور ہے دل سے

بہار اب اس امید و بیم کی دنیا میں جو کچھ ہو
اٹھے جاتے ہیں ہم تو اک شکایت لیکے محفل سے

جناب نواب علی صاحب ہاشمی مرہانی

محفل میں ترے شور کا جب سے ہے پڑا ضبط	کی ہم نے بھی فریاد و فغاں آہ و بکا ضبط
کچھ تو دلِ شوریدہ کی سوزش میں کمی ہو	دے ایک ہی نالے کی مجھے روز رضا ضبط
تھا خون بہا ٹھہرا لب جاں بخش کا بوسہ	ظالم نے مجھے قتل کیا اُسکو کیا ضبط
دیکھا غم لعلِ لب دلدار میں آخر	خوں ہو کے بہا آنکھوں سے دل جب نہوا ضبط
ہو لاکھ غم ہجر پہ اُف تک نہیں کرتا	دل ضبط پہ عاشق ہے مرا دل پہ فدا ضبط
گو حق تھا پہ لب تک اُسے ہم لاے نہ ہرگز	کمظرف تھا منصور جسے ہو نہ سکا ضبط
خاموشی پہ کیا ناز ہے آنسو تو نہیں بند	اے شمع ابھی سیکھ مرے دل سے ذرا ضبط
پوشیدہ رکھا دل نے تو الفت کا بہت راز	آنکھوں نے مگر فاش کیا جب نہ ہوا ضبط
کیا کہتا ہے ناصح کہ نہ کیوں تو نے کیا ضبط	فرقت میں رہا نالۂ دل کا نہ ذرا ضبط

ہو ہاشمی یثرب کو رواں ہند سے جلدی
اب آ نہیں سکتا دل بیتاب سوا ضبط

حضرت عشرت لکھنوی

ہم اسیرانِ ہوا و حرص ہیں دنیا قفس	سب سمجھے تھے جسکو نشیمن ہے وہی اپنا قفس
جسم مردہ میں ابھی دم بھر نہ روح ناتواں	اُڑ کے پہنچی باغ میں بلبل جہاں ٹوٹا قفس

کیا قلق کرتا ہے دم اپنا فراق یار میں — گھر نظر آتا ہے مجھ عاشق کو سرتا پا قفس
صدقے ایسی قید پر کیں سیکڑوں آزادیاں — مہرباں صیاد ہے اچھے سے ہے اچھا قفس
تنگنائے دہر میں آہوں کی گنجائش کہاں — آشیاں تو دور ہے چھوٹا سا ہے اپنا قفس
کچھ طبیعت ہی اسیری دوست ہے ورنہ اگر — اُف کروں تو جل کے خاکستر بنے سارا قفس
چار دن کی زندگی ہے بلبل ناشاد کی — اب اسیری ہو کہ آزادی نشیمن یا قفس

زندگی بھر قیدی آلام اے عشرت رہا
چار دیوار عناصر بھی مجھے میرا قفس

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دل سے میں کہہ رہا ہوں تجھ پر ہوا فدا میں — دل مجھ سے کہہ رہا ہے او بے خبر جلا میں
وہ نزع کی خموشی جام جہاں نما تھی — اک عمر کی کہانی دم بھر میں کہہ گیا میں
تڑپا دیا ہے دل کو شاباش ہمصفیرو — یوں ہی پھر اک صدا دو توڑا قفس چلا میں
لے کاہش محبت کیا اور چاہتی ہے — تیرا دیا مرض ہے پیتا نہیں دوا میں
دل کی جراحتوں کے مرہم کہاں سے لاؤں — پھٹتا رہا وہ دامن جسکو سیا کیا میں
ویرانۂ قفس میں باتیں کروں تو کس سے — پہلے سے سننے والے ہوتے تو بولتا میں
راحت ملی علائق دنیا کے قطع کر کے — گلشن میں نیند کھوئے کھاتا رہا ہوا میں
رکھتا ہے خیر کتنا کاشانۂ محبت — دل نے نہ مڑ کے دیکھا دیتا رہا صدا میں
پھر اور کس طرح سے اُجڑے مکاں کو سجتا — قصر لحد میں آکر تصویر ہو گیا میں
خاموش شمع محفل کیا تجھ سے ہم سخن ہوں — تو بے زباں نہ ہوتی تو حال پوچھتا میں

قبروں پہ میں نے ثاقب پھونکا دل و جگر کو
کچھ اور تھا نہ ممکن شمعیں جلا گیا میں

المذہب

جو احباب مجھ سے واقف ہیں وہ اس بات سے بھی واقف ہیں کہ باوجودیکہ مجھکو اپنی پبلک حیثیت میں تبلیغ اسلام کا شوق ہے مگر مجھکو دیگر مذاہب کی نکتہ چینی اور فرقہ بندی اور دل آزاری کی باتوں سے دلی نفرت ہے۔ میں نے دیگر مذاہب کے مطالعہ میں تھوڑا سا وقت صرف کیا ہے اور اُنکی خوبیوں کا بھی معترف ہوں عرصہ دراز سے میری خواہش تھی کہ ایک ایسا ماہواری رسالہ جاری کیا جائے جسمیں حقانیت و فضیلت اسلام کے مضامین کے ساتھ نہایت بے تعصبی کے ساتھ دیگر مذہب کی خوبیاں بھی بیان کی جائیں اور وہ رسالہ گویا کل مذاہب کا ایک آئینہ خانہ ہو جسمیں ہر مذہب کا خط و خال روشن طور پر نظر آئے۔ بحمد اللہ تعلیم یافتہ گروہ کا مذاق بھی اب اس خیال کا موئد معلوم ہوتا ہے اور اسلیے اس قسم کا ایک ماہوار رسالہ المذہب کے نام سے انشاء اللہ عنقریب دفتر رسالہ تمدن سے جاری کیا جائیگا۔ قیمت سالانہ ... نمونہ کے پرچہ کی قیمت ... درخواستیں بنام مہتمم رسالہ المذہب روانہ فرمائی جائیں۔

میں ادب کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ ہر فرقہ و مذہب کے اہل قلم حضرات مندرجۂ بالا خیال کے موئد ہوں مضامین عنایت فرمائیں۔ نیز جملہ احباب اور حضرات اسکی توسیع اشاعت میں مدد فرمائیں۔

مقصد اصلی یہ ہے کہ فلسفہ سائنس اور دیگر علوم جدیدہ کی روشنی میں مذہب کی صداقتیں اور خوبیاں بنی نوع انسان پر ظاہر کیجائیں اور انکے واسطے راحت حقیقی [illegible] حاصل کرنے کی وہ تین ... کے ساتھ ... کی ...

[illegible]

ریویو

"رحمۃ للعالمین" مصنفہ جناب قاضی محمد سلیمان صاحب سشن جج بھٹنڈہ ریاست پٹیالہ
حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح مبارک پر مشتمل ہے۔ صاحب مصنف نے
رسول مقبول صلعم کی ولادت مبارک، زمانۂ طفولیت، قبل از نبوت، نبوت، تبلیغ [illegible]
مسرت آیات کے حالات کو نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند فرمایا ہے۔ قرآن مجید، احادیث
نبوی، اخبار، آثار، انجیل و صحف مقدسہ اور تاریخ کے حوالہ جات موقع بہ موقع درج کیے
ہیں جس سے اس مبارک تصنیف کا مایۂ امتیاز بہت بڑھ گیا ہے۔ متنازعہ فیہ مسائل کو
ایسی خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ گویا وہ کبھی متنازعہ فیہ نہ تھے۔ طرز استدلال، طرز بیان
اس قدر سادہ اور اچھوتا ہے کہ گویا کوئی باتیں کر رہا ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب اس وقت
تک عدیم المثال ہے، اور یقین دلاتی ہے کہ اس کی دوسری اور تیسری جلدیں اپنی خوبیوں
سے مملو ہوں گی۔ ہر مسلمان کے گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے، تاکہ آنکھوں کو نور،
دل کو سرور، ایمان میں لذت اور طاعت میں حلاوت پیدا ہو۔ حجم ۳۲۰ صفحے
۱۸×۲۰ ولایتی چکنے کاغذ پر عمدہ چھپائی قیمت [illegible]، حضرت مصنف کے پتہ سے
مل سکتی ہے۔

"رہنمائے مسافران ریلوے" ۔ بابو ہری نرائن مداس صاحب کلرک دفتر ڈسٹرکٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ
[illegible] نارتھ ویسٹرن ریلوے نے مذکورۂ بالا نام کی ایک کتاب ریل کے مسافروں کی آسانی کے لیے
تصنیف کی ہے۔ کتاب میں ہر چھوٹے بڑے شہر کے متعلق مختصر حالات درج کیے گئے ہیں جو مسافروں
کے لیے [illegible] ہیں۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہمارے سامنے ہے گو یہ پہلے ایڈیشن کے [illegible]
[illegible] ۲۸۰ صفحہ کی کتاب ۲۶×۲۰ سائز پر چھاپی گئی ہے۔ قیمت
[illegible]



نمبر ۵۵ - یہ ... چابی سے چالی ... مضبوطی صحیح ... کی قیمت ...
نمبر ۲۵ قسم ... کیس
قیمت پانچ روپیہ
نمبر ۵۵ چاندی کا کیس قسم اعلیٰ
... نہایت درجہ
کی ... گارنٹی ۵ سال قیمت
صرف ... روپے
آٹھ ... نہیں
... قیمت ... روپیہ

نمبر ۱ بند کیس منقش ... چابی کی نہایت خوبصورت ... چال مضبوط صحیح وقت دینے ... گارنٹی ۳ سال قیمت
چار روپیہ آٹھ آنے۔
نمبر ۲۶ یہ بھی گھڑی ... گولڈ ... قیمت پانچ روپیہ

عکسی قرآن شریف

... گھڑیاں ... کی ... نہایت درجہ کی خوبصورت ... صحیح وقت دینے والی ہیں گارنٹی ۳ سال نمبر ۲۴ سفید اور سیاہ
چار روپیہ آٹھ آنے
نمبر ۲۵ - ... کی ... روپے
... اندھیرے میں ... وقت بتلاتی ہے ... کیس ... سیاہ کی قیمت ...
... چاندی کی ... گارنٹی ۵ سال ...

نمبر ۲۹ - یہ گھڑی ایک خوشنما ... چوڑی میں جڑی ہے ... دو گھڑی ... سے جو بالکل ... معلوم ہوتی ہے گارنٹی ۳ سال قیمت ...
نمبر ۳۰ موافق نمبر ۲۹ ... گھڑی کی چوڑی پر ... قابل دید ہے
... قیمت ... روپیہ
... ایک ...

المشتہر مولوی لطف اللہ خان ... منیجر ...

تمدن بک ایجنسی لکھنؤ

ناولہائے قاری | قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید سعادت۔ شاہد رعنا جو دوبار چھپکر قدردانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوا لئے گئے ہیں۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جس میں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت عہ

اسلام بائی قاری | قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ۔ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھاپ کر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصولڈاک ۱۲ ا سے ہے۔

تہذیب الاسلام | جسمیں فلسفۂ یورپ کی تحقیقات موجودہ و تمدن و سائنس جدیدہ کے انکشافات کو اسلام کے مسائل خفیہ کے ساتھ تطبیق اور محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے اور مسلمانوں کے عروج و تنزل کا اصلی سبب بیان کیا گیا ہے قیمت فی جلد علاوہ محصولڈاک ۸ ر

حیات سرور کائنات | قیمت فی جلد ۶ ر

شکوہ | ترجمان حقیقت ڈاکٹر اقبال کی شہرۂ آفاق نظم قیمت ۱ ر

عذر شکوہ | ڈاکٹر اقبال کے شکوہ کا جواب قیمت ۲ ر

جواب شکوہ | ڈاکٹر اقبال کے قلم سے شکوہ کا جواب قیمت ۲ ر

مسدس حالی | مولانا حالی مرحوم کی مسدس مد و جزر اسلام اور ضمیمہ مع سوانحعمری مولانا حالی مرحوم پاکٹ ایڈیشن پر نہایت صحت و صفائی کے ساتھ چھاپا گیا ہے قیمت فی جلد ۸ ر

لسان الغیب | ڈاکٹر اقبال نے اپنی مثنوی اسرار خودی میں جو حافظ شیرازی پر نکتہ چینی کی ہے اس کا جواب قیمت فی جلد ۲ ر

المذہب

اس نام کا ایک ماہواری رسالہ معقول تعداد خریداروں کی مہیا ہونے پر دفتر رسالہ "تمدن" پل جھاؤلال لکھنؤ سے بسرپرستی قاری محمد سرفراز حسین صاحب دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان۔ پرائیوٹ مشنری اوف اسلام انشاءاللہ عنقریب جاری کیا جائیگا۔

اس رسالہ میں ایسے مضامین درج ہوں گے جنمیں مذہب کی خوبیاں فلسفہ عقلی۔ سائنس اور دیگر جدید علوم کی رو سے بیان کی جائینگی اور تعصب۔ فرقہ بندی اور دل آزاری کی رکیک باتوں سے قطعاً احتراز کیا جائیگا۔ نیز کوشش کیجائے گی کہ جدید علوم کی روشنی میں عقل و نقل کو جمع کرکے انسانوں میں اعلے دینی و اخلاقی جذبات پیدا کیے جائیں حقائق و فضیلت اسلام کا ظاہر کرنا اس رسالہ کا ممتاز فرض ہوگا مگر دیگر مذاہب کی خوبیوں سے ہرگز ہرگز چشم پوشی نہ کیجائے گی اور جملہ ادیان ملل کیساتھ کماحقہ انصاف کیا جائیگا قیمت سالانہ تین روپیہ نمونے کے پرچہ کی قیمت ۴/-

درخواستیں بنام منیجر المذہب۔ پل جھاؤلال لکھنؤ۔ ارسال فرمائی جائیں۔

بیگم

اس ماہواری رسالہ کا واحد مقصد نظم و نثر میں خواتین کے لیے مفید و دلچسپ مضامین جمع کرنا ہے [illegible] صاحبہ (رخ ج) بیگم اہلیہ قاری محمد سرفراز حسین صاحب دہلوی (علیگ) کی [illegible] [illegible] انشاءاللہ عنقریب جاری کیا جائیگا قیمت سالانہ [illegible]

درخواستیں بنام منیجر رسالہ بیگم پل جھاؤلال لکھنؤ ارسال فرمائی جائیں

شعلہ بھڑکا

اور گذشتہ مہینوں میں اچھی طرح بھڑکا - اس نے دلوں میں محبت کی لو لگائی اور اچھی طرح لگائی کامیابی جو پہلے ایک چھوٹی سی چنگاری کی طرح چمکتی تھی اب انگارہ نظر آنے لگی - اسی لیے ہماری ہمت بھی یہاں تک بڑھی کہ ابھی سے ہم اسکی قیمت گھٹانے کی سوچیں جس سے مطلب صرف اتنا ہے کہ ہمارا شعلہ کم سے کم ہندوستان کی تین کروڑ آبادی میں تیس ہزار سوختہ دلوں کو آتش حقیقی سے جلانے کے لیے منتخب کرے - اس لیے

اعلان کیا جاتا ہے

کہ جن خریداروں کی درخواستیں ایک مہینے کے اندر اندر موصول ہوں گی انہیں شعلہ بجائے دو روپیہ آٹھ آنے ([illegible]) کے ایک روپیہ بارہ آنہ ([illegible]) میں روانہ کیا جائے گا - غریب طلباء سے [illegible] سالانہ پیشگی لیا جائے گا -

ایسا شاندار رسالہ اتنی سستی قیمت پر بالکل مفت ہے جو لوگ اپنے دل [illegible] کو شعلہ کی نورانی آگ سے جلانا پسند کرتے ہیں - انکو چاہیے کہ

درخواست خریداری

[illegible] شعلہ دہلی کے [illegible]

[illegible]

[illegible] شعلہ دہلی

جولائی سنہ ۱۹۱۶ء

تمدن

معاشرتی ۔ تمدنی ۔ ادبی ۔ فلسفی ۔ اخلاقی ۔ تاریخی اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ایم ۔ اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری

محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

[illegible] پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا

قیمت [illegible]   مقام اشاعت [illegible] لکھنؤ   [illegible] کی قیمت [illegible]

قواعد

(۱) تمدن ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شایع ہوتا ہے
(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے
یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے
ہوے ہوں درج تمدن نہیں ہوتے۔
(۳) مضامین نظم دفتر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک
آجانے چاہئیں۔
(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں
درج ہو چکا ہو اُس کو تمدن کے لیے ارسال
نہ کرنا چاہیے۔
(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی
غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی
ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر
چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔
(۶) ناتمام مضامین درج تمدن نہیں ہو سکتے۔

عجیب خبر

آلہ سیر عالم کو سرھانے کے نیچے رکھکر سونے سے اندر والا جسم سے باہر نکل کر عالم بالا میں پرواز کرتا ہے تم سونے سے پہلے سیر عالم سے کہدو اور وہ تمھیں حسب منشاء آبشار نیاگرا یا کشمیر کی پُرفضا سبزہ وادی یا سوئٹزرلینڈ کے سر بفلک پہاڑوں کی سیر دکھادیگا اور تمھیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ہوا میں اُڑتے اُڑتے وہاں کی سیر کر رہے ہو اور جسم تمھارا گھر میں چارپائی پر پڑا ہوا ہے۔ ان مزیدار سیروں سے ایسی خوشی حاصل ہوگی کہ اسکے مقابل میں دنیا بھر کی خوشیوں کو ہیچ و پوچ سمجھوگے۔

نوٹ :- اوپر کی خبر پڑھکر تم کتنے حیرت کیوں بنے جاتے ہو۔ سوکیو تمھارے دلمیں رفتہ رفتہ شک سا کچھ لینا شروع کیا ہے تم سچ رہے ہو کہ ضرور یہ آلہ کوئی بے وقت کا ہے فضول ہوگا۔ لیکن عالی جان خدا شاہد ہے ہمیں مبالغہ نام کو شامل نہیں دور کیوں جاؤ آج ہی روح معلمہ دی پاسٹر زنیم آفس بلیسنگ کے نام ایک خط لکھکر آزما دیکھو۔

تمدن

اپنے ساتھ وفاداری

زاں تخم کہ بود در دل ما گلہا بشگفت از گل ما

وفاداری ایک ایسا جوہر ہے جسکی قیمت ہر وقت اور ہر بازار میں ہمیشہ خصوصیت رکھتی ہے جہاں وفاداری ہوتی ہے وہاں دیگر اچھی اچھی خصوصیتیں بھی قیمت میں گھٹ جاتی ہیں۔

حُسن اوصاف انسانی میں ایک ایسی صفت ہے جو بعض اوقات اپنی شہرت اور اپنی وقعت میں بہت کچھ برتری رکھتا ہے اور اسکے تاثرات دل ودماغ کے واسطے ایک بڑی حد تک جاذب اور موثر ثابت ہوئے ہیں حسن میں ایک ایسی طاقت خداداد ہوتی ہے کہ بڑے بڑے مضبوط دل ودماغ والے انسان بھی اسکی کشش سے کمزور پڑ جاتے ہیں اور اسکی زد سے بمشکل ہی بچ سکتے ہیں۔

آں چناں کرد عشق داغ مرا کہ ندادہ ماند نے دماغ مرا

جو دل حس رکھتا ہے جس میں قدرت کی خوبیوں اور دلاویزیوں کا احساس ہے جو دماغ قدرت کے محاسن اور مناظر کا نقاد ہے وہ کسی قدرتی خوبی قدرتی عمدگی اور قدرتی دلاویزی کے مقابلہ میں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو لوگ ایسا جذبہ نہیں رکھتے وہ گویا دل و جگر ہی نہیں رکھتے۔

احساسِ محاسن نہیں رکھتا ہے جو دل،
کوئی اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

حُسن صرف انسان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں کائنات میں اور بھی صدہا ایسی ہستیاں ہیں کہ جو اپنی فطری۔قدرتی دلاویزیوں اور خوبیوں کے اعتبار سے حسن موثر حسن جذاب رکھتی ہیں اُن کا حسن انسانی حُسن سے کم نہیں ہوتا انسانی حُسن بیشک ایک حُسن ناطق ہے لیکن دیگر اشیاء کا حسن اور دلاویزی بھی زبان حال رکھتی ہے اگر بہت سی روحیں انسانی حُسن کی دلدادہ ہیں تو بہت سی دیگر حُسن کائنات کی بھی مشتاق و دلدادہ۔ اور نا تو رہیں انسانی حُسن باوجود اس قدر عظمت احترام تاثرات اور جذبات کے بھی چند ہی روز کا مہمان ہوتا ہے بلکہ گردشیں فیصدی پانچ بھی اقرار اور جذب نہیں رہتا بلکہ بمصداق اس فلسفے کے کہ جب کوئی لطیف شے کثیف ہستی پکڑتی ہے تو از خود بگڑتی ہے صدہا حسین مرد اور حسینہ عورتیں دنیا میں ایسی بھی گذری ہیں کہ جنکا حُسن جنکے حُسن کی دلاویزی ایک اعجاز رکھتی تھی لیکن چند ہی روز گذرنے کے بعد ایک ہی عارضہ سے اُنکا حسن اور اُنکے حُسن کی دلاویزی اور گرم بازاری ایسی سرد پڑتی اور ایسی کافور ہوئی کہ ان کے چاہنے والے بھی اُن کے ذکر اور اُن کے نام سے متنفر اور بیزار رہتے تھے۔

واقف چہ شد امروز گرگشت آفت جانم
جانانہ کہ دیروز مرا راحتِ جاں بود

ظاہری شکل و صورت ظاہری نازو ادا ظاہری موثرات ظاہری جذبات اور ظاہری دلچسپیاں کچھ دنوں کے بعد تو تمام پڑھجاتی ہیں اور وہ شوق وہ آرزو جو شروع میں ہوتی ہے اخیر میں رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے اُس وقت ان سارے محاسن اور خوبیوں سے مقابلے میں حسینوں میں صرف ایک ہی خوبی دیکھی جاتی ہے صرف ایک ہی حُسن کو وقعت دی جاتی ہے وہ کیا ہے جسے دنیا میں۔

"وفا کہتے ہیں"

"یا حُسن وفا"

ایک جاں نثار طالب کے واسطے اس سے زیادہ کسی مطلوب میں کوئی بھی حُسن اور کوئی بھی خوبی نہیں ہوتی جو (وفا) سے زیادہ قیمتی محترم موثر و جذاب ہو یہ خوبی یہ حسن ایک حسین کی تمام نقوشی اور ظاہری خوبیوں سے بازی لیجاتی ہے جب یہ خوبی نہیں ہوتی طالب کی طلب آرزو رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے اور ایک طالب کے واسطے ایک حسین یا ایک مطلوب کی ساری خوبیاں ایک سراب سے زیادہ قیمت اور زیادہ ہستی نہیں رکھتیں۔ جب ایک طالب ایک طرف نمایشی نقش و سراپا اور خط و خال دیکھتا ہے اور اپنے دل و دماغ میں تاثیرات کا ایک ہجوم اور تموج پاتا ہے اور دوسری طرف عہد و وفا میں کمی اور انحرافات دیکھتا ہے تو باوجود تاثیرات حُسن اور جذبات خوبی کے اُس کا دل اور اُس کا دماغ خود آپ ہی اپنے اندر اور اپنے جوف میں ایک ایسی نفرت اور کدورت پاتا ہے کہ تمام قسم کی دلاویزیاں جو حُسن مطبوع کی بدولت اُسکے دل و دماغ میں منقش اور متموج ہو چلی ہیں محو ہوتی جاتی ہیں اُسکا غصہ اُسکی نفرت اُسکی بیزاری اور اُسکا قلق یہانتک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اُس حُسن اور اُس دلاویزی کے مقابلے میں ایک صورتی ایک بت سے پن کو اس وجہ سے وقعت اور ترجیح دیتا ہے کہ اُن پر نا

نقوش اور ناخوش آیند خط و خال کے ساتھ جوہر (وفا) وہ آب و تاب رکھتا ہے کہ تمام عیوب اور کمیوں کا ایک خوبی کے ساتھ معاوضہ حسنہ ہوجاتا ہے اور ایسے طالب کے تمام جذبات حسن یا انتخاب حسن بدصورتی کی جانب منتقل ہوکر صرف عہد (وفا) کے خادم اور تابع ہوجاتے ہیں اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ

حس حسن کے ساتھ وفا نہیں جو خوبی و وفا سے بعید ہے وہ محض نمایشی کیفیات کی وجہ سے بہت ہی کم پرستش طالبانہ کے قابل سمجھی جاتی ہے جو حسن جو بدصورتی عہد وفا کی پرستار اور نمایندہ ہے وہ اخیر تک طالب کی نگاہ میں ایک عزت اور ایک احترام رکھتی ہے اور باوجود مدتیں گذرنے کے بھی اور باوجود ظاہری خط و خال اور نقوش کی تبدیلی اور بھدے پڑجانے اور سالخوردہ ہونے کے بھی اُسکے تاثرات حسنہ اور جذبات موثرہ میں فرق نہیں آتا خط و خال (وفا) ہمیشہ قائم اور زندہ رہتے ہیں اُن میں بجائے فرق اور کمی آنے کے ایک حسن اور ایک جوبن ترقی پذیر ہوتا رہتا ہے۔

جب عہد وفا کا یہ احترام اور یہ اکرام ہے تو اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ انسانی کائنات اور انسانی تمدن کے حق میں اُسکی ضرورت کہاں تک ہوگی ہمیشہ لوگ اس بات کے خواہاں اور جویاں رہتے ہیں کہ

"دوسرے لوگ دوسری ہستیاں اُن سے وفا کریں"

"یہ عہد اُن کے ساتھ پورا ہوتا رہے"

"وہ اوروں کے ساتھ وفاداری سے پیش آئیں"

"اور لوگ اُنھیں وفادار جانیں"

"دنیا میں اور کائنات انسانی میں اُنکی وفا اور وفا شعاری کا سکہ بیٹھے"

"یہ خواہشیں [illegible] نہایت مبارک اور نہایت ثمرآور ہیں اُن کے حسن اور

احترام سے کسے انکار ہو سکتا ہے دنیا کے کو ان کی ضرورت ہے انسانی نوع کے احترام و اکرام کا یہ پیش خیمہ ہیں سیرت کا یہ زیور اور کیریکٹر کا یہ حسن ان کے بغیر کوئی قوم اور کوئی ہستی فخر پا ہی نہیں سکتی جس قوم اور جس قوم کے افراد میں یہ باتیں نہیں وہ قوم اور اس قوم کے افراد ہمیشہ اس دولت اور اس حسن تمدن سے معترا رہتے ہیں جو ترقی یافتہ قوموں کا زیور ہے کیا کبھی یہ بھی سوچا کہ وفاداری۔ اور وفا شعاری کی ضرورت صرف غیروں ہی کے مقابلے میں ہے نہیں بلکہ اسکی بڑی اور مقدم ضرورت خود اپنی ذات کے واسطے بھی ہے جو شخص خود اپنے ساتھ وفادار نہیں ہے جو شخص اپنے ساتھ وفاداری نہیں کرتا جو شخص اس بات سے ناواقف ہے کہ ہمیں خود اپنے ساتھ وفاداری کی کہاں تک ضرورت ہے وہ دوسروں کے ساتھ بھی ایک نمائشی رنگ میں وفادار ہوگا اس کی ایسی وفاداری گو وفاداری تو ہوئی مگر اُسپر فقرہ۔

(اول خویش بعد درویش)

چھپاں نہیں ہو سکے گا۔ اپنی وفاداری ہی سے دوسروں کی وفاداری کا دور شروع ہوتا ہے جو شخص اپنے ساتھ وفادار ہوتا ہے وہ دوسروں کے ساتھ بھی لازمی طور پر وفادار ہوتا ہے جو شخص اپنی عزت کا خواہاں ہے وہ صداقت کے ساتھ دوسروں کی عزت بھی کرتا ہے یا عزت کرنا چاہتا ہے۔ شاید بعض لوگ پوچھیں کہ اپنے ساتھ وفاداری اور وفا شعاری کا کیا مطلب۔

جسم انسان۔ جان انسان۔ قوائے انسان۔ جذبات انسان اور حرکات انسان اُس طاقت سے جداگانہ ہیں جس کا نام بہ الفاظ دیگر ضمیر کانشنس اور روح ہے یہ کالبد انسانی اور کیفیات رکھتا ہے ایک جسمانی دوسرے وجدانی وجدانیات میں بھی دو صورتیں پائی جاتی ہیں۔

(الف) وجدانیات قائمہ۔

(ب) وجدانیات تابعہ۔

وجدانیات قائمہ وہ ہیں جن پر دوسرے وجدانیات کا مدار ہے یا ایسے دیگر وجدانیات کی ہستی کا اُن کے ساتھ ایک مساوی تعلق ہے جیسے چاند اور سورج کا یا علت اور معلول کا یہ جسم اور جسم کی قوتیں اور جسم کے جذبات سامان زندگی ہیں یہ زندگی جس طاقت پر موقوف ہے اس کی موجب شے جسے روح وغیرہ کہنا مناسب ہے۔ اصل عامل اور اصل محرک ہے جب اوس میں فرق آجاتا ہے تو انسان کی سب دیگر قوتیں اور دیگر جذبات بھی مارت ہو جاتے ہیں اسکے ساتھ خداداری اور وفاشعاری یہ ہے کہ

ہم اپنی قوتوں۔ اپنے جذبات اپنے موثرات اپنے متصرفات اپنے محرکات کے استعمال میں حکمت فراست اور تدبیر سے کام لیں اور جادۂ اعتدال سے باہر نہوں مثلاً

" ایک شخص بیمار ہو کر علاج نہیں کرتا۔

" خود کو ایک تہلکہ میں ڈالتا ہے "

" خود کو ایک بلا میں دیکھکر چارہ نہیں کرتا

" مخالفت آب و ہوا میں باوجود قدرت کے رہتا اور کوئی سبیل صحت اور آب و ہوا کے تبادلہ کی نہیں کرتا۔

" اپنی نیک قوتوں اور نیک جذبات کو بری کاموں مشاغل میں لگاتا ہے

" طبی قواعد کے مطابق اپنی صحت کی فکر نہیں کرتا۔

" اقتصادی۔ تمدنی اور مراحل میں تدبیر اور حسن عمل سے کام نہیں لیتا وغیرہ وغیرہ

تو کہا جائے گا کہ ایسا شخص خود اپنے ساتھ وفادار اور وفا شعار نہیں ہے۔

خودکشی کیوں مذہباً۔ اخلاقاً و قانوناً منع اور مقبوح ہے اسواسطے کہ خودکشی کرنیوالا نہ تو اپنے ساتھ وفادار ہوتا ہے نہ اپنی سوسائیٹی کے ساتھ اور نہ اپنے خاندان اور کنبہ سے۔ جان اُسکی ساختہ نہیں ہے بلکہ اُس بانی اور کارساز کوئی اور طاقت ہے وہ اُسے قدرت اور کارساز کی جانب سے بطور ایک امانت کے سپرد کی گئی ہے اور اُسکے ذمہ بہت سے کام اور فرائض لگائے گئے ہیں ایک وفادار اور امانت دار کا یہ کام نہیں کہ امانت میں خیانت کرے اور اس مطلب کے سوا اُسکو کسی اور ایسے مطلب میں لگائے جو جو صحیح مطلب نہیں اور جسکے واسطے وہ خلق نہیں جو شخص ایسا کرتا ہے وہ امانت میں خیانت کرتا اور عہد وفا توڑتا ہے جو شخص اپنے دانت ضرورت اور وقت سے پہلے نکلوا دیتا ہے وہ اپنے جسم اپنی جان۔ اپنی خوبصورتی اپنی زندگی اپنے منہ اور اپنی ترکیب کے ساتھ بیوفائی کرتا ہے جو شخص اپنی آنکھ پھوڑ دیتا ہے وہ صرف آنکھ کے ساتھ ہی بیوفائی نہیں کرتا ہے بلکہ کل جسم کے ساتھ نہ صرف جسم کے ساتھ ہی بلکہ جان اور روح کے ساتھ نہ صرف جان اور روح کے ساتھ ہی بلکہ اپنی سوسائیٹی اور اپنی قوم کے ساتھ بھی نہ صرف اپنی سوسائیٹی اور اپنی قوم کے ساتھ ہی بلکہ قدرت اور منشاء قدرت کے ساتھ بھی۔ جو لوگ بعض اوہام کے ماتحت خود کو اور اپنی جان اور اپنی تندرستی اور اپنی فارغ البالی کو معرض ہلاکت اور معرض ذلت میں ڈالتے ہیں وہ اپنے ساتھ بیوفائی کرتے ہیں۔

جو شخص خدا کی دی ہوئی دولت و ثروت کے صرف میں مسرف ہے وہ نہ صرف اپنی دولت کے ساتھ ہی بیوفا ہے بلکہ خود اپنے ساتھ بھی جو دنی الطبع بادشاہ کے خلعت کی قدر نہیں کرتا اور اُسے گدھے پر ڈالدیتا ہے وہ نہ صرف بادشاہ ہی کی رسوائی کا باعث ہوتا ہے نہ صرف بادشاہی کے انتخاب کی

بدنام کرتا ہے بلکہ اپنے ساتھ بھی بیوفائی کرکے خود کو دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل ثابت کرتا ہے
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

دنیا کے مختلف مناظر جو قدرت کی جانب سے ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں اور یہ بساط قدرت جو اسقدر بوقلموں تنوع کے ساتھ ہمارے سامنے اس خوبی اور اس وسعت کے ساتھ بچھائی گئی ہے یہ بے مصرف نہیں اس کا منشا بھی کچھ ہے اس کا منشا یہ ہے کہ

ہم اُسکے ساتھ اپنی حدود استعداد تک وفادار ثابت ہوں اسکے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ ہم اُن کے انکشاف نکات اور درک حقائق میں اپنی استعداد کے مطابق ساعی رہیں اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم سب سے اول خود اپنے ساتھ بے وفائی کرتے ہیں کیونکہ جو حق ہمیں دیا گیا ہے اور جو سرمایہ اور نفع ہمارے حصے میں رکھا گیا ہے اُسکو نہ حاصل کرنا اور اُس کا رائگاں دینا خود اپنے ساتھ ایک بے وفائی کرنا ہے کیونکہ ہماری قوتیں اور ہمارے جذبات جب اُن کے خواہاں اور جویاں ہیں تو ان کو اُسکے حق سے محروم کر دینا اُنکے حقوق میں فرق لانا اور اُن کے عہد وفا کو توڑنا ہے۔

اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ ہم پر
ہماری قوتوں اور ہمارے جذبات کے کیا کیا کچھ حقوق ہیں اور قدرت نے اُن کے متعلق ہم سے کیا کچھ اور کس رنگ میں عہد وفا لیا ہے تو ہم یہ جان سکیں گے کہ ہمیں خود اپنے ساتھ بھی وفاداری اور خیر سگالی کی کہاں تک ضرورت ہے یہ قانون اخلاق اور قانون سیاسی اور قانون مذاہب اور ہے کیا۔ وہی عہد وفا تو ہے جو اندرونی اور بیرونی رنگ میں ہم سے لیا جاتا ہے یہ تمام قوانین سب سے پہلے یہی سمجھاتے اور یہی سکھاتے ہیں کہ

"اپنے ساتھ یوں برتاؤ کرو"

"اور اغیار و دیگران کے ساتھ یوں"

بس ان ہی دو فقروں میں کائنات انسانی کے حسن کا خاتمہ ہے اور ان ہی دو فقروں پر تمام انسانی علوم و فنون کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور ان ہی دو فقروں پر انسانی تمدن انسانی اقتصادیات انسانی محاسن اور انسانی مکارم وغیرہ کا انحصار ہے۔

تفسیر این دو فقرہ

جو شخص اپنے ساتھ اپنی قوتوں اپنے جذبات اور اپنے ضمیر کے ساتھ وفادار نہیں ہے وہ دوسروں کے ساتھ کیسے وفادار ہو سکتا ہے

تو کار خودی را نکو ساختی
کہ با دیگراں ہم بہ پرداختی

جو شخص خوددار نہیں اور خودداری کے مراحل۔ مقاصد اور منازل سے بے بہرہ اور ناواقف ہے وہ اغیار کے مراتب سے کسطرح واقف ہو سکتا ہے اور کس طرح جائز حدود میں اُنکا احترام کر سکتا ہے جو شخص خود جھوٹ بولتا ہے خود شرمناک افترا اور مبالغہ کا عادی ہے وہ اگرچہ دوسروں کے جھوٹ اور دوسروں کے افترا اور مبالغہ سے خوش نہیں ہو سکتا لیکن جھوٹ اور مبالغہ کی بُرائیوں سے اُس رنگ میں نفرت گزین نہیں ہو سکتا جس رنگ میں ایک صادق القول اور صادق الفعل ہو سکتا ہے۔

اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمھیں وفادار سمجھیں اور تمھاری وفا شعاری کا انھیں یقین ہو اور تمھارے احترام کے واسطے تمھاری وفاداری ایک سند ہو اور تم انسانی و تمدنی و اخلاقی نقطۂ خیال سے دوسروں کے ساتھ وفاداری کر سکو یا اوروں کے مقابلہ میں وفادار ثابت ہو تو تمھیں چاہیے کہ اپنے ساتھ وفادار رہ کر اوروں کے ساتھ وفادار بنو۔ سب سے اول تو تمھیں خود اپنے ساتھ وفادار ہونا چاہیے جو

شخص اپنی عزت کرتا ہے دوسرے بھی اُس کی عزت کرتے ہیں جو شخص خود اپنے احترام اور درجہ سے ناواقف ہے دوسرے بھی اُسکی عزت اور احترام نہیں کرتے اپنی عزت آپ اور اپنی مدد آپ کا یہی خلاصہ اور یہی نچوڑ ہے -

بہ کیشِ ما نہ می گردد مسلماں   نہ بندد ہر کہ زنّار محبت

سلطان احمد

غزل ظرافت

ہونے والی تو تھی مگر نہ ہوی   دل لگی ہوگئی سحر نہ ہوی
وہ خوشی جسکو لوگ کہتے ہیں عید   ایک دن ہو کے سال بھر نہ ہوی
شب فرقت کچھ اسطرح روئے   رات بھیگی پر آنکھ تر نہ ہوی
آہ نے توڑ دی کمر لیکن   فلکِ پیر کو خبر نہ ہوی
ڈر تھا عادت خراب ہو جاتی   آہ ہم صحبت تر نہ ہوی
میرے اُنکے ہوی لڑائی یوں   آئی. ڈی. ٹی کو بھی خبر نہ ہوی
جب کہا میں نے اُنسے الفت ہے   ہنس کے کہنے لگے اگر نہ ہوی
گو پریشاں بہت ہوی لیکن   زلف اُس کی تتر بتر نہ ہوی
باندھکر تیغ گھوستے وہ ضرور   بہت اچھا ہوا کمر نہ ہوی
کہتی ہے یہ ادا یار کہ میں   حسن کے بحر میں مگر نہ ہوی
بید مجنوں کی ایک شاخ ہوی   وہ لچکتی ہوی کمر نہ ہوی
وہ بھی گونگے بنے رہے ہم بھی   گفتگو قصہ مختصر نہ ہوی
ایسی الفت کا اعتبار ہے کیا   جو نیر ہے جو شیر نہ ہوی
پھر کہیں گے کوئی ظریف غزل
طرح گر یوں سر بسر نہ ہوی   مقبول حسین ظریف لکھنوی

شاعری

ذیل میں ہم حضرت عزیز لکھنوی کی ایک نظم مذکورہ بالا عنوان پر درج تمدّن کرتے ہیں جو ہمیں بہت سے سخت تقاضوں کے بعد ملی ہے۔ حضرت عزیز کی چند غزلیں اس سے قبل شائع ہو چکی ہیں۔ ذیل کی نظم جناب عزیز نے معیار پارٹی کے ایک گذشتہ مشاعرے میں پڑھی تھی۔

آیندہ ماہ کے "تمدّن" کے لیے حضرت عزیز نے ایک لغت دینے کا ارادہ کیا ہے جس کو انھوں نے بہت محنت سے مرتب کیا ہے اس لغت میں وہ الفاظ داخل کیے گئے ہیں جو انگریزی سے اُردو زبان میں بآسانی سے لیے جا سکتے ہیں۔

ایڈیٹر

شاعری کیا ہے فقط اک جذبۂ طوفاں خروش
قوت تخئیل میں اک ولولہ انگیستہ جوش

شاعری کیا ہے فقط تصویر جذبات نہاں
قوت تخئیل کے ہمراہ تاثیر زباں

ساغر جذبات باطن میں جب آ جائے ابال
دل کے سرچشمہ میں جب پیدا ہو جوش انفعال

دل پہ ہو جس وقت قدرت کے مناظر کا اثر
منہ سے کچھ باتیں نکل جائیں اثر میں ڈوب کر

صورتیں اس نے مجسم کیں امید و یاس کی
اسکی خاکستر میں ہیں چنگاریاں احساس کی

جب زبان شعلہ بیانی میں وہ ہی چنگاریاں
گلشن تخئیل میں دکھلاتی ہیں گلکاریاں

واردات قلب کی تعبیر طولانی ہیں یہ
اک مجسم ہستیِ اعراض نفسانی ہیں یہ

روح تازہ اس نے پھونکی پیکر جذبات میں
مہر تاباں کر دیے خاکستر جذبات میں

اسکی رگ رگ میں لہو کرتا ہے دورہ اس طرح
دوڑتا ہے موسم گل کا پانی جس طرح

نغمۂ خوابیدہ کو اس نے جگایا خواب سے
ساز ہستی اس نے چھیڑا ناخن مضراب سے

اسکے تاروں سے ہوئیں آباد لاکھوں بستیاں
جاگ اُٹھیں آنکھوں کو ملکر سونیوالی ہستیاں

یہ لسان الغیب بنکر دل میں بھر دیتی ہے جوش
ہے کہیں روح القدس یہ اور کہیں غیبی سروش

اک نگاہ شوق سے دل درد کا برما دیا
جلوہ رنگیں دکھا کر روح کو گرما دیا

اک خلاصہ تھا وہ اسکے درد کی تفصیل کا
جب کہا تھا مرثیہ قابیل نے ہابیل کا

اک سخن اسکا ہے جو کچھ دہر کی محفل میں ہے
متن قدرت کی مفصل شرح اُسکے دل میں ہے

ہیں جو ارباب صفا انکو تو کافی ہے یہی
روح موجودات کی تفسیر صافی ہے یہی

یہ دکھا دیتی ہے ہر آغاز میں نقش مآل
خرمن غفلت پہ گرتی ہے یہ بن کر اشتعال

دل ہے یہ اور عالم ارواح اسکا سینہ ہے
شاعری تصویر روحانی کا اک آئینہ ہے

بزم کی یہ روح ہے اور بزم کی یہ جان ہے
عشق کا قرآن ہے اور حُسن کا ایمان ہے

سرزمین عشق پر سکہ ہے اسکے نور کا
سنگ بنیادی رکھا ہے اسنے کوہ طور کا

مدتوں بزم سلاطیں میں رہی یہ سرفراز
یہ وہ سلطاں ہے دل محمود تھا جسکا ایاز

دیتی ہے الفاظ کا خلعت یہ جب احساس کو
دل میں بھر دیتی ہے ظالم سودۂ الماس کو

اسکے گلدستوں سے زینت ہے بساط بزم میں
دل کو زرہیں پہنا دیتی ہے دشت رزم میں

جڑتی پھرتی ہے ستارے منظر آفاق میں
بجلیاں دوڑا رہی ہے پیکر آفاق میں

غیر محسوسات کا ادراک کرتی ہے یہی
تخلیہ میں سیر ہفت افلاک کرتی ہے یہی

طبع قدرت کا لطیفہ قلب فطرت کی امید
ظلمت اسکی شام گیسو صبح اسکی صبح عید

دل مرا واقف ہے اس سے یا خدا آگاہ ہے
عالم وجدان و ذوق اسکا تماشا گاہ ہے

دلکشا منظر نسیم صبح نورانی سحر
یہ پرند اور فضا اور اُن کے یہ رنگین پر

جگمگانی یہ ستاروں کی پریشاں انجمن
یہ مہکتی بزم پھولوں کی چمن اندر چمن

یہ شفق کی سرخ بیرق یہ روپہلا طیلسان
یہ حصار لاجوردی پر چمکتی کہکشاں

یہ رداے آسمانی یہ نگار شعلہ فام — یہ کرہ سونے کا جس سے ہے ثوابت کا نظام
وہ شفق کے رنگ میں شان غروب آفتاب — اک حسیں ڈالے ہوئے چہرہ پہ نارنجی نقاب
نغمہ سنجانِ حقیقت طائرانِ خوش نوا — کوئلوں کا کوکنا اور یہ پپیہے کی صدا
یہ خزاں کا رنگ اور یہ آمد فصلِ بہار — شور طاؤس اور اُسکے مختلف نقش و نگار
آسمانِ حُسن کے ڈوبتے ہوئے تارے تمام — وہ رخ قدرت کی افشاں جگنوؤں کا اژدہام
مرغ زریں بال ہو یا ہو تدرو خوشخرام — حُسن دل آویز ہو یا ہوں چمن کے لالہ فام

نقش معنی خیز ہیں دیوانِ فطرت کے یہی
مختلف اشعار ہیں دیوان قدرت کے یہی

عزیز لکھنوی

ملک الموت
اور
محتضر

محتضر۔ اے میری جاتی ہوئی دنیا۔ اے میری ڈوبتی ہوئی نبضوں۔ اے میرے اکھڑے ہوئے دم۔ اے میری فنا ہونے والی ہستی اے میرے موت کے فرشتے کیا مجکو اتنی بھی اجازت نہیں مل سکتی کہ ایک کھلی ہوئی سانس لے لوں۔ اُف اُف ارے ارے ساتھ چھوڑنیوالی سانسوں اسقدر سختی۔ شرم شرم عبرت عبرت اے بیوفا دنیا اے بیمروت زمانہ شرم۔ اسوقت کوئی بھی شریک نہیں اے میرے بیش بہا جواہرات اے میرے بھرے خزانوں مجکو تم پر بڑا ناز تھا بہت کچھ غرور تھا بہت سے یتیم بچے سیکڑوں لاوارث بیوائیں ہزاروں فاقہ کش شریف ایکدن وہ تھا

کہ تمہاری ہی وجہ سے میرے در پر جبہ سائی کیا کرتے تھے اور میری ایک ادنیٰ ساری کوششوں کا جواب ہوجاتی تھی ہر ایک ممتاز سے ممتاز اور وقیع سے وقیع طاقت میری نظروں میں ذلیل تھی کیا اسوقت تم میری کچھ مدد کرسکتے ہو اگر کرسکتے ہو تو اس موت کی ڈراونی اور بھیانک شکل کو میرے سامنے سے ہٹا دو نہیں نہیں کچھ نہیں میں نے دھوکا کھایا تمہارا اقتدار تو ہستی اور اُسکے اقتدار تک محدود ہے۔ اچھا اے میرے چاہنے والے باپ اے مجھپر نچھاور ہونے والی ماں اب دل کی رگیں ٹوٹتی ہیں اگر ممکن ہو تو اپنے کڑیل جوان کی ڈوبتی ہوی کشتی کو بحر فنا کے طلاطم سے نکال لو۔ ارے سنبھالو سنبھالو جلدی سنبھالو کیا تم پتھر کی تصویر سے زیادہ بے حس ہوگئیں۔ کیا تمہارے محبّت بھرے دل میں اتنے بھی جذبات باقی نہیں کہ تمہارے اس غیر معمولی سکون کو جنبش میں لے آئیں اے لو تم نے تو میرے دم توڑنے پر اور منھ پھیر لیا ڈھارس تھی اک آس تھی وہ بھی گئی اچھا اچھا اٹھو ہٹو میرے بالین سے ہٹو۔ اے میرے پیارے احباب اے مجھپر تصدق ہونے والے دوستوں میرے دل کی بند ہونے والی حرکت کو آؤ آؤ روک دو روک دو ورنہ جسکی محبت کا تم دم بھرتے تھے وہ اب رخصت ہوتا ہے تم تو ہمیشہ میرے پسینہ پر خون بہانے کو موجود تھے یا آج دم نکل رہا ہے اور تم سانس بھی نہیں لیتے خیر۔ اے میری فنا ہونے والی قوتوں کا تماشا دیکھنے والی دنیا تونے تو ہمیشہ آنکھوں پر بٹھایا آج تیری آغوش میں تیرے نازوں کا پالا بڑی بیچینیوں سے دم توڑ رہا ہے اور تجھکو کچھ پروا نہیں ہے خیر جا تو بھی بے وفا ہے۔ اچھا اے کسی کے حسن عالم فریب تجھ میں تو جذب کہربائی ہے کشش ہے اور بلا کی کشش ہے میں نے تو ہمیشہ تمہاری محبتوں کا دم بھرا دین و دنیا کو تیری ایک نظر غلط انداز پر [illegible] کردیا تیری بھولی بھولی باتوں نے ہمیشہ فرائض کے گہرے نقشوں کو صفحۂ

دل سے محو کر دیا تیرے گھنے گھنے سیاہ لانبے لانبے بالوں نے اسوقت تک دل کی رگیں اور نظر کے رشتہ الجھے ہوئے ہیں تو ہی ظالم سوقت کچھ ساتھ دے تیری نبض چشم کو دعوائے مسیحائی بھی ہے اسوقت میری رُک رُک کے آنے والی سانس کو کم سے کم دم بھر کے لیے منتظم ہی کر دے۔ مگر کچھ نہیں اے بے اعتبار دنیا تو نے بڑا دھوکا دیا افسوس افسوس اسوقت کا کوئی شریک نہ نکلا پھر کسکو پکاروں کون نہ سنبھلنے والے دل کو کون سنبھالے سچ ہے کہ بُرے وقت کوئی بھی شریک نہیں۔

ملک الموت۔ ہاں ہاں اعمال اعمال نیک اور بہتر اعمال۔

محتضر۔ لیکن افسوس وہ کہاں اُن سے تو کبھی میں نے کچھ پی ہی نہیں لی۔

ملک الموت۔ پھر اب خمیازہ اعمال پر پچھتا یا ں لاحاصل ہیں۔ کیا تجھکو قدرت کی کارسازیوں نے ہدایت کے جادے نہیں دکھلائے کیا تجھکو رہبران اسلام کے پہچاننے کے لیے عقل سلیم و چشم بصیرتیں عنایت ہوئی کیا حکیم مطلق نے ذرہ ذرہ کی ہستی کو تیرے لیے معیار معرفت نہیں قرار دیا۔ کیا مخلوقات کی تسبیح قمری اور خالق کائنات کی ہیبت و جبروت نے کچھ اثر نہیں کیا۔ کیا تغیرات عالم نے تجکو فنا آموزیوں کا سبق نہیں دیا۔ کیا خود تیرے وجدان نے کسی طاقت کی طرف تجکو جذب نہیں کیا۔ کیا تو نے مشرق سے طلوع کرنے والے آتشی کرہ کو ایک لرزش و اضطراب کے ساتھ رکوع و سجود میں نہیں دیکھا۔ کیا تو نے شب زندہ دار ماہتاب کا چہرہ اندیشہ باز پرس سے سنسان راتوں میں فق فق نہیں دیکھا۔ کیا تجھے فلک کے چمکتے ہوئے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کے اظہار عبدیت کرتے ہوئے نہیں سجھائی دیے کیا امنڈ امنڈ کے آنے والے ڈراؤنے بادلوں نے عظمت الٰہی کے آثار تیرے دل میں نہیں ت... کیے کیا تڑپ تڑپ کے گرنے والی بجلیوں نے

نیرنگ قدرت کی ہیبت ناک تصویریں تیرے سامنے نہیں کھنچیں کیا رعدِ مالک مغرب کی پُر زور چیخیں تیرے کانوں کے پردوں تک نہیں پہنچیں۔

محتضر۔ نہیں نہیں اے میری موت کے زبردست فرشتے یہ سب کچھ ہوا بلکہ اس سے کچھ زائد ہوا لیکن افسوس میری آنکھوں پر پڑے ہوئے غفلت کے پردوں نے مجھکو اندھا بنا دیا تھا اور تکبر و غرور کچھ اس طرح سے اُڑی کہ پھر بس میں نہ رہا۔ شرک و کفر کی گھنگھور گھٹائیں فرطِ دل و دماغ پر اس طرح گھر کے جم گئیں کہ تمام قوائے حس و حرکت اور اُنکے افعال باطل ہو گئے۔ مہبرانِ اسلام کی صدائیں کانوں کے پردوں سے ٹکرائیں اور بار ہا ٹکرائیں مگر کفر کے ناقابلِ قبول مادہ نے ہمیشہ جذب ہونے سے روکا وجدان نے اکثر تخلیہ میں عقلِ سلیم کو جنبش دی لیکن افسوس مادیین کا قلادۂ تقلید کچھ اس مضبوطی سے گردن میں پڑا تھا کہ ہنسنا ناممکن تھا طبیعین کا نقش خیالی کچھ اس طرح جم کے دل پر بیٹھا تھا کہ کبھی ہیچ کی ایک وحشیانہ روپ سے زیادہ وقعت نہونے دی پابندیِ مذہب کو دماغ کے بیہودہ خیالات سے زائد نہ سمجھنے دیا کشف کرامات و فوق عادات کو اصول و قوانین فطرت کے خلاف سمجھا کے وہم پرستی کے دائرہ سے نہ بڑھنے دیا خالق کائنات کے وجود کو خیالِ خام سے زائد نہ سمجھا بلکہ عالمِ موجودہ کو ہمیشہ ازلی و ابدی سمجھا۔ نمائش گاہ عالم کو فیضانِ مادہ تصور کیا عذاب و ثواب کو قیدِ لا حاصل خیال کیا ہائے اس وقت کا تو تصور بھی میرے دل و دماغ کے لیے محال تھا پھر اے میرے پیارے ملک الموت اب کیا کروں موت کا پسینہ ماتھے پر ہے آخری ہچکیاں آرہی ہیں وقت کم اور بہت کم ہے سامانِ سفر بالکل نہیں۔ ٭

آشفتہ لکھنوی

٭ یہ مضمون پورے طور پر ختم نہ ہونے پایا تھا کہ جناب آشفتہ صاحب کو عین وقت کی

فردوسی طوسی

نام ابوالقاسم بن اسحٰق۔ مولد و وطن شاداب (طوس) اُس کا باپ زمیندار اور حاکم طوس کے چار باغ میں خدمتِ باغبانی پر مامور تھا۔ شاید اسی نسبت سے یہ تخلص اختیار کیا گیا۔ فردوسی نے ملکۂ سخن آفرینی خداداد پایا۔ بچپن ہی سے شعر موزوں کرکے "الشعراء تلامیذ الرحمٰن" کا ثبوت بہم پہنچایا۔ کھیت۔ باغ و چمن پہاڑ۔ میدان۔ ٹیلے اُسکی جولانگاہ اور طائران نغمہ سنج اُسکے ہمصفیر تھے۔

شمس العلماء مولینا آزاد مرحوم لکھتے ہیں کہ

"اگرچہ اُسکی طبیعت کو خالص انسانیت نے شائستگی دی تھی۔ اور امیروں کی صحبت اور دربار کی تکلفات سے محروم رکھا تھا لیکن خوبی اُسمیں یہ ہوی کہ وہ نقلی خود آرائی اور ظاہر نمائی کے دھبوں سے بچ گیا۔ اس سے بڑھکر یہ کہ زورِ طبع اُس کا صحرا کے خلوت خانہ میں اپنے تئیں آپ ورزش دیتا رہا۔ غیروں کے کلام اُسکے کلام کے لیے نمونہ نہوے۔ بلکہ علم کی اصلاح اور مصنوعی تکلف اُسکے لکھنے کو نہ چھو سکے۔"

فردوسی کا کلام طوس میں خوب چمکا۔ حتیٰ کہ وہ مشہور شعرا کے زمرہ میں شمار ہونے لگا امیر طوس ابو منصور محمد۔ اُس کا مربی تھا۔ اِن دنوں سلطان محمود غازی کی شان و شوکت اور علم پروری کی حکایات۔ ایشیا میں کہانیوں کے طور پر سُنائی جاتی تھیں اُسکا دربار فضلا اور شعرا کا مرجع بنا ہوا تھا۔ حکیم عنصری۔ منوچہر بلخی۔ فرخی۔ اسدی رشیدی۔ عسجدی گویا اُسکے دربار کے نورتن تھے۔ امیر طوس کی ترغیب و تحریص سے

---

[1] سخندان پارس صفحہ ۲۷۴۔ لیکن صاحب تالیف التذکرہ" فردوسی کا نام حسن بن اسحٰق بن شرف لکھتا ہے ایک اور تذکرہ میں فردوسی کے باپ کا نام "فخرالدین" لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فردوسی نے بھی عزم غزنی کا کیا۔

اس نے یہ بھی سُنا کہ غزنی کے شاہی خاندان کو شاہانِ عجم کی نظم تاریخ کا شوق ہے اور کہ دقیقی کی قبل از وقت موت نے اس کام کو ناتمام چھوڑدیا ہے پس فردوسی نے پہلے اپنا امتحان آپ کیا۔ زوال جمشید اور ترقی ضحاک کے واقعات نظم کرکے اپنے احباب کو سُنائے۔ سب نے پسند کیے۔ اس سے اسکا حوصلہ بڑھا۔ اور وہ چلا جبتک غزنی جا پہنچا

---

[۱] شاہ ایران (یزدجرد) نے شاہ کیومرث کے زمانہ سے لیکر خسرو پرویز کے عہد کے حالات قلمبند کرائے تھے اس کتاب کا نام باستان نامہ ہے جب عربوں نے ایران فتح کیا تو یہ کتاب شاہی کتب خانہ سے دستیاب ہوی۔ والی خراسان (یعقوب بن لیث) نے ابو منصور عبد الرزاق بن عبد اللہ بن عبد الملک کو حکم دیا کہ باستان نامہ کو یزدجرد کے عہد تک کے واقعات سے مکمل کیا جائے چنانچہ سنہ ۳۴۶ھ میں باستان نامہ مکمل ہوگیا جب اس کتاب کی نقول منتشر ہوئیں تو ایک نقل والی بخارا کے بھی ہاتھ لگی ان دنوں بخارا سامانیوں کے زیر اقتدار تھا۔ امیر بخارا نے دقیقی کو اُسکے نظم کرنے کا حکم دیا۔ پروفیسر آزاد نے دقیقی کے کام کو امیر نصر (غزنوی) کی تحریک کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ خیر جو کچھ ہو اس معلومات سے ایک مورخ یہ معقول نتیجہ نکالتا ہے کہ شاہنامہ فردوسی کا ماخذ "باستان نامہ" ہے

دقیقی کا نام ابو منصور محمد بن احمد اور وطن بلخ یا سمرقند ہے۔ طبقہ اولی کا شاعر ہے بقول مولینا آزاد اپنی عمر کے آخری دور میں امیر نصر غزنوی کے دربار میں نغمہ سنجی کی۔ بہاریہ۔ عاشقانہ مرثیہ ہر قسم کے مضامین میں طبع آزمائی کی اور کامیاب ہوا۔ امیر نصر کی فرمائش سے عجمی بادشاہوں کے حالات نظم کرنا شروع کیے مگر مسلسل نہیں بلکہ مختلف بادشاہوں کے ہزار شعر لکھ سکا تھا کہ ناگہاں اپنے غلام کے خنجر سے مقتول ہوا کہتے ہیں کہ وہ اسکی تیغ نگاہ کا بسمل تھا یہ حادثہ ۳۶۶ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ فردوسی کہتا ہے ؎

یکا یک از و بخت برگشتہ شد بدست یکے بندہ برکشتہ شد

مولینا آزاد لکھتے ہیں۔ کہ

"وہاں عنصری شاعر سے ملاقات ہوئی۔ سلطان محمود مدت سے نظم شاہ نامہ کی فرمائش کر رہا تھا اور وہ ٹالتا تھا۔ فردوسی اور اُسکے کلام کی شان و شوکت کو سنا سب حال کہا کہا کہ چند شعر بادشاہ کی تعریف میں کہہ لو۔ اور چل کر دربار میں سناؤ فردوسی نے اسی زمین میں چند اشعار کہے"

الغرض فردوسی۔ دربار محمودی میں جا پہنچا اور اُس نے مدحیہ اشعار سر دربار پڑھے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں ؎

ز یزداں ابر شاہ باد آفرین — کہ نازد بدو تخت و تاج و نگیں
جہاں دار محمود شاہ بزرگ — بہ آبشخور آرد ہمے شیر و گرگ
جہاں آفریں تا جہاں آفرید — چو اُو مرزبانے نیامد پدید
ز کشمیر تا پیش دریائے چیں — برو شہریاراں کنند آفریں
چو کودک لب از شیر مادر بشست — بگہوارہ محمود گوید نخست
بہ بزم اندرا و آسمان وفاست — بہ رزم اندرا و شیر جنگ اژدہاست

بہ تن ژندہ پیل و بجاں جبرئیل
بہ کف ابر بہمن بہ دل رود نیل

اسکے بعد اُس نے رستم و اسفندیار کی لڑائی کی داستان سنائی جو اس نے طوس ہی میں موزوں کی تھی۔ تمہیدی اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

کنوں خورد باید مے خوشگوار — کہ مے بوئے آید از جوئبار
ہوا پُر خروش و زمیں پُر ز جوش — خنک آں کہ دل شاد دارد بہ نوش
درم دارد و نقل و نان و نبید — سر گوسفندے تواند برید

پروفیسر آزاد لکھتے ہیں۔ کہ

"اُسکی نظم کے وجہ سے دربار گونج اُٹھا۔ محمود بہت خوش ہوا نظم۔ شاہنامہ کے لیے حکم دیا ایک خاص باغ اپنے حرم سرا کے زیر سایہ۔ وہیں انواع و اقسام کے ہتھیار۔ شاہان سلف کے دربار اور مشہور معرکوں کے مرقع عجیب جانوروں کی تصویریں سجا کر ایک عجائب خانہ مرتب کر دیا۔"

سلطان نے فردوسی کی تنخواہ مقرر کر دی اور وہ چند سال تک غزنی میں رہا۔ گاہے گاہے سلطان کو اپنی نظم سناتا۔ اور بیش بہا انعام و اکرام لیے آتا تھا۔ چار سال بعد سلطانی اجازت سے طوس گیا۔ جب فردوسی ہزار شعر لکھ چکا تو خواجہ احمد وزیر نے سلطانی حکم سے اُسے ہزار دینار بھیجے۔ پھر جب چہارم حصے کے قریب شاہنامہ نظم ہو چکا۔ تو اُس نے سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ بہت پسند آیا۔ فردوسی نے بیش بہا انعام پایا۔

کچھ عرصہ بعد دربار سلطانی میں شکایت کی گئی کہ فردوسی مذہباً قرمطی عقائد رکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی فردوسی کا مربی تھا۔ اور خواجہ ایاز سے اُسکی نہ بنتی تھی۔ اور بنا شکایت یہی ناموافقت یا مخالفت تھی۔ فردوسی سے جواب طلب ہوا تو اُس نے کانوں پر ہاتھ رکھے مگر اسکے ساتھ ہی بحسن تعلیل اشعار ذیل میں معذرت خواہ ہوا۔ ؎

چو در ملک سلطان کہ چرخش ستود بسے ہست ترسا و گبر و یہود
گرفتند در ظل عدلش قرار شدہ ایمن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردون شکوہ بے کا شمارد یکے زان گروہ

فردوسی کا وظیفہ اور تنخواہ بحال رہی۔ مگر کہتے ہیں کہ دیندار سلطان کے دل میں اُسکی پہلی سی وقعت نہ رہی۔ آخر کار تیس سالہ جگر کاوی کے بعد فردوسی نے شاہنامہ مکمل کیا۔ اس میں پورے ساٹھ ہزار اشعار تھے کہتا ہے ؎

بسے رنج بُردم دریں سال سی ‌‌ عجم زندہ کردم بدیں پارسی

جب کمل شاہ نامہ خدمت سلطانی میں پیش ہوا تو سلطان بہت خوش ہوا۔ جوش مسرت میں اُسکی زبان سے نکلا ؎

بچشمم چو بکشود گنج و گہر ‌‌ کنوں پیلوا نش دہم گنج و زر

سلطان نے حکم دیا کہ فردوسی کو "یک بار فیل اشرفیاں" دی جائیں۔ لیکن اُسکے مخالف وزیر دیا امیر نے جو با اثر تھا ساٹھ ہزار درم اُسے دینا چاہے۔ فردوسی نے نہ لیے۔ اور آزردہ ہوکر چلا گیا۔ اور ہجو لکھی۔ اسکے بعد اُسے تلاش کیا گیا مگر نہ ملا۔ فردوسی، اقبال محمودی کے خوف سے کہیں رہ نہیں سکتا تھا۔ آخر طوس ہی جاکر سر چھپایا۔

ہجو کو منوچہر بن قابوس نامی رئیس نے شاہ نامہ سے علیحدہ کردینے کی خواہش فردوسی سے کی۔ اور اکیسو اسّی مثقال سونا پیش کیا۔ فردوسی نے منظور کیا۔

دربار سلطانی میں ایک لطیفہ ہوا۔ ایک گورنر سرکش ہوگیا تھا۔ اسے تنبیہ نامہ لکھا گیا۔ اسوقت سلطان، وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی سے کہنے لگا اگر جواب حسب مراد نہ آیا تو پھر کیا کیا جائیگا؟ وزیر کی زبان سے دفعۃً نکلا ؎

اگر نہ بکام من آید جواب ‌‌ من و گرز و میدان و افراسیاب!

یہ شعر فردوسی کا ہے۔ سلطان متاثر ہوا۔ ہاتھی کا قصور معاف کیا اور اُسکے لیے ساٹھ ہزار دینار بھیجے۔ لیکن جب شاہی کارندے فردوسی کو ڈھونڈتے ہوسے طوس پہنچے تو لوگ فردوسی کا جنازہ قبرستان لے جارہے تھے۔

واقعہ صرف اسقدر ہے۔ باقی افسانہ۔ اور افسانہ بھی محض فرضی۔ جسے واقعیت سے قطعاً تعلق نہیں۔ اور یہ متاخرین کی ایجاد ہے۔

؎ روایت دیگر کھڑے کھڑے ندیمگان کو دہ پیہ تقسیم کردیا۔

لیتھبرج صاحب بہادر تسلیم کرتے ہیں کہ -

(۱) سلطان محمود کو شعر و سخن کا بہت شوق تھا - اور (وہ) شاعروں کی بڑی قدر کرتا تھا

(۲) (فردوسی) پر بادشاہ (محمود) کی بڑی نظر عنایت تھی

بایں ہمہ وہ لکھتے ہیں کہ

"اس بادشاہ کے تذکرہ میں ایک اور مشہور قصہ بھی قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں ایک عیب بھی تھا یعنی بعض اوقات انصاف پر طمع غالب ہوجاتی تھی۔۔۔ بادشاہ نے فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کا حکم دیا - اور فی شعر ایک اشرفی عطا کرنیکا وعدہ کیا فردوسی نے تیس برس خون جگر کھا کر ساٹھ ہزار شعر لکھے ... ساٹھ ہزار شعر دیکھکر محمود اپنے وعدے سے پچتایا - اور دون ہمتی سے فردوسی کو صرف ساٹھ ہزار روپیے یعنی انعام موعودہ کا سواں حصہ دینے لگا - اس کو فردوسی نے منظور نہ کیا اور ناراض ہوکر غزنی سے چلا گیا - کہتے ہیں کہ پیچھے محمود نے نادم ہوکر فردوسی کے پاس پورا انعام بھیجا - مگر جب اسکے قاصد اشرفیوں کے توڑے لے کر فردوسی کے گھر پہنچے ہیں اسوقت فردوسی کا انتقال ہوچکا تھا"

اصل واقعہ با اضافہ کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ سلطان نے فی شعر ایک اشرفی دینےکا وعدہ کیا - مگر پورا انہیں کیا - جس کا نتیجہ لیتھبرج صاحب اور متاخر مورخین نے یہ نکالا ہے کہ سلطان میں بیشمار خوبیوں کے باوجود ایک عیب بھی تھا - کہ بعض اوقات انصاف پر طمع غالب آجاتی تھی - سلطان پر دون ہمتی کا الزام لگایا گیا ہے - لیکن سلطان کا دامن ایسے دھبوں سے بالکل پاک و صاف ہے -

حقیقت یہ ہے کہ

(۱) سلطان کا فردوسی کو فی شعر ایک اشرفی یا دینار دینے کا وعدہ کرنا بھی غلط اور

(۲) وعدہ سے انحراف بھی خلاف واقعہ ہے -

اس امر کے ثبوت موجود ہیں -

(۱) یہ روایت "متاخرین" کی ایجاد یا اضافہ ہے۔ متقدمین کے کان اس سے آشنا نہ تھے

(الف) سلطان کے کسی ہمعصر مورخ نے اسکا ذکر نہیں کیا۔

(ب) سلطان کی اولاد کے زمانہ کے مورخین نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

(ج) اگر یہ کہا جائے کہ مورخین وابستگان دولت غزنویہ نے خوف یا طمع سے اس واقعہ کو ارادتاً چھپایا تو ہم منہاج سراج کی تاریخ "طبقات ناصری" پیش کرینگے اس مورخ کا تعلق غوریوں کے ساتھ تھا۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ غوری سخت دشمن تھے غزنویوں کے۔ اور ایک حد تک یہ بھی دولت غزنویہ کے زوال کے باعث اور بالآخر اُسکے جانشین ہوئے۔ ہندوستان میں بھی غزنویوں کے بعد غوریوں ہی کا دور دورہ ہوا۔ پس اگر سلطان نے وعدہ اور پھر بدعہدی کی ہوتی تو اس کا ذکر طبقات ناصری میں ضرور آتا۔

(د) ہندوستانی مشہور مورخ ضیاء برنی نے عہد تغلق پایا۔ اس کی تصنیف تاریخ فیروزشاہی ایک نہایت معتبر اور مشہور تاریخ ہے۔ یہ مورخ ہر ایک بات 'خواہ اچھی ہو یا بری کھول کر بیان کرنے کا عادی ہے۔

ضیاء برنی، امیر خسرو دہلوی کے کمالات اور علاء الدین خلجی کی گورنمنٹ کی قدردانی کی شکایت کرتا ہوا کہتا ہے کہ

"کاش! امیر خسرو جیسا باکمال عہد محمود میں ہوتا۔ اور فیاض و قدردان سلطان انعام و اکرام و جاگیرات اور خطابات سے امیر خسرو کو مالا مال کرتا۔"

ضیاء برنی کے اس بیان سے ہم دو نتائج اخذ کریں گے

(۱) اس تاریخ کی تدوین کے زمانہ (عہد تغلق) تک سلطان کی بدعہدی کی روایت ایجاد نہیں ہوی تھی بلکہ زمانہ مابعد کی ایجاد ہے۔

(۲) سلطان محمود غازی کی علم پروری اور قدردانی کا شہرہ افغانستان

ترکستان اور خراسان سے نکل کر ہندوستان تک آ پہنچا تھا۔

(۲) ہم نے واقعات میں لکھا کہ سلطان نے فردوسی کو ایک بار فیل زر دینے کا حکم دیا لیکن وزیر یا اور کسی درباری کی مخاصمت و مداخلت سے یہ رقم فردوسی کو نہ مل سکی ہم نے یہ بھی لکھا کہ فردوسی کے قرمطی ہونے کی شکایت کی گئی۔

یہ خیالی اور قیاسی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک معتبر قلمی تاریخ سے ماخوذ ہیں۔ یہ تاریخ نویں صدی ہجری میں تحریر ہوئی۔ اسکا نام ہے "تالیف التذکرہ" یہ کتاب کتبخانۂ میاں صاحب واقعہ حصار (پنجاب) میں موجود ہے۔

(۳) تاریخ فرشتہ ایک معتبر تاریخ ہے۔ اسکے متعلق فاضل لیتھبرج کی رائے ہے کہ "ہند کی نہایت مستند انگریزی تاریخوں میں جو ہندی سلطنت اسلامیہ کا حال مندرج ہے وہ اکثر اسی (تاریخ فرشتہ) سے لیا گیا ہے"

اسی تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے کہ

"یہ قصہ (سلطان محمود کی بدعہدی) غلط ہے۔ سلطان، علوم فنون، کا نہایت قدردان اور سرپرست تھا۔"

(۴) دربار اکبری کا فاضل وزیر و مورخ ابوالفضل، فردوسی کو "لالچی" اور "سخن فروش" کے خطاب دیتا ہے گویا الزام فردوسی کے سر رکھتا ہے۔ اس سے بھی سلطان کی بدعہدی کی تردید ہوتی ہے۔

(۵) انگریزی مورخ ہند "الفنسٹن" صاحب کی رائے کا مفہوم بھی تقریباً اسی قسم کا ہے۔ دیکھو اردو تاریخ الفنسٹن صاحب صفحہ (۵۵۴)

(۶) لیتھبرج صاحب بھی اسے واقعہ کی اہمیت نہیں دیتے بلکہ اسے "قصہ" کہتے ہیں۔

(۷) اس قسم کے معاہدے جس سے انحراف کا سلطان کو الزام دیا جاتا ہے محض تاجرانہ ہوتے ہیں۔ کتب فروش یا اہل مطابع ایسے معاہدے شعرا اور مصنفین سے

کیا کرتے ہیں۔ ایسا معاہدہ کسی بادشاہ خصوصاً کسی مشرقی صاحب تخت و تاج کی شان کے منافی اور اسکی توہین و تذلیل کا باعث ہے۔ مشرق میں حکومت و تجارت کے حدود باہم نہیں ملائے گئے۔ پس اگر اور تمام باتوں سے قطع نظر کرکے اس قصہ کو اسی اصول سے دیکھا جائے تو اسکی اصلیت و حقیقت آئینہ ہوجاتی ہے۔

(۸) فردوسی کو تنخواہ اور وظیفہ ملتا تھا پس اس صورت میں تصنیف کے آخر میں کسی خاص رقم کا وعدہ کیسا؟ رہا انعام وہ اختیاری ہے۔ اور یہ لازمی نہیں کہ تنخواہ دار ملازم کو انعام بھی دیا جاے۔

(۹) فردوسی نے سلطانی مصاحبت اور جاگیر کی خواہش کی تھی۔ پھر وہ کسی گرانبہا انعام کا کیونکر متوقع اور مستحق ہوسکتا تھا۔ اگر اُسے امید تھی تو یہ خود اُس کا قصور تھا۔

(۱۰) یہ ممکن ہے کہ فردوسی کو غلط فہمی ہوی ہو۔ شاہنامہ کے اول ہزار اشعار لکھے جانے کے بعد سلطان نے اپنے وزیر خواجہ احمد کی معرفت اسے ہزار اشرفیاں بطور انعام بھیجی تھیں۔ پس بہت ممکن ہے کہ فردوسی نے قیاس کرلیا ہو کہ اگر شاہنامہ میں میں ساٹھ ہزار اشعار لکھ سکا۔ تو مجھے ساٹھ ہزار دینار ملیں گے۔ اگر یہ صحیح قیاس ہے تو یہ خود فردوسی کا قصور ہے۔ اس سے سلطان پر کچھ الزام نہیں آسکتا۔

(۱۱) فردوسی، وزیر یا کسی امیر کی ریشہ دوانی سے بغیر روپیہ لیے چلا گیا پھر سلطان کی ہجو کہی۔ اسکے بعد وزیر کے مُنہ سے اتفاقاً فردوسی کا شعر نکلا تو سلطان کو فردوسی یاد آیا۔ اُس کا قصور معاف کیا۔ اور اُسکے لیے زر سرخ بھجوایا۔

اگر بقول متاخرین۔ سلطان طامع تھا۔ تو اب وہ نقدی کیوں بھیجتا؟ اب تو اُسکے پاس بہانہ تھا اگر وہ ایک ایسے شخص کو جس نے سلطان کی ہجو کہی۔ اور جس پر قرمطی ہونے کا الزام عائد ہوتا تھا۔ معاف نہ کرتا اور اُسے زر کثیر نہ بھیجتا تو سلطان پر کچھ ملامت نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ فردوسی جیسی پوزیشن کا

آدمی مشرقی نقطۂ خیال سے گردن زدنی تھا۔ بادشاہ کی توہین بغاوت ہے اور بغاوت کی معمولی سزا قتل! قرامط کو سلطان نے اکثر قید و قتل کیا۔ بایں ہمہ فردوسی کو معاف کر دیا گیا۔

(۱۲) یہ معلوم کرکے کہ فردوسی قرمطی عقائد رکھتا ہے۔ سلطان جیسے دیندار بادشاہ کی اسکی جانب کم التفاتی کرنا قابلِ ملامت نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص ایسی صورت میں کہ جب خود فردوسی نے اپنے اشعار میں دبی زبان سے اس جرم کا اقبال کر لیا۔ اور کہدیا کہ "آخر سلطان کے زیر سایہ اور بھی تو کفار و مشرک رہتے ہیں۔ اور سلطان اُن سے تعرض نہیں کرتا"

ہزار اشعار کے بعد فردوسی کو ہزار اشرفیوں کا انعام دیا گیا۔ ممکن تھا کہ سلطان شاہنامہ کی تکمیل کے بعد ایسا بیش بہا انعام دیتا جو فردوسی کی توقع سے بہت بڑھا چڑھا ہوتا۔ لیکن فردوسی کی بدقسمتی کا کیا علاج؟ کہ بیدینی کی تہمت اُسکے گلے کا ہار ہوی۔

(۱۳) سلطان کی علمی سرپرستیوں کی تفصیل سبکو معلوم ہے۔ ان سب پر ایک سرسری نظر ڈالو پھر قیاس دوڑاؤ کہ کیا وہ فردوسی کے ساتھ بدعہدی کر سکتا ہے!؟!

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آخر اس فرضی افسانہ نے اسقدر شہرت کیوں پکڑی کہ وہ سلطان محمود اور فردوسی کی تاریخ کا جزو لاینفک بن گیا؟

حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ جب کوئی اقبالمند اور حامل علم و فضل قوم انحطاط کی طرف جاتی ہے تو اُسکے تمام معقول و منقول علوم و فنون کی قائم مقام صرف شاعری رہجاتی ہے اور یہی ان لوگوں کے لیے مایۂ افتخار ہوتی ہے۔ گویا شاعری اور زوال قوم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ کلیہ مسلمانوں پر بالکل منطبق ہے۔ بغداد جاؤ یا اصفہان۔ دربار غزنی کو دیکھو یا دیوان خاص دہلی کی سیر کرو۔ ہر جگہ تمہیں اسی

بات کا ثبوت ملے گا۔

اب لے دے کے ان علمبرداران علم وفن کے پاس یہی اسلحہ (شاعری) رہ گیا تھا۔ اور وہ امرائے ہمعصر کو اسی سے زیر ومرعوب کرنا چاہتے تھے۔ ایران ہو یا ہندوستان ان میں سے ہر ایک مرزا سودا تھا۔ بلّی کی قسمت سے چھینکا ٹوٹا۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے فردوسی کا واقعہ اُنکے ہاتھ لگا۔ اس میں نمک مرچ لگا کر ایک افسانہ گڑھ لیا۔ اور اسکا صور ایسی بلند آہنگی سے پھونکا کہ اسکی گونج آج تک ہمارے کانوں میں موجود ہے۔ افراد قوم کی تاریخی بدمذاقی اور بے اعتنائی مزید براں۔ کسی نے آنکھ کھول کر اتنا نہ دیکھا کہ درحقیقت بات کیا ہے؟! استغفراللہ!

بات یہ ہے کہ قومی ادبار کے زمانہ میں ایسے ہی شگوفے کھلا کرتے ہیں۔ جن افراد قوم کے اخلاق خود ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہیں انھیں بے تکلف اپنے بزرگوں کے اخلاق میں بھی وہی کمزوری نظر آجاتی ہے۔ انسان اپنے ہی آئینہ میں دوسروں کو دیکھنے کا عادی ہے۔ سلطان محمود غازی کی دینی سرگرمی۔ جہادی جوش، فاتحانہ پیش قدمی، علمی سرپرستی۔ معدلت گستری، وغیرہ سب کچھ فراموش! مگر فرضی بدعہدی کا افسانہ ازبر!! حیف برما۔

پس سلطان محمود غازی نہ لالچی تھا۔ نہ زرپرست۔ اور نہ دون ہمت بلکہ۔ فیاض۔ عالی ہمت۔ علم دوست اور علوم وفنون کا مربی تھا۔ اُس نے غزنی میں دارالعلوم قائم کیا۔ بے شمار دینی ودنیوی مدارس وخانقاہیں ممالک محروسہ میں جاری کرائیں۔ اس کا دربار علما۔ فضلا۔ اور شعرا کا مرجع بنا ہوا تھا۔

حکیم مظفر حسین اظہر
دہلوی

کوئل

پیاری کوئل! جو جگر سوز صدا دیتی ہے ہائے کیا چیز ترے دل کو دکھا دیتی ہے
صبحدم کوک تری کیا ہی مزا دیتی ہے دل سوزاں میں مرے آگ لگا دیتی ہے
تیری آواز میں یہ درد کہاں سے آیا
سوزِ الفت کا مزا تو نے کہاں سے پایا

نہ چھپا، مجکو سُنا اپنے دلِ زار کا حال کہدے جی کھولکے سب آہِ شرربار کا حال
تجھکو معلوم ہے کچھ بلبل بیمار کا حال جس سے الفت ہے تجھے کہہ اُسی دلدار کا حال
کس پری نے تجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
دامِ گیسو میں ترے دل کو پھنسا رکھا ہے

سوگ کس کا ہے جو ماتم میں سیہ پوش ہے تو رنج و اندوہ و مصیبت سے ہم آغوش ہے تو
کسقدر جامِ مۓ عشق سے مدہوش ہے تو کبھی نالاں کبھی گریاں کبھی خاموش ہے تو
تیری آہوں میں ذرا سا بھی اثر ہے کہ نہیں
تیرے اس حال کی دلبر کو خبر ہے کہ نہیں

نالہ و آہ و فغاں ہر گھڑی نادان نہ کر مضطرب ہوکے تو اسنجیاں ہر آن نہ کر
ننھی سی جان کو تو مفت میں ہلکان نہ کر خود پریشان نہ ہو مجھکو پریشان نہ کر
کوکتے کوکتے اک روز تو مر جائے گی
اسی ماتم میں جہاں سے تو گذر جائے گی

سوچ دل میں ارے نادان ہُرا کرتی ہے رات دن دم جو محبت کا بھرا کرتی ہے
جان کیوں اپنی کسی گُل پہ فدا کرتی ہے تو عبث نالۂ و فریاد و بُکا کرتی ہے
ظلمی بیرحم حسینانِ جہاں ہوتے ہیں
مہرباں یہ کسی عاشق پہ کہاں ہوتے ہیں

سید محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی گیاوی

انسانی کمزوری

رات کو گیارہ بجے پلنگ پر لیٹا تو گرمی کی زیادتی، اور دن بھر کے تازہ حادثات اور پُر حسرت و افسوس واقعات نے یاد آ کر نیند کو اُچاٹ کر دیا۔ ہزار کوشش کی کروٹوں پر کروٹیں، پہلو پر پہلو، بدلے مگر نیند نہ آنی تھی نہ آئی۔ ایسے موقع پر جسقدر کوفت، اور تکلیف ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ جب کروٹیں لیتے لیتے پسلیاں جلنے لگیں اور گھنٹہ بھر سے زیادہ عرصہ گذر گیا، تو میں مجبوراً اُٹھ بیٹھا۔ میز پر سے ایک کتاب اُٹھا کے لیمپ کی روشنی میں پڑھنے لگا۔ مگر اس سے بھی پریشانی اور اضطراب میں کمی نہیں ہوی۔ اور نہ صرف یہی بلکہ دو دشمن مچھر اور کھٹمل آ آ کر حملہ کرنے لگے۔ اور میں عاجزانہ انداز سے مدافعت کی تدبیریں اختیار کرنے لگا۔ مچھر میرے ہاتھ ہلانے سے ذرا پسپا ہو جاتے تھے مگر چند سکنڈ کے بعد ہی پہلے سے بھی زیادہ زور و شور سے حملہ کر دیتے تھے جس سے میرے رہے سہے ہوش و حواس بھی غائب ہو جاتے تھے کان کے پاس اس زور سے نعرہ مارتے تھے کہ میں سہم جاتا تھا۔ اور رات کے سناٹے نیز خیالات کی یکسوئی میں مجھے یہ مداخلت بہت ناگوار ہوتی تھی۔ اور ہر کھٹمل مجھ سے چمٹ گئے تھے۔ اور جونکوں کی طرح بیدھڑک خون چوسنا شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ میں نے اپنی طاقت سے زیادہ مقابلہ کیا۔ مگر اس سے نہ ان کی تعداد میں کمی واقع ہوی نہ اِن کی خونخواری، خون آشامی کا جوش ٹھنڈا پڑا۔ بلکہ ہر بار پہلے سے بھی زیادہ طاقتور حملہ کرتے تھے۔ پہلے تو میں نے خیال کیا "اچھا ہے فاسد خون خارج ہو رہا ہے" مگر اس غلط خیال کو جلد اپنے ذہن سے نکالدینا پڑا۔ اور میں

ان کی بہادری، استقلال، اور قربانی کا قائل ہو گیا۔ مچھر کو دیکھیے کسقدر بے حقیقت جانور ہے۔ انسانی عظیم الشان، اور ذی اثر قوتوں کے مقابلہ میں اس بیچارے ضعیف البنیان کی کیا ہستی ہے مگر اس کی جرأت کو ملاحظہ فرمائیے کہ انسان کو دھوکے سے ایذا نہیں پہنچاتا۔ منافقوں کی طرح اس کا ظاہر و باطن ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہے۔ وہ جب وار کرنے کی تیاری کرتا ہے۔ اور اپنے پختہ ارادے کی مدد سے انسان جیسی زبردست ہستی کے ڈھانے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو پہلے آواز دے کر جتا دیتا ہے کہ ہم حملہ کرتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ۔ بخلاف اسکے حضرت انسان پانچ میل کی دوری پر بلّی کی طرح دبکے ہوئے کسی خودساختہ، قبر نما، خندق میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور وہیں سے بغیر اطلاع گولی چلا کر اپنے ہمجنس کی عزیز جان کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ ذوقؔ نے کیا خوب کہا ہے

پشّہ سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

ابھی ان دونوں سے ذرا بھی فرصت نہیں ملی تھی کہ ایک تیسرا نیا دشمن اُٹھ کھڑا ہوا جس کا نام مکھی ہے۔ یہ بھی ان دونوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس ظالم نے یہ دیکھکر کہ دو کمزور ہستیوں نے انسان جیسے قوی الجثّہ، دیو ہیکل، اور طاقتور مخلوق پر حملہ کیا ہے۔ اور پسپائی اور اکثر کو موت نصیب ہو چکی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان ان غریبوں پر غالب آ جائے۔ اسکے دل میں اپنے ہمجنس کی ہمدردی اور اعانت و دستگیری کا دریا لہریں مارنے لگا۔ اس نے لپک کر مجھپر حملہ کیا ہی تو سہی۔ اور اس زور شور، اس جوش و خروش کے ساتھ، کہ میں گھبرا گیا۔ اور مجھے اپنی بے بسی، اور عاجزی پر، ندامت و حسرت ہوئی۔ ناچار میں دفعیہ کی کوشش کرنے لگا مگر وہ ہر وقت تیر کی طرح میرے منھ، ناک، کان پر آ کر

بیٹھی تھیں ہیں ہاتھ چلاتا تھا جو یقین ہے اُنکے کوئی بھی نہ لگتا تھا۔ سوائے اس کے کہ میں نے اپنے ہاتھ تھکائے اِس کا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مگر اسکے علاوہ اور کوئی صورت بچت کی فی الحال سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی۔ اس لیے میں نے اس حرکتِ اضطراری کو ترک نہیں کیا میں اب بالکل تھک گیا' اور مجھپر بدحواسی چھا گئی۔ مجھے اپنی کمزوری کا تجربتاً احساس کرنا پڑا۔ اور اپنی بےبسی پر سخت شرمندگی ہوی۔ تقریباً تمام رات اسی پریشانی میں بسر ہوی صبح ہوتے ہوتے نیند نے غلبہ پانا شروع کیا تو ایک چو تھا حریف یعنی چیونٹی میرے مقابلہ میں آگیا۔ اور اُس نے بھی میرے خلاف وہی طرزِ عمل اختیار کیا جو اُس کے ہمجنس کر رہے تھے اب تو مجھے ان چار ناچیز مگر غیر معمولی دشمنوں سے شکست کھائے بغیر چارہ نہ تھا۔ مجبوراً میں دولائی اوڑھکر لیٹ رہا مگر ان کا زور ذرا بھی نہ گھٹا۔ خاص کر مچھر اور مکھی کی ناگوار آواز پر قوت سامعہ کو ناگوار معلوم ہورہی تھیں اسی طرح چیونٹی اور کھٹمل کی خونخواری برابر جاری تھی۔ تھوڑی دیر دولائی کے قلعہ میں چھپا لیٹا رہا۔ مگر گرمی کی شدت سے پسینے پسینے' اور جان سے بیزار ہوگیا۔ اور مجھپر عجیب و غریب کیفیت طاری ہوی۔ میں خود بخود سوال کرنے لگا کہ "کیا میں انسان ہوں اور انساں کا وہی مفہوم ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ افسوس!

باوجود انسان ہونے کے میں ان بےحقیقت جانوروں کا کچھ نہیں بنا سکا اور وہ اپنی حیثیت سے بہت زیادہ مجھے نقصان پہنچاتے۔ اور میری ایذا رسانی کا کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ ایک ایسی بات معلوم ہوی جو ان چاروں میں یکساں طور پر مشترک ہے اور وہ یہ کہ اپنی شکست و انہزام سے گھبرانا' جی چھوڑ دینا' بھاگ جانا اور دوبارہ حملے کا ارادہ ترک کر دینا' ایسی باتوں کا ان میں وجود ہی نہیں ہے' وہ جانتے ہی نہیں کہ بھاگنا' یا اگر کبھی

پسپا ہوئے تو دوبارہ حملہ کرنا کس چیز کا نام ہے۔ نہ اپنے ساتھیوں، ہم جنسوں کی موت اُن کے بڑھے ہوئے حوصلے، عزم، و استقلال، ثابت قدمی پر کوئی غیر مفید اثر ڈال سکتی ہے نہ دشمن کی طاقت اُنھیں بد حواس، اور اُن کے ارادوں کو فسخ کر سکتی ہے وہ مرتے جاتے ہیں، پسپا ہوتے جاتے ہیں، مگر آگے بڑھتے جاتے ہیں، اُن کے دماغ میں بس ایک ہی خیال آتا ہے یعنی "کامیابی حاصل کرنا" جو لوگ اپنی آرام کرسیوں پر ٹانگیں پھیلائے انسانیت کے خواب دیکھا کرتے ہیں اور بزعم خود اپنے کو اشرف المخلوق میں شمار کرتے ہیں ان کی چشم بصیرت کے لیے یہ سچا واقعہ چراغ ہدایت ہے۔

محمد اسمٰعیل ہاتف

تصویر شام

{مشہور نادسٹ میری کوریلی کی نظر سے}

اک حسینہ جو نہاں ملبوس عریانی میں ہے
پاکدامانی ہی جس کی چاکدامانی میں ہے

فرش پر پنجوں کے بل محو خرام ناز ہے
نیم وا آنکھوں سے ظاہر سحر ہے اعجاز ہے

وہ کھلا چہرہ نہیں حُسن دل آویز ہے
اک تبسم کی ادا۔ گویا متانت ریز ہے

رکھی ہے نازک لبوں پر اُنگلی دائیں ہاتھ کی
اور اک گلدستہ سے زینت ہے بائیں ہاتھ کی

دیکھنا تصویر پائے خموشی دیکھنا
شام کے نظارہ کی جلوہ فروشی دیکھنا

ارشد تھانوی

رباعی

انسان کسی چیز کی خواہش نہ کرے
بیفائدہ دل کو وقف رنجش نہ کرے

حاصل ہے جو شے رہے اُسی سے مسرور
ناداری کے احساس کی کوشش نہ کرے

ارشد تھانوی

سندیلہ کا مشاعرہ

سندیلہ کے تعلقدار جناب منشی التفات رسول صاحب کے ہاں ہر سال مشاعرہ منعقد ہوتا ہے۔ اس مرتبہ ہمیں بھی اس میں شرکت کا موقع ملا مشاعرہ کا انتظام اعلےٰ پیمانہ پر کیا جاتا ہے۔ اور منشی صاحب موصوف کا خلق دور دور سے شعرا کو سندیلہ کے مشاعرے میں لا شمار جماتا ہے چنانچہ گزشتہ مشاعرے میں دہلی۔ لکھنو۔ کانپور۔ شاہجہانپور۔ رامپور۔ مرادآباد۔ الٰہ آباد وغیرہ وغیرہ شہروں سے بہت سے شعرا آکر شریک مشاعرہ ہوئے تھے۔ مشاعرہ التفات رسول صاحب کی کوٹھی کے پُر فضا احاطہ میں ہوا تھا۔ بہت بارونق تھا گو بعض شعرا کی یہ کوشش کہ وہ کسی خاص شاعر کے بعد پڑھیں بعض اوقات مشاعرے میں ایک بے ترتیبی کا منظر پیش کر دیتی تھی جہاں ہم نے بہت سے حضرات کو التفات رسول صاحب کے خلق کا بے انتہا شکرگزار پایا۔ وہاں چند حضرات ایسے بھی ملے جنکو تعلقدار صاحب موصوف کی طرف سے شعرا میں عدم مساوات برتنے اور قیام کے انتظام کے متعلق شاکی پایا بحیثیت مجموعی سندیلہ کا گزشتہ مشاعرہ اعلیٰ مشاعرہ کہا جا سکتا ہے۔ روسا و تعلقداروں کی طرف سے اس قسم کی مجالس کا انعقاد اردو اور اردو شاعری کے لیے ایک فال نیک ہے۔ اگر دوسرے روسا بھی التفات رسول صاحب کی تقلید کریں تو یقیناً اردو کی ایسی کس مپرسی کی حالت باقی نہ رہے گی جیسی آج ہے۔

ہم نے اس مشاعرے کی چند غزلیں ناظرینِ تمدن کی ضیافت طبع کے لیے حاصل کی ہیں جو ذیل میں درج ہیں جن حضرات کی غزلیں درج ذیل ہیں اُن میں سے سب پر مشاعرے نے بہت کافی داد دی مگر رات کے مشاعرے میں جناب سائل دہلوی اور دن کے مشاعرے میں جناب مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی کو مقابلۃً زیادہ داد ملی۔ مشاعرہ رات کو دس بجے کے قریب شروع ہو کر دن کے نو بجے کے قریب ختم ہوا۔

ایڈیٹر

حضرت سید حسین احمد صاحب بیباک شاہجہانپوری

ملول کیوں دل آشفتہ حال ہوتا ہے
وہی تو ساقیِ بزمِ خیال ہوتا ہے

تمہارے عشق میں دل نے ادا وہ پیدا کی
شباب میں جو حسینوں کا حال ہوتا ہے

کوئی سبب بھی تو ہوتا تری مہربانی کا
یہ آج کیا ہے جو عہدِ وصال ہوتا ہے

وہ باوفا بھی ہیں حرف آرزو اپنا
کب آشنائے لبِ سوال ہوتا ہے

پھر ابتدائے ترقی پہ کیوں نہ روئیں ہم — اسی گھڑی سے شروع زوال ہوتا ہے
ہنوز طالب رنج و تعب ہے دل گویا — کچھ اس ادا سے وہ پرسانِ حال ہوتا ہے
پھر اک ذرا سے مجھے کمبخت کہہ کے ہنس دینا — یوں ہی تو عشق میں رفع ملال ہوتا ہے
دم اخیر جو آتی ہیں ہچکیاں یا رب — کہ اب ادھر سے پیام وصال ہوتا ہے
دلیل کو آپ ہی میں لاؤ قطع کر ڈالوں — کہ بات بات پہ دل پائمال ہوتا ہے
اٹھاؤ پھر مجھے در سے یہ پہلے دیکھ تو لو — کہ سدّ راہ تمھارا خیال ہوتا ہے
جفا سہوں تو دل ناتواں میں تاب نہیں — گلہ کروں تو اسے انفعال ہوتا ہے
یہ کیا سمجھ ہے تمھاری جو تم کو پیار کرے — اسی سے رنج اسی سے ملال ہوتا ہے
خدا کے سامنے کیا جانئے حال کیا ہوگا — بتوں کے آگے تو دل کا یہ حال ہوتا ہے
کچھ اپنی شوخی رعنائی خیال نہ پوچھ — کہ دل میں ذوق وفا پائمال ہوتا ہے
ہو ضبط گریۂ پیہم جو دل پہ قابو ہو — یہ مجھ غریب سے کیسا سوال ہوتا ہے
کسی زمانہ میں یہ آپ بھی تو کہتے تھے — خیال کرنے سے دل کو خیال ہوتا ہے

کسی کے عشق میں دل خاک ہوگیا بیباک
وہی ہوا جو وفا کا مآل ہوتا ہے

اپیل

عم مکرم جناب مولانا مولوی عبدالرشید الخیری صاحب نے جولائی ۱۹۱۵ء کا آخری پرچہ نکالا تھا۔ آج جولائی ۱۹۱۶ء کا "تمدن" حاضر خدمت ہے۔ جو ہمارے اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ اس ایک سال کی مدت میں "تمدن" کی حالت میں جو کچھ ترقی ہوئی اسکا اندازہ ہم اخبارات اور ملک کے مشہور ادیبوں کی آرا اور اپنے ناظرین کے بیشمار خطوط مبارکباد سے کر سکتے ہیں ہمارے لیے اس محنت کا یہ ثمرہ ایک بڑی حد تک کافی ہے کہ ملک نے بھی "تمدن" کی قدر کی۔ مگر اس قسم کی قدردانی جو ہمارے لیے مایۂ ناز ہو سکتی ہے "تمدن" کے لیے فی نفسہٖ کچھ بہت کارآمد نہیں ہو سکتی۔ "تمدن" کی ظاہری اور معنوی خوبیوں میں صرف

جناب ضمیر حسن خاں صاحب دلؔ شاہجہانپوری

کہیں خموش یہ محوِ جمال ہوتا ہے
نئی زبان میں اظہارِ حال ہوتا ہے

کدھر سے آئی دمِ امتحاں یہ آفت کی صدا
شکستِ دل کا مجھے احتمال ہوتا ہے

مری فغاں کبھی گوشِ آشنا نہیں ہوتی
مرا سکوت مگر عرضِ حال ہوتا ہے

بسے نگاہ میں ہر ذرہ کوئے جاناں کا
انھیں حدود میں دل پائمال ہوتا ہے

بس انتہا ہے کہ سنگِ درِ حبیب سے ہم
بیان کرتے ہیں جو دل کا حال ہوتا ہے

اُنھیں کا دل ہے جو مشغولِ آہ ہیں شبِ غم
یہاں تو سانس بھی لینا محال ہوتا ہے

کوئی سبب ہے کہ لکھ لکھ کے ہم مٹاتے ہیں
جو کچھ بھی رنج و مصیبت کا حال ہوتا ہے

ہر ایک سانس ہے طولِ شبِ الم کا جواب
مریضِ عشق کو جینا محال ہوتا ہے

مگر یہ دل ہے پئے ذکرِ واقعاتِ ماضی حال
عیاں ہر ذرّے میں کچھ [illegible] حال ہوتا ہے

مری سرشت میں شامل ہے اس زمیں کی خاک
سکونِ قلب جہاں پائمال ہوتا ہے

یہ کیا کہا کہ وفا کل کروں گا وعدۂ دید
ترے جواب میں پیدا سوال ہوتا ہے

ٹپک رہا ہے لہو اب بجائے قطرۂ اشک
اسی پہ ہے تو وہ پرسانِ حال ہوتا ہے

جفا شعار کہ ہر دم سنیں لغو سے دلؔ
بیانِ دل کی وفاؤں کا حال ہوتا ہے

اس صورت میں ترقی ہو سکتی ہے کہ ناظرینِ "تمدن" کی توسیعِ اشاعت میں کوشش کریں۔ "تمدن" کے ناظرین کے ہیں جنھیں سے بیشتر حضرات بہت با اثر ہیں یہ ناممکن ہے کہ دو دو۔ چار چار خریدار عنایت فرمائیں۔ اگر ناظرینِ "تمدن" میں سے صرف دو سو حضرات نے بھی اپنے اثر سے کام لیا اور اپنے احباب میں "تمدن" کی توسیعِ اشاعت کی کوشش کی تو پھر کوئی مشکل نہ ہوگا کہ "تمدن" کی ظاہری و معنوی خوبیوں میں معقول اضافہ ہو جائے اور ملک کی اس رائے میں سے "تمدن" نے اپنے زمانہ مقبولیت کی سی شان پیدا کرلی ہے۔ ظاہری خوبیوں کی کمی ہے اور خصوصاً تصویر کی۔ "ظاہری خوبیوں کی کمی ہے اور خصوصاً تصویر کی" والا فقرہ حذف کردیا جائے۔ ایک سال کی مستقل اور باقاعدہ

حضرت نوح ناروی

کبھی یہ عالم حُسن خیال ہوتا ہے — کہ غیر پر بھی ترا احتمال ہوتا ہے
کسی کی موت پہ اُن کو ملال ہوتا ہے — امید وصل میں جس کا وصال ہوتا ہے
فراق یار میں جینا محال ہوتا ہے — ذرا سے دل کو بہت سا ملال ہوتا ہے
ہم اُٹھتے ہیں تو نقاہت سے بیٹھ جاتے ہیں — جو بیٹھتے ہیں پھر اُٹھنا محال ہوتا ہے
وہ چاہتے ہیں کہ اظہار غم بھی یہ نہ کرے — مرے ملال سے اُن کو ملال ہوتا ہے
نظر کے سامنے آکر جو وہ ٹھہرتے ہیں — مری نظر کا ٹھہرنا محال ہوتا ہے
ٹھہر ٹھہر کے ذرا تم چلو خدا کے لیے — قدم قدم پہ کوئی پائمال ہوتا ہے
نگاہ غور سے وہ آئینہ کو دیکھتے ہیں — جمال بھی کبھی محو جمال ہوتا ہے
تلاش کیجیے لیکن پتہ نہیں چلتا — ہجوم ناز میں دل کا یہ حال ہوتا ہے
جفا سے کم نہیں رشک جفا بھی دل کے لیے — چھری کسی پہ چلے یہ حلال ہوتا ہے
گری پڑی جو کوئی چیز دیکھ لیتا ہوں — تو اپنے دل کا مجھے احتمال ہوتا ہے
وہ شوق تھا جو کبھی انبساط دل کا سبب — اب اُسکے ذکر سے مجھ کو ملال ہوتا ہے
گلوں کا حسن پھر اُس پر بہار کا موسم — جو دیکھتا ہے چمن وہ نہال ہوتا ہے
کوئی بچائے گا دل کس طرح بچائے گا — وہاں تو پہلے اسی کا سوال ہوتا ہے

کوشش کے بعد اور ہمارے کرنے کا جو کچھ تھا اسکی داد آپ حضرات سے لینے کے بعد غالباً ہم اس بات کے مستحق ہیں کہ آپ سے عرض کریں اور آپ سے اُسکو مدونہ کر دینے کے متوقع ہوں۔ اگر آپ حضرات "تمدن" کو واقعی کوئی کارآمد چیز خیال کرتے ہیں تو اسکو پوری شان و شوکت سے نکالنے میں ہماری مدد فرمائیں۔ انگریزی کی یہ مثل کہ اگر کوئی کام کرو تو اسے حُسن و خوبی کے ساتھ کرو اکثر ہمکو ٹھوکر دیتی ہے مگر جو کچھ حسن و خوبی ہم اپنی تنہا کوشش سے کر سکتے تھے وہ کر رہے ہیں۔ اگر آپ حضرات "تمدن" کی اس حالت پر اکتفا کرنے کے لیے تیار رہیں تو خیر۔ ورنہ اسکی توسیع اشاعت کے لیے اپنے حلقۂ اثر میں کوشش فرمائیے۔

"تمدن" کے ناظرین میں یقیناً کوئی ایک صاحب بھی ایسے ہونگے جنکے کم از کم دو دوست بھی

وہ جوش رہتا ہے طوفان بحر عشق میں نوح
کہ ہمکو پار اُترنا محال ہوتا ہے

جناب ابوالعلی سید احمد صاحب ناطق لکھنوی

کمال عشق بھی کیا لازوال ہوتا ہے　　مرا فراق بھی رشک وصال ہوتا ہے
جو آکے وہ نہیں ملتا تو جان جاتی ہے　　غرض نتیجۂ فرقت وصال ہوتا ہے
دوبارہ حشر میں جینے کا ہے یہی باعث　　کہ قتل کرکے اُنھیں انفعال ہوتا ہے
اخیر وقت ہے یکسوئی اب تو ہونے دو　　ہٹاؤ سب کو پریشاں خیال ہوتا ہے
وہ مہروش ہے جواں اب کہاں مجال نظر　　جمال بڑھ کے ہمیشہ جلال ہوتا ہے
جو مجھ پہ عشق میں گذرتی ہے کہہ نہیں سکتا　　کہ خود مجھی سے نہاں میرا حال ہوتا ہے
نہ رکھ برائے خدا اور قید لیوں میں اُسے　　اسیر زلف پریشاں خیال ہوتا ہے
قریب آکے ترے گرد پھر نہیں سکتا　　کہ مجھ سے سایہ ترا پائمال ہوتا ہے
نہ دونگا جان اگر ہجر میں تو کیا دونگا　　فراق ہی میں تو لطف وصال ہوتا ہے
جواب دیگا کوئی کیا نگاہ حسرت کا　　کسی سے رد کہیں میرا سوال ہوتا ہے

ہے انتظار میں ناطق جو نزع کی اُلجھن
یہ وصل و ہجر کا آج اتصال ہوتا ہے

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

جہاں میں آپ ہی اپنی مثال ہوتا ہے　　وہ دل جو آئینہ دار جمال ہوتا ہے
میں طول محنت زنداں بتا نہیں سکتا　　یہاں نہ ماہ ہے پیدا نہ سال ہوتا ہے
فدائے نشۂ الفت کہ غم سے فارغ ہوں　　مجھے خبر نہیں کیسا ملال ہوتا ہے

ایسے نہوں جو تمدن کو خرید سکیں۔ بنا برآں ہم مودبانہ درخواست کرتے ہیں کہ ایسے حضرات براہ نوازش "تمدن" کی توسیع اشاعت میں کوشش فرماکر ہم کو ممنون فرمائیں۔

"تمدن" جس حالت میں ہے اس حالت میں تو وہ آپ حضرات کے سامنے آتا رہے گا مگر اسکو بہتر صورت میں منتقل کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے۔　　ایڈیٹر

ٹھہر کے دل میں اگر درد رہ گیا تو بھی — کہ ایک رات کا مہماں کمال ہوتا ہے
جو ہو سکے تو لحد پر نہ پہلی سی چال چلو — جو مٹ چکا ہے وہ پھر پائمال ہوتا ہے
بروئے دوش ہے زلف دراز کیوں تیرے — خیال صید ہیں کاندھے پہ جال ہوتا ہے
حکایت ستم و جور خوب ہے لیکن — یہ رنج ہے کہ انھیں انفعال ہوتا ہے
وفا نبھائے سے خون دل کے تھالوں میں — ریاض دہر میں بس وہ نہال ہوتا ہے
جو کچھ ملے تجھے بللہ جمع کرتا جا — فقیر سے بھی کسی دن سوال ہوتا ہے
بگاڑ بخت کا اے ہم صفیر کیا کہتا — اک آشیاں کا بنانا محال ہوتا ہے

مجال نالہ و فریاد اب کہاں ثاقب
زبان حال سے اظہار حال ہوتا ہے

جناب مرزا صابر حسین صاحب صابر خلف حضرت ثاقب لکھنوی

وفور درد جگر سے یہ حال ہوتا ہے — سنبھل کے سانس بھی لینا محال ہوتا ہے
کھٹک ہے۔ روح کی جو یہ نہ ہو تو کچھ نہ سہے — مریض عشق کو جینا وبال ہوتا ہے
ہے روز حشر سیہ ظالموں کی آنکھوں میں — مرے گرے ہوئے خوں کا سوال ہوتا ہے
خوشی تو یاد نہیں شاید آ گئی ہو کبھی — وسیع دامن صحن خیال ہوتا ہے
کماں ہو تو جواں کچھ بنا نہیں سکتا — غبار سرمۂ چشم غزال ہوتا ہے
گلے پہ تیغ ہے اس فرط سے میں کیا خوش ہوں — کہ فاصلہ سے میسر وصال ہوتا ہے
نہ دید حسن سے خوش ہو کہ دہر گھات میں ہے — کبھی ہنسی میں بھی پیدا ملال ہوتا ہے
سفر قیام میں دیکھو تو مرنے والوں کا — بغیر جنبش پا انتقال ہوتا ہے
یہ بے نقابی ماہ دو ہفتہ خوب نہیں — زمانہ دشمن اہل کمال ہوتا ہے
نہ پر کتر مرے بازو ہی کاٹ لے صیاد — وبال قید میں ایک ایک بال ہوتا ہے

قوی ہزار کرم بھی ہیں ناتواں صابر
گراں زبان پہ حرف سوال ہوتا ہے

اس مشاعرہ کی اور چند غزلیں اگر ممکن ہوا تو آئندہ نمبر میں درج ہوں گی۔

گیتانجلی

ہمارے کرم فرما جناب آصف علی صاحب بیرسٹرایٹ لا دہلی نے گیتانجلی کے اُردو ترجمہ پر ایک تنقیدانہ نظر ڈالی ہے جو ملک کے ایک مشہور ادیب کے زور قلم کا نتیجہ ہے جناب نیاز فتحپوری کا نام نامی ادبی دنیا میں کسی خاص تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ جناب نیاز کا دلچسپ پیرایۂ تحریر ان کا خاص امتیاز ہے۔ چنانچہ اس خصوصیت کی جھلک جس طرح ان کی تمام تصنیفات و تالیفات میں نظر آتی ہے وہ اس ترجمہ میں بھی موجود ہے۔

ہمارا ارادہ خود اس کتاب پر تنقید لکھنے کا تھا مگر ہمارے کرم فرما نے اس تنقیدی مضمون کے لکھنے کے بعد اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ جناب آصف علی صاحب کی تنقید سے ہمیں ایک بڑی حد تک اتفاق ہے اور اسلیئے ہم اس مضمون کے بعد گیتانجلی کے اُردو ترجمہ پر ریویو کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ایڈیٹر

سر رابندرا ناتھ ٹگور کی شہرت دوپہر کی دھوپ کی طرح ہر طرف اور ہر جگہ پھیل چکی ہے یہاں تک کہ اُردو جاننے والی نادان دنیا بھی اس نام سے ناواقف نہیں۔

یہاں صرف اسقدر کہہ دینا کافی ہے کہ رابندرا ناتھ بنگال کے مشہور و معروف اُستاد ہندوستان کے مسلمہ ملک الشعراء اور دنیا کے مانے ہوئے مصنفین میں سے ہیں ان کے کلام سے بہرہ اندوز ہونا گویا علمی دنیا کے چند بہترین نمونوں میں سے ایک سے لاعلم رہنا ہے۔ یہ بدقسمتی ہے اُردو داں دنیا کی کہ اسکے ذخیرۂ کتب میں رابندرا ناتھ کے اُردو ترجمہ موجود نہیں۔ یوں تو بنگالی میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں لیکن انگریزی میں اسوقت تک چند کتابیں طبع اور شائع ہوئی ہیں یعنی ایک تو گیتانجلی (نذر نغمہ)

(۲) باغبان - (۳) ہلال - (۴) پیام گاہ - (۵) چترا - (۶) سادھنا - ایک فلسفانہ تصنیف (۷) کبیر کی نظموں کا انگریزی ترجمہ - علاوہ ان نظموں کے جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں طبع ہوتی رہی ہیں مصنف نے سب سے پہلے اپنی اکثر نظموں کا ترجمہ انگریزی میں کرکے گیتانجلی یعنی نذر نغمہ کی صورت میں شائع کیا اسکی مقبولیت کی انتہا رہی اور مغرب نے مثل تشنۂ سہ روزہ کے اس چشمۂ آب روحانیت کی سبیل عام کردی اور تھوڑے ہی عرصہ میں نذر نغمہ کا ہر ایک فرنگستانی زبان میں ترجمہ ہوگیا - ولندیزوں کی اس ادبی انجمن نے جو کئی سال سے اس غرض کے لیے مقرر ہے کہ ہر ایام کتب نویسی کے اختتام پر وہ بہترین تصنیف کو منتخب کرکے اسکے مصنف کو ایک بیش قرار انعام عطا کرے جسے وہ "انعام نوبیل" کہتے ہیں - کیونکہ ایک مخیر مسمی نوبیل کا وہ بنا کردہ ہے جس کی دولت اسی کام کے لیے وقف ہے - گیتانجلی کو ۱۹۱۳ء کی بہترین تصنیف فرنگستان بھر میں قرار دے کر یہ بدرا ناتھ کو انعام معروف کا مستحق قرار دیا اور ہندوستان کو اس امر کا افتخار بخشا کہ مہذب دنیا میں اسکا بھی بلا امتیاز شمار ہوتا ہے - اس قدردانی سے انھوں نے ہماری قدر افزائی کی یا خود اپنی حق شناسی کا ثبوت دیا آنے والی نسلیں فیصلہ کریں گی -

یہاں ترجمہ کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ کسی غیر زبان کا ترجمہ کرنا سہل نہیں بلکہ نہایت اہم کام ہے اور صرف اسی وقت اطمینان بخش تکمیل کو پہنچتا ہے کہ مترجم نہ صرف ہر دو زبانہائے ترجمہ میں دستگاہ کامل رکھتا ہو بلکہ صحیح المذاق ہونے کے علاوہ خوش فکر اور نکتہ سنج بھی ہو یہ صفات گہری علمیت بغیر بے معنی ہیں یوں ترجمہ صدہا طرح پر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا مگر مصنف کے مفہوم کا ادا کرنا اور اسکے مقصد کو بیان کے لباس سے آراستہ کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے ترجمہ کا سلسلہ آج صدیاں ہوئیں کہ جاری ہے اور جہانتک ہمیں معلوم ہے

اسکی ابتدا عربوں سے ہوئی کہ انھوں نے یونانی۔ عبرانی۔ سُریانی۔ سنسکرت۔
فارسی اور دیگر زبانوں کی تصانیف کے ترجمے کر کے اپنی زبان میں ایک نئی جان
ڈالدی۔ اُن سے پہلے روما الکبریٰ میں یونانی کتابوں کے ترجمے موجود تھے مگر ترجمہ
سے خاص اپنی زبان کا متمتع کرنا خاص عربوں کا کارنامہ رہا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے
کہ جیسے عمدہ اور صحیح ترجمے انگریزی فرانسیسی اور بالخصوص جرمن زبانوں میں
پائے جاتے ہیں اور زبانوں میں کم ہوں گے۔ اب ایک تو ترجمہ وہ ہے کہ جیسے
عمر خیام کی رباعیات کا شاعر "فٹز جیرلڈ" نے کیا ہے کہ جس کی مثال اس گلاب
کے پودے کی سی ہے کہ جسمیں کسی دوسرے قسم کے گلاب کی قلم لگائی جائے پتے
اور شاخیں ضرور اُسی گلاب کی سی رہیں گی مگر پھول بلحاظ خوشبو۔ رنگ اور جسامت
کے بالکل مختلف ہوگا۔ چنانچہ عمر خیام کے خیال ضرور ہیں مگر ایک نئی زبان اور
ایک نازک خیال شاعر کی خیالکاری سے مزین ہو کر بالکل ایک نئی چیز ہو گئے۔
در حقیقت یہ ہے کہ اصل سے ترجمہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ دوسرا وہ ترجمہ کہ جیسے دیوان
حافظ کا ترجمہ "کاڈیل" کا کیا ہوا۔ یعنی ایک عالم متبحر کا سالہا سال کے عقل افروز
مطالعہ زبان و دیوان کے بعد۔ اصل سے قطعی مطابق اور ہر لحاظ سے تحقیق علمی
کے زیور سے آراستہ۔ تیسرا وہ ترجمہ جو عالم "ہیگرڈ" نے شاعر بے بدل کالیداس
کی تصنیفات کا کیا ہے۔ کہ مغربی نکتہ سنجی اور نسبتی تنقید کا نمونہ اور علمی تجسس و
جانفشانی کا مرقع مگر اصل کی خوبیوں سے معرا اور حلاوت سنسکرت سے بے لذت
پھر ایسے بھی ترجمے ہیں کہ جیسے شاعر "گوئٹے" کے "فاؤسٹ" کا "لیتھم" کا کیا
ہوا ہے۔ کہ وہ یوں ہر طرح مسلم ترجمہ ہے مگر جو اصل پڑھ چکا ہے اُسکے لیے
بے نمک ہے۔ اسی طرح شاعر "دانتے" وغیرہ کے کلام کے ترجمے۔ نثر کے ترجمے
بہتر صحیح اور عمدہ ممکن ہیں اور مغرب میں شب و روز ہوتے ہیں مگر نظم کا ترجمہ

نہایت ہی اہم کام ہے۔ یوں انگریزی میں استاد "طاسطائی" روسی اور "ماریس ماترلینک" بلجیمی "ہنرک ابسن" سوید۔ نیز استاد "ہاوپتمان" جرمن اور "سترنبرگ" ناروینن اور بہت سے مصنفین غیر ممالک کے تصانیف کے مختلف ترجمے موجود ہیں اور روز ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں بعض اچھے بعض بڑے بعض معمولی ہوتے ہیں فرانس کے اساتذہ کی تصانیف کے ترجمے ہم نے نہایت کمزور بھی دیکھے اور نہایت چست بھی مگر اصل کو پہنچنے والا ترجمہ کم ہوتا ہے۔

ہاں تصنیف را مصنف نیکو کند بیان صحیح ہے۔ اور اس لحاظ سے گیتان جلی کے مصنف کا اپنا کیا ہوا ترجمہ ہر طرح قابل تعریف ہے کہ وہ خود اپنی جگہ ایک تصنیف ہے۔ جو اسکی اصلی وقعت اور قدر ہوئی اس سے صاف ظاہر ہے کہ آج تین سال سے کم میں مہذب دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں کہ جس میں اس کا ترجمہ نہیں ہو لیا چینی و جاپانی زبانوں کے متعلق ہمیں علم نہیں۔ مگر فرنگستان کا کوئی ملک ایسا نہیں کہ جہاں گیتانجلی کا ترجمہ موجود نہ ہو۔ گیتانجلی کے طبع ہوتے ہی ہمارے محترم دوست جناب عبد الرحمٰن سیوہاروی صاحب نے جو اس وقت اطالیہ میں بغرض تکمیل تعلیم اقامت پذیر تھے اسکا منظوم اور بہ حلاوت ترجمہ کرنا شروع کیا۔ مگر واقعات زمانہ نے مہلت نہ دی۔ کہ اسے تکمیل کو پہنچاتے اور وہ نظمیں بھی جو ترجمہ ہوئی ہیں اور نظر ثانی کی محتاج تھیں اس دم تک ان کے ذخیرۂ تصنیفات میں روپوش ہیں اسی اثنا میں ایک دو اور صاحبوں نے بھی ارادہ کیا کہ اردو کو اس دولت سے متمتع کریں مگر ان کے ارادوں نے بھی لباس عمل سے پیراستہ ہونا بیجا وقت خیال کیا یا زمانے کی سبک رفتاری نے ان کی عریانی کو زیادہ نظر فریب بنایا

(۲)

آج ہم نے نیاز محمد صاحب نیاز کا کیا ہوا ترجمہ جو ایک نئی مگر خوشنما طرز کی جلد سے ملبوس اور عمدہ کتابت کے زیور سے آراستہ خاصے بھلے دبیز کاغذ پر

منور ہوا ہے دیکھا۔ اہل ہنود طلوع آفتاب کے وقت جلی چڑھاتے ہیں جو حقیقت میں ایک قسم کی نیاز یا نذر ہے ہمارے خیال میں اگر بجائے "عرض نغمہ" نیاز صاحب "نذر نغمہ" کہتے تو شاید گیتا نجلی کا مطلب زیادہ صاف ہو جاتا۔ ہم حسن سے پہلے قبح کا بیان کرنا مناسب طرز عمل خیال کرتے ہیں اور وہ محض اس وجہ سے کہ جب حسن کا ذکر آئے تو اُسکے متضاد کا پہلے ہی کام تمام ہو لیا ہو۔ بدیں وجہ ہمارا پہلا اعتراض اور غالباً اکثر دیکھنے والوں کا اعتراض مترجم کی تصویر پر ہوگا۔ خود مصنف نے جب اپنی تصویر گیتا نجلی میں چھپوائی تو اکثر صحیح المذاق نقادوں نے اسکو قابل حذف گردانا اور کہے بغیر نہ رہے کہ تصویر مصنف کا شامل تصنیف ہونا ممکن ہے مشرقیت کی علامت ہو مگر بظاہر غیر ضرورت معلوم ہوتا ہے اب اسپر مترجم صاحب کی تصویر کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مقدمہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اور ہر طرح دلچسپ اور مناسب ہے۔ صرف مقام اول جہاں مترجم نے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ گویا اس طبقہ کا کوئی بھلا یا برا فرد ایسا نہیں کہ جسے اُن سے تعارت کا تجربہ حاصل ہوا ہو جسکے جزوی اور کلّی خیالات سے وہ پورے پورے نہ واقف ہوں اور جسکے فضائے دماغی اور ارتفاع عقلی کے تمام نشیب و فراز ان کے مشاہدہ سے نہ گذرے ہوں اس امر کی دلیل ہے کہ نیاز صاحب کو بدقسمتی سے ایک خاص جماعت سے سابقہ پڑا ہے اور اس سے بھی زیادہ بدقسمتی یہ ہے کہ بلا استثنیات اس جماعت کے ہر فرد نے باوجود نیم تعلیم یافتگی کے نیاز صاحب کو اس امر کا یقین دلا دیا کہ اُنکے نیم پخت اور خام محض خیالات حقیقت میں مغربی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور ہر طرح مغربی تہذیب کا اصل نقشہ ہیں۔ خیر نیاز صاحب نے نہایت سچے جذبات اور اخلاص بھری ... پر زور اور بلیغ الفاظ میں ادا کیا ہے اور ہم خود ان کے ہمنوا ہیں۔ مگر ان ...

ذہنی کر لینا کہ مغربی تعلیم کے عمدہ نمونے وہی بدنصیب اصحاب ہیں کہ جو آپ کے مورد عتاب اور ہمارے افسوس اور رحم کے مستحق ہیں سراسر اُنکے تنگ دائرہ ملاقات ہونے کی پُرزور دلیل ہے۔ نیز اُن کا مغرب کو مادہ پرست کہنا اس خیال کی صداقت کرتا ہے کہ نیاز صاحب خود مغرب کے بعض ایک اور مذموم پہلو سے واقف تھے۔ تعجب ہے کہ مغرب کی مادہ پرستی کا خیال کرتے ہوئے اور مادہ پرستی کی بد نما حقیقت پر قلم رانی کرتے ہوئے نیاز صاحب نے سقراط۔ ارسطو افلاطون کو متقدمین اور حضرات کانٹ۔ برکلے۔ شوپن ہاور۔ گوئٹے۔ سپی نوزا ہیگل جیسے اور بہت سے فلسفیوں اور گوئٹے۔ دانتے۔ ماترلنک جیسے شعرا اور ہٹرک ابسن طالسطائی وغیرہ جیسے ادب کے اساتذۂ زمانیاں کو قطعی نظر انداز کر دیا۔ اور تو اور خود عیسائیت کی تحریک روحانیت کا بھی خیال نہ کیا۔ اب اگر آپ بحر زخار کے کنارے کھڑے ہو کر تموج آب کو صحرائے اعظم کا بگولہ اور آندھی کہیے تو بھلا یہ کس کا قصور۔ نیاز صاحب کو تعجب ہوا ہوگا کہ مغرب نے روحانیت ایک نئی صفت پیدا کی اور مشرق والوں کو یہاں بھی اگر نیچا نہ دکھایا۔ تو یہ ضرور دکھا دیا کہ کوئی خاص صفت ان کی وراثت یا جاگیر نہیں مگر ہمیں تو ذرا بھی اس بات پر تعجب نہیں ہوا۔ ہاں نیاز صاحب کے اس تعجب پہ ضرور حیرت ہوئی کہ انھوں نے ایک اپنی خیالی دنیا الگ بنا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ ہر ایک ایسی ہی دنیا میں رہتا ہے مغرب کے اس ہمہ صفت موصوف ہونے اور ہر علم و فن اور طریقے پر تخیل میں کمال حاصل کرنے ہی نے تو ہمارے مغربی تعلیم یافتہ اصحاب کو مغرب کا اس درجہ مداح اور پیرو بنایا کہ جس کی نقل نے اس مذموم جماعت کو پیدا کیا کہ جو نیاز صاحب کے مورد عتاب ہوئی۔

اسکے علاوہ باقی مقدمہ نہایت دلچسپ اور خاصہ بسیط ہے۔ تبصرہ سے مذاق

سلیم کا پتہ چلتا ہے اور بیدل کے کلام کے بہت ہی تھوڑے حوالہ نے بھی مقدمہ میں جان ڈالدی ہے چند ہ اشعار تو آموز اور صاحب مذاق دونوں کے لیے روغن بر آتش ہیں۔ اگر نہ دیکھا ہو تو بیدل کا کلام دیکھنے کا شوق اور اگر دیکھا ہو تو اسکے دوبارہ پڑھنے کا ذوق خواہ مخواہ پیدا ہوتا ہے خود مقدمہ کا طرز تحریر ایسا بھلا اور ستھرا ہے کہ خواہ مخواہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ خود مترجم صرف مترجم ہی نہیں بلکہ نظر غائر اور خیال عمیق رکھتا ہے۔ یوں نثر ہے گر حاصہ نظم کا مزہ آتا ہے نثر میں نیاز صاحب کی طبیعت بدعت پسند معلوم ہوتی ہے اور مثل ہر ایک قسم کی بدعت کے قدامت پسندوں کو خواہ بھلی یا بری معلوم ہو نہایت دلچسپ اور لبھانے والی ہے اور زبان کو بالخصوص ایسے نثاروں اور اختراع الفاظ و فقرات کی اشد ضرورت ہے۔ نیاز صاحب کی عربی ترکیبیں ضرور ثقیل ہیں مگر عام طور پر نثر نہایت سلیس اور پاکیزہ ہوتی ہے اور ہمارے خیال میں یہ اعلے درجہ کی تعریف ہے۔

(۳)

یہ کہنا یا سمجھنا کہ رابندرا ناتھ کے کلام کی ایک تشریح یا تاویل ممکن ہے گویا شاعر کے وسعت تخیلات کی سخت توہین ہے۔ اس وجہ سے اسکے کلام کا ترجمہ بھی مختلف لوگ مختلف طریقہ پر کریں گے۔ انگریزی اصل اور اردو ترجمہ کے مقابلہ سے صاف ظاہر ہے کہ مترجم نے جانفشانی سے ضرور کام لیا ہے۔ اور جہانتک سلاست زبان اردو کا تعلق ہے حتی المقدور ترجمہ کو اچھی صورت دی ہے۔ اور یہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مترجم کی نثر عمدہ طرز کی ہے۔ مگر اس ترجمہ میں بلحاظ ترجمہ کے ہنوز بہت اصلاح اور درستی کی گنجایش باقی ہے اگر اصل سے مقابلہ نہ کیا جائے اور صرف اردو ترجمہ ہی کو پڑھا جائے تو بجائے

خود وہ نہایت دلچسپ انشا پردازی کا نمونہ ہے اور تخیلات بھی شاعرانہ اور نازک ہیں باوجود اسکے کہ اکثر مقامات پر نہ صرف مفہوم بلکہ الفاظ کے معنی خود اصل سے بہت بعید بلکہ قطعی بدرجۂ مغائرت ہیں۔ ہم نے جس نظم کو پڑھا بجائے خود بہت بھلی معلوم ہوئی مگر مقابلہ کرنے پر اصل سے مشابہ ہونے کے علاوہ بعض اوقات خاص الفاظ اور دیگر موقعوں پر فقرے ہی اصل سے نہ صرف غیر مانوس بلکہ بعید از قیاس۔ اور گو یہ کہتے ہوئے جی دکھتا ہے اور خوف بھی آتا ہے کہ کہیں اس کا نتیجہ جرأت فرسا اور ہمت سوز نہو مگر علمی و ادبی راست پرستی مجبور کرتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ ہماری رائے میں جہاں نیاز صاحب کی سعی محنت اور ہمت قابل داد و تحسین ہیں وہیں یہ کہنا بیجا نہوگا کہ نیاز صاحب کے قوا روحانی اور دماغ تصنیفات کے لیے بمقابلہ ترجمہ و تالیف کے بہت زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں اور وہ اردو داں دنیا کے لیے بمقابلہ مترجم کے مصنف بہتر ہوں گے ہر شاعر مزاج اور جدت پسند انسان کا خاصہ ہے کہ وہ تصنیف میں کامیاب اور ترجمہ میں ناکام ہوگا۔ باقی یوں یہ ترجمہ بجائے خود ایک تصنیف ہے اور پڑھنے کے قابل ہے۔ اور اگر اس میں ضروری اصلاح ہوگئی تو مترجم مبارکباد کا مستحق ہوگا۔ یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ ترجمہ میں فقرہ مابین قوسین کا استعمال قابل اصلاح ہے۔ اگر لفظی ترجمہ ادائے مطلب کے لیے نا کافی ہو تو رعایتی ترجمہ جائز ہے اور رعایتی ترجمہ بعید از امکان ہو تو حاشیۂ زیرین پر اکتفا لازم ہے۔ قوسین کے بیچ کا فقرہ ایسا ہی برا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی اجنبی کا دخل درمعقولات ہونا۔ یہ طریقہ ترجمہ کا اب بہت کہنہ ہوگیا ہے اور اصلاح کا مستدعی ہے۔ پڑھنے والے کو یہ طریقہ نہایت ناگوار معلوم ہوتا ہے اور وہ یوں کہ یا تو مترجم ناظرین کو کم فہم خیال کرکے

ان کو سمجھانے کی غرض سے خود تشریح پر اُتر آتا ہے اور یا یہ ممکن ہے کہ وہ خود مصنف کی کوتاہی اظہار کو اپنی مفصل بیانی سے مکمل کرتا ہے۔ ہر دو صورتیں قابلِ ترک ہیں۔ تصریح و تشریح کے لیے حاشیہ موجود ہے محاسن کی طرف توجہ دلانے کو دیباچے اور مقدمے ہوتے ہیں۔ قوسین کا استعمال قطعی نامناسب ہے۔ نمونۂ ترجمے کو حذف کرنے کی وجہ صاف ہے۔ اس کا تعلق محض پڑھنے سے ہے۔

دگیتانجلی کا اُردو ترجمہ۔ لطیف اینڈ کو آگرہ نے شائع کیا ہے درویش پریس دہلی میں طبع ہوا۔ مصنف رابندرا ناتھ ٹیگور۔ مترجم نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری قیمت ۱۲؍

آصف علی

نظارۂ خرابات

بسلسلہ اشاعت گزشتہ

ہو آشکار نزہت کلک گہر فشاں دکھلادے وہ زمیں کہ ہے دنگ آسماں
جوہر عیاں وہ کر جو ستارے کہیں کہ ہاں تابندگی سے آئینہ خانہ بنے جہاں
سر تا بہ پا عروس سخن کو سنوار دے
شیشے میں آج سارا پرستاں اُتار دے

آئینہ کیا ہے گرد سکندر کے سامنے مفلس کی کیا بساط تونگر کے سامنے
کم اصل سنگ ریزہ ہیں گوہر کے سامنے پرواز ذرہ کیا ہے خاور کے سامنے
نافہم پہنچے رمز سخن کو محال ہے
عاقل اسے کہے گا کہ سحر حلال ہے

اہل نظر کو نظم ثریا نشاں ہے یہ شاخ رہ بدی جو ہے وہ کہکشاں ہے یہ
شاداں ہو جس سے روح وہ راحت رساں ہے یہ روح القدس کا وجد میں آکر بیاں ہے یہ
کیا خوب باب رحمت باب علوم ہے
ارشد ترے کلام کی کوثر پہ دھوم ہے

لعل و گہر یہ وہ ہیں کہ جوہری ملک　　پہنچی ہے ان جواہروں کی عرش تک چمک
حسنِ سخن میں تیرے کسی کو نہیں ہے شک　　تسلیم کو خمیدہ ہوا ہے سپہ فلک
لطفِ زباں نے شاد کیا جبرئیل کو
ہدیہ ترا پسند ہے ربِ جلیل کو

رفعت پہ تیرا کوکبِ اقبال ہو گیا　　مسند نشین شوکت و اجلال ہو گیا
فرخندہ بخت آئینہ تمثال ہو گیا　　عصیاں سے پاک نامۂ اعمال ہو گیا
اللہ رے شرف کی سند آج مل گئی
رتبہ بلند ہو گیا معراج مل گئی

اللہ رے نصیب کہ رحمت کا ہے نزول　　ہے لطفِ کردگار تو محنت بھی ہے قبول
آساں نہیں ہے کچھ دُرِ مقصود کا حصول　　ارشد کجا وہ عالمِ بالا کہاں یہ پھول
میں کیا ہوں اور کیا مری مدحت سرائی ہے
مشکل کشا کے ہاتھ سب عقدہ کشائی ہے

اے ربِ ذوالمنن یہ حمایت کا وقت ہے　　محبوبِ کبریا یہ عنایت کا وقت ہے
یہ پردۂ حجاب سے طلعت کا وقت ہے　　ہاں اے زباں یہ تیری صداقت کا وقت ہے
مطلب یہ ہے کہ راز کا اب انکشاف ہو
مطلع بھی مثلِ مطلعِ انوار صاف ہو

مطلع ثانی

کھل جائے آج دفترِ نظم و نسق نیا　　ہو آسماں پہ رنگِ طلوعِ شفق نیا
تیار ہو کتابِ جہاں کا ورق نیا　　وہ عیش ہو کہ پھر نہ ہو دل کو قلق نیا
عہدِ کہن جو پھر سے ہو تازہ تو خوب ہو
چمکے وہ آفتاب نہ جس کا غروب ہو

سیارہ داں کی ہے سحر و شام پر نظر　　رکھتے ہیں دوربیں ہر اک کام پر نظر
کرتا ہوں جب مسافرِ اسلام پر نظر　　آغاز پر نظر ہے نہ انجام پر نظر
دنیا کی کچھ خبر ہے اسے اور نہ دین کی
اب تک نہیں تمیز امامِ مبین کی

کیوں پھر رہا ہے مسلم آوارہ کو بکو ۔۔۔ چہرے سے اپنے پردۂ غفلت اُٹھا دے تو
موجود گئی نور میں ظلمت کی جستجو ۔۔۔ کافی نہیں ہے کیا سند لا تفرقوا
ہے نسخۂ شفا دل مجروح کے لیے
حاصل کر اس کو پرورش روح کے لیے

روشن ہے نور شمع ہدایت کے واسطے ۔۔۔ ہے آفتاب غارتِ ظلمت کے واسطے
حاجت نہیں ہے ماہ کو زینت کے واسطے ۔۔۔ میدان کم نہیں تری وسعت کے واسطے
جاری ہے فیض عام خدا کی کتاب کا
سارے جہان پر ہے عمل آفتاب کا

قرآن پر جو قائل قرآں عمل کرے ۔۔۔ کیا مُنہ حریف کا ہے جو ردّ و بدل کرے
باطل گریز پا ہے وہ کیا حق سے کل کرے ۔۔۔ ممکن نہیں ضیا میں سیاہی خلل کرے
ظلمات میں بھی خضر نڈر ہے ممات سے
بھرا اپنا جام چشمۂ آب حیات سے

گر تجکو رخت ہستی جاوید چاہیے ۔۔۔ خضر رہ حیات کی تقلید چاہیے
لطف تجلی شفق عید چاہیے ۔۔۔ اور پا بصدر مسند جمشید چاہیے
ڈھونڈھو اُسکو آبرو ہو تری جس کی چاہ سے
شب کو فروغ چرخ دو بالا ہے ماہ سے

ماہ یگانہ زینت اورنگ کائنات ۔۔۔ وہ ماہ جو ہے وارث آیات بیّنات
وہ ماہ جس کی ذات ہے سرچشمۂ حیات ۔۔۔ وہ ماہ ہے ازل سے ابد تک جسے ثبات
ہاں وہ قمر جو کاشف حسن قدیم ہے
جس کا جمال زیور عرش عظیم ہے

وہ ماہ جس کا فیض ہے جاری جہان پر ۔۔۔ سکہ ہے جس کے نام کا کون و مکان پر
توحید کا نشان ہے اُسکے نشان پر ۔۔۔ مصحف گواہ ہے رخ زیبا کی شان پر
عکس جمال ماہ یمانی وہی تو ہے
نور ازل کا مطلع ثانی وہی تو ہے

آغا غلام حسین [illegible]

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے جون نمبر ملاحظہ ہو)

تین قصیدے خانۂ کعبہ پر ابھی تک لٹک چکے ہیں امری القیس اور طرفہ اور زہیر کی شاعری آنکھوں میں کھپی ہوئی ہے۔ اگرچہ عرب کے بچے بچے میں اس سرزمین کی تاثیرات آب و ہوا نے شاعری کا مذاق کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے اور کوئی طبقہ اور گروہ اس مذاق سے خالی نہیں ہے۔ لیکن نظریں جب اٹھتی ہیں تو ان ہی تین شخصوں پر جن کا کلام خانۂ کعبہ پر نقرئی اور طلائی حرفوں سے نہایت بیش بہا چیزوں پر لکھے ہوئے آویزاں نظر آ رہے ہیں اور کیوں نہو ان کی یہ شان و شکوہ جبکہ تمام فصحاے عرب نے ان کو تمغۂ کامیابی پہلے ہی دیدیا ہے۔ اب شعراء عرب سے ہر شخص کا یہ خیال ہے کہ ہم بھی ایسی زوردار نظم ملک میں پیش کریں کہ کچھ نمبر امری القیس وغیرہ سے بڑھی جائے یا کم سے کم اتنی ہی مقبولیت تو ضرور حاصل کرلیں۔ جوان لوگوں کے واسطے ہے۔

مگر اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ قصیدہ انشا کرنے کے بعد ملک میں پیش کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی کہ خود ہی طبیعت اپنے عجز کا اعتراف کرلیتی ہے اور بڑھی ہوئی ہمتیں پست ہو کے رہجاتی ہیں۔ اور بعض ناعاقبت اندیش کلام ملک میں پیش کرنے کے بعد ندامت اُٹھاتے ہیں۔ مگر واقعی کیا کہنا ہمت والی قوم کا باوجود ان ناکامیوں کے جو ہمت پست کرنے والی ہیں بجاے کمزوری کے اور جوش زیادہ ہوتا ہے اور قوت بڑھتی جاتی ہے۔ دنیا میں زندہ رہنے والی قوموں کے یہی آثار ہیں کہ ہمتوں کو کبھی پست نہیں ہونے دیتے آخر کو کامیابی انہیں سب وخواہ کامیابی نصیب ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے جیسا کہ ان تین شاعروں کے بعد ہوا کہ ملک الشعرا لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب

ابن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر ابن ہوازن بن منصور بن عکرمہ
بن حصفہ بن قیس بن عیلان ابن مضر ابن نزار بن معد بن عدنان کی طبیعت گویائی
اور خداساز طبیعت شاعری کا پارہ چڑھنا شروع ہوا آفتاب فکر آسمان شاعری کے افق
سے طلوع ہوتا ہوا دائرہ نصف النہار پر آ ہی گیا اور جوش میں اس نے وہ قصیدہ
انشا کیا کہ تمام فصحاے عرب کے پتے پانی ہوگئے۔ چنانچہ ایک یہ بھی بیش بہا موتی
اسی جواہرات کی لڑی میں منسلک کردیا گیا۔ اب خانۂ کعبہ پر بجاے تین نایاب
قصیدوں کے چار عدیم المثال نظمیں نظر آنے لگیں۔ لبید کا آخری عہد ہے اور طبیعت
شاعری کا شباب ہے تمام عربستان کفرستان ہو رہا ہے کہ عرب کے خارزار اور
چٹیل وادیوں پر اسلام کا آفتاب چمکا اور تمام مصنوعی، وشنبان عالم کی پھیکی اور
ماند ہونے لگیں دیو نژاد کفر کا زور گھٹنے لگا۔ فصاحت و بلاغت پر ناز کرنے والوں کے
مقابل میں خدا کا بھیجا ہوا رسول کلام الٰہی کو پیش کرنے لگا۔ کاہنوں کے رنگ
سونلاے مدعیان تکلم کی زبانیں لکنت میں آئیں۔ اعراب کی مایۂ ناز فصاحت و
بلاغت کی شمعیں دفعۃً گل ہونے لگیں یہانتک کہ مادہ قابل رکھنے والے تاثیرات
کلام الٰہی سے مست ہونے لگے رفتہ رفتہ یہ اثر یہانتک پہنچا کہ لبید کا ایسا فصیح و
بلیغ شاعر بغیر اسلام لاے نہ رہ سکا۔ دیکھو انصاف اسکو کہتے ہیں اور حق پسندی
کے یہ معنی ہیں کہ لبید وہ شاعر ہے جسے فصحاء عرب اپنے عہد کا ملک الشعرا اور
راس الشعرا سمجھتے ہیں کلام کو مقبولیت بھی اتنی ہے کہ ہر طرف آنکھوں پر بٹھایا
جاتا ہے مگر اسلام لاتے ہی یہ کہکر اپنی مقبول خاص و عام شاعری کو ترک کرتا ہے
یکفینی القرآن فھو نعم البدل من الاشعار۔ اس کا سال وفات
سنہ۴۱ھ ہے با اختلاف آراے مورخین اس نے ایکسو پنتیس یا ایکسو چالیس
یا ایکسو ستاون برس کی عمر کی۔ یہ بعد ظہور اسلام پچپن برس زندہ رہا۔ یہ قصیدہ

اسکے بہترین کلام سے سمجھا جاتا ہے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ علاوہ ایک باکمال شاعر ہونے کے ایک سچا سپاہی بھی تھا اصول جنگ پر بھی بخوبی مطلع تھا شجاعت کے ساتھ ہی ساتھ سخاوت کا بھی مادہ معقول رکھتا تھا۔

نابغہ ذبیانی جو شعراء طبقۂ اولیٰ میں ایک رکن سمجھا جاتا ہے اُس نے لبید سے قصیدہ سُننے کے بعد یہ الفاظ مدح میں لبید کے کہے ہیں۔ انت اشعر العرب مختصر یہ کہ یہ قصیدہ لبید نے اُس زمانہ کے مذاق کے موافق بےمثل و بےنظیر کہا ہے قصیدہ بحر کامل میں ہے اور اصول افاعیل اسکے متفاعلن ہے چہ بار۔ لبید نے اس قصیدہ میں مختلف چیزوں پر طبع آزمائی کی ہے اُس زمانہ میں جو چیزیں قابل مفاخرت تھیں اونھیں پر لبید نے بھی زور طبیعت دکھایا ہے چنانچہ کہیں اپنی شترانجاری پر فخر و مباہات ہے کہیں احباب کے لیئے اونٹوں کے ذبح کرڈالنے پر تعلّیاں ہیں کہیں شجاعت و بہادری کے کارنامے ہیں کہیں فرقت احباب پر یاس آمیز نوحے ہیں اسکے ضمن میں اُس مناظرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے جو اس سے بہت کم سنی کے زمانہ میں منذر بن ماءالسما بادشاہ عرب کے بھرے دربار میں اُسی کے مصاحب خاص ربیع بن زیاد عبسی سے ہوا تھا۔ ربیع لبید کا رشتہ میں ماموں بھی تھا کیونکہ اسکی ماں بھی قبیلۂ بنی عبس سے تھی۔ بالاختصار اسکا قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی جماعت لبید کے قبیلہ سے نعمان بادشاہ عرب کے دربار میں داخل ہوئی جسمیں لبید بھی تھا مگر لبید کا سن اُس زمانہ میں بہت کم تھا جب یہ جماعت اندر جانے لگی تو اُسوقت ربیع نے کچھ نامناسب الفاظ توہین آمیز لہجہ میں اسکے قبیلہ کے متعلق کہے جس کا ایک خاص اثر لبید کے قلب پر ہوا چنانچہ وہ وقت تو کسی نہ کسی طرح ٹلگیا اور آئندہ روز پھر بھرے دربار میں مناظرہ کی ٹھن گئی چنانچہ لبید نے بھرے دربار میں ربیع کو ایسے دنداں شکن جواب دیے کہ ربیع کو

سوائے اسکے اور کچھ نہ بن پڑا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو کے دربار سے رخصت ہوجائے
ہیں اسوقت لبید کے قصیدے سے کچھ ابتدائی اشعار پیش کرنے کے بعد وہ اشعار لکھونگا
جنمیں اُس مناظرہ کے متعلق لبید نے مفاخرت کی ہے -

مطلع

عفت الدیار محلھا ومقامھا بمنیً تابد غولھا فرجامھا

لبید کہتا ہے کہ ہائے میرے پیارے احباب اور عزیز دوستوں کے وہ مکانات مٹگئے
اور نیست و نابود ہو گئے جو موضع منی میں تھے اور سب کے سب مکان مٹ گئے
وہ بھی جو وقتی قیام کے لیے معمولی استحکام کے ساتھ بنائے گئے تھے اور وہ بھی جو
ہمیشہ کے لیے یعنی مدتوں کے قیام کے لیے مضبوط و مستحکم بنے ہوئے تھے اور موضع
منے کی ویرانی کے ساتھ اسکے ہمسایہ مقامات غول اور رجام بھی ویران اور
وحشتناک ہوگئے اور کیوں نہوتے جس کا مونس کوئی نہ رہے گا اُسی کا یہ حال ہوگا
اے حباب اس شعر میں لبید کی شاعری کا تعلق اُن جذبات سے ہے جو ایک درد بھرے
دل کے ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ایک آباد محلہ سے اگر کوئی بھرا پورا گھر تباہ و برباد
ہوجاتا ہے تو عرصہ تک اہل ہمسایہ پر اُس مکان کی ویرانی اور وحشت کا ایک خاص
اثر رہتا ہے اور مدتوں محلہ کا محلہ بھُو مارا کرتا ہے لبید اس شعر میں اُس اثر کو
دکھا رہا ہے کہ اس ویران منزل کی وحشت کا تو کیا ذکر اسکے آغوش میں تو خاک ہی
اڑ رہی ہے اسکے ہمسایہ میں جو جو مقامات تھے غول ورجام اُن پر صرف ہمسائگی سے
اتنا اثر پڑا ہے کہ وہ وحشتناک نظر آرہے ہیں -

فمدافع الریان عری رسمھا خلقا کما ضمن الوحی سلامھا

لبید نے اسمیں ایک خاص سینری دکھائی ہے کہتا ہے کہ کوہ ریان کے وہ گڑھے

سلہ منی - ایک مقام ہے جو اطراف نجد میں ہے اور اُس زمانہ میں مقیم ضات بنی عامر سے تھا۔

اور پانی کے مجرے کچھ عجب وحشتناک نظر آرہے ہیں جنکو غبار و ریگ نے عرصہ تک اپنی چادروں میں چھپا لیا تھا اور اب پانی کے سیلوں نے اُنھیں پھر ظاہر کردیا ہے حالانکہ وہ نشانات پرانے ہیں اور وہ توضاہن ہیں مٹ گیا سکتے ہیں جس طرح پتھر کے نشانات لاکھ کہنہ ہوجائیں مگر مٹ نہیں سکتے اسی طرح ان مکانوں کے نشانات بھی نہیں مٹ سکتے۔ مقصود یہ ہے کہ لاکھ چھپانے والی چیزیں چھپائیں مٹانے والے حوادث مٹائیں مگر یہ عبرت کی تصویریں صفحۂ ہستی سے مشکل سے مٹیں گی۔

دمن تجرم بعد عهد انیسها حجج خلون حلالها وحرامها

یہ نشانات جن کو میں دیکھ رہا ہوں اُن گھروں کے نشانات ہیں جن سے مکینوں کو چھوٹے مدتیں ہوگئیں ان پر صاحب مکان کے جدا ہونے کے بعد سال کے سال گذر گئے واقعی لبید کی یہ تخیل بھی کسقدر درد میں ڈوبی ہوی ہے گویا اسوقت لبید کی نظروں میں ان نشانات نے اس منزل کی صورت سابق کا نقشہ پورا پورا کھینچ کے پیش کردیا ہے اور وہ مدتوں کی بھولی ہوی صورتیں یاد آ آ کے دل تڑپا رہی ہیں انتہائے شوق کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ وہ صورتیں جو اسوقت خزانۂ خیال سے حافظہ میں منتقل ہورہی ہیں کسی طرح نظروں کے سامنے واقعی طور پر موجود ہوجائیں اور مایوسی کہتی ہے کہ عقل کے ناخون لے اب وہ کہاں ممکن یہ خیال خام ہے۔ ان منزلوں کو چھوڑے ہوے اُن لوگوں کو مدتیں گذر گئیں۔

رزقت مرابیع النجوم وصابها ودق الرواعد جودها فرهامها

اس شعر میں لبید اُس حالت کو دکھا رہا ہے جو ابر و باراں سے کھنڈروں کی ہوجاتی ہے کہتا ہے کہ ان شکستہ مکانوں کو ان کھنڈروں کو غذا دی گئی ہے یعنی خود رو سبزے سے آراستہ کردیے گئے ہیں اس طرح پر کہ ابر بہاری تاثیرات کواکب سے انپر کم و بیش برسا

معمولی اور غیر معمولی گرج اور چمک کے ساتھ اس خیال سے کہ انکے حسرت بھرے ویرانے کی صورت کچھ ہی دنوں کے لیے سبزۂ بیگانہ سے بدلدے اور بدلدی اس شعر میں ایک باریک بات اور بھی ہے جو توجہ دلانے کے قابل ہے جسکو لبید نے دکھایا ہے وہ ایک عقیدہ ہے اعراب جاہلیت کا جو اُس زمانہ میں ان کو ایرو بادسے تھا۔ چنانچہ مرابیع النجوم سے اُسی طرف اشارہ ہے۔ نجوم سے اس مقام پر مراد انواع ہیں انواع جمع ہے نوء کی یہ مثل سمک اور جوزا وغیرہ کے وہ اٹھائیس تارے ہیں جنکے طلوع و غروب کا سال میں وقت اعراب جاہلیت جانتے تھے یہی تارے اُنکے نزدیک منازل قمر بھی ہیں اور اُن کی شان اعراب جاہلیت کے نزدیک یہ تھی کہ ہر تیرہویں شب کو وقت طلوع سحر ایک تارا اُن میں مغرب کی طرف ٹوٹتا ہے اور اُسی وقت اُسکے مقابل میں ایک تارا مشرق میں طلوع ہوجاتا ہے چنانچہ ان سب تاروں کے طلوع و غروب کے ختم ہونیکے ساتھ ہی سال ختم ہوجاتا ہے زمانہ جاہلیت میں اعراب ان ہی تاروں کو بارش اور ہوا کا سبب قرار دیتے تھے کچھ خاص ایسی شناختیں تھیں اُنکو جس سے وہ ایک تارے کے ٹوٹنے اور دوسرے کے طلوع ہونے سے یہ حکم لگادیتے تھے کہ اب بارش ضرور ہوگی اور ہوتا بھی ایسا ہی تھا اُنکے قیاس اکثر صحیح نکلا کرتے تھے۔ اس شعر میں لبید نے اُسی عقیدہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

من کل ساریۃ[1] وغاد مدجن وعشیۃ متجاوب ارزامھا

ان کھنڈروں کو ان شکستہ مکانوں کو ہر قسم کے بادلوں نے مدد دی ہے صبح کے برسنے والے بادلوں نے الگ گھنگھور سیاہ گھرے برسنے والی گھٹاؤں نے الگ سہ پہر کے برسنے والے بادلوں نے الگ جن کی گرج دوسرے مقاموں سے

[1] واضح رہے کہ عرب میں جاڑے کی بارش اکثر شب کو ہوتی ہے اور ابر بہار صبح کو شام ہر وقت گرجتا ہے

ٹکراکے اپنا جواب آپ پیدا کرلیتی ہے۔ گویا منشاء یہ ہے کہ ان ویران منزلوں کی اداسی کم کرنے میں بادلوں نے بڑا حصہ لیا ہے۔

ناظرین اب میں اس مقام کو چھوڑتا ہوں اور کچھ اشعار اُس مقام کے لکھتا ہوں جسمیں لبید نے اپنے اُس مناظرہ پر روشنی ڈالی ہے جو دربار نعمان میں اس سے اور ربیع سے ہوا تھا۔

وكثيرة غرباؤها مجهولة ترجى نوافلها ويخشى ذامها

کہتا ہے کہ بہت سے ایسے گھر ہیں جہاں مختلف مقامات سے آ آکے مسافر اُترتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے ناواقف ہوتے ہیں کوئی کسی کو نہ جانتا ہے نہ پہچانتا ہے ان مسافروں کو بہت کچھ صاحب خانہ سے بخشش کی اُمیدیں بھی ہیں اور اُنکے ساتھ بے عنوانی کی حالت میں اندیشہ بھی ہے۔ غالباً لبید کا اس سے میری رائے میں یہ منشا ہے کہ ہم لوگوں میں جود و بخشش بھی ہے اور اگر ہمارے ساتھ بدسلوکی کی جائے تو احسان فراموشوں کے لیے عادت سزا بھی ہے۔ یعنی اے ربیع معمولی نظروں سے ہمکو کبھی نہ دیکھنا۔

غلب تشذر بالذحول كأنها جن البدي رواسيا أقدامها

بتا رہا ہے کہ میں اُن لوگوں پر غالب رہا ہوں جو بڑے ثابت قدم ہیں لڑائیوں میں اور جنکی گردنیں مثل شیروں کے مستحکم و زبردست ہیں اور جو اپنے کینوں سے لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں۔

انكرت باطلها وبؤت بحقها عندي ولم يفخر علي كرامها

کہتا ہے کہ میں نے اُنکی بے بنیاد اور بے اصل باتوں سے مکالمہ کے وقت انکار کیا اور اُنکی حق باتیں تسلیم کیں وہ تو وہ اُنکے بڑے بھی میرے اوپر کسی قسم کا فخر و مباہات نہ کر سکے۔ مطلب یہ ہے کہ دیانت سے مناظرہ کیا اصول مناظرہ سے الگ ہو کے بے دیانتی کے ساتھ میں نے ربیع کو قائل نہیں کیا۔

تأوي الى الاطناب كل رذية مثل البلية قالص اهدامها

یہ شعر بھی لبید کا مقام فخر میں ہے کہتا ہے کہ میں وہ ہوں اور اُس قوم وقبیلہ کا ہوں جس کے طناب ہائے خیمہ کی طرف ہر غریب و عاجز و شکستہ حال و بوسیدہ لباس والی عورتیں پناہ لیتی ہیں جو کمزوری میں مثل اُس ناقہ کے ہوتی ہیں جو قبر مردہ پر باندھ دیا گیا ہو۔ گویا مطلب یہ ہے کہ ہم ہی وہ ہیں جس میں انسانی ہمدردیوں کی خدا نے روح پھونکی ہے۔

اس تمثیل سے جو ناقہ سے لبید نے دی ہے ایک واقعہ مضمر ہے جو قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ لبید نے اعراب کی اُس رسم پر روشنی ڈالی ہے جو اُس زمانہ میں اعراب میں عقیدت مندانہ حیثیت سے جاری تھے وہ یہ ہے کہ (بلیہ) اعراب اُس ناقہ کو کہتے تھے جو صاحب ناقہ کے مرجانے کے بعد اُسکی قبر پر باندھ دیا جاتا تھا اور وہ مارے بھوک اور پیاس کے دُبلا ہو ہو کے مرجاتا تھا اعراب جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ صاحب قبر اسی ناقہ پر سوار ہو کر محشور ہوگا۔ اسیطرح سے ناظرین لبید نے مقام فخر میں بہت سی خصوصیتیں ذکر کی ہیں جن کو میں لحاظ طول نظر انداز کرتا ہوں اور دو ایک شعر اور لکھکر ختم کرتا ہوں۔

فاقنع بما قسم الملیک فانما　　قسم الخلائق بیننا علامها

خطاب کرتا ہے اپنے تمام مفاخر اور بزرگیاں بیان کرنے کے بعد کہ اے حاسدان ہماری خصوصیات پر حسد نکرو اور قناعت کرو اُس تقسیم پر جو قسام ازل نے ہر ایک کے پیمانہ کا اندازہ کرنے کے بعد موافق وسعت ظرف تقسیم کردی ہے اس لیے کہ وہ ہم سے اور تجھ سے بہتر سمجھنے والا ہے۔

واذا الامانة قسمت فی معشر　　اوفی باوفی حظها قسامها

یعنی قسام ازل نے وقت تقسیم امانت و دیانت ہمکو وافر حصہ عنایت کیا ہے امانت و دیانت کا گویا مطلب یہ ہے کہ ہم سے حسد فضول ہے یہ تو تقسیم الٰہی ہے جو کچھ تجھکو شکوہ و شکایت ہے وہ قسام ازل سے کر اور ہم سے بغض عناد کو ترک کردے۔ (باقی آئندہ)

آشفتہ لکھنوی

غزلیات

حضرت محشر لکھنوی

کبھی جو درد بھرے دل کی ناصحا سُنتا تری ضعیف صدائیں مرا خدا سُنتا
صدائے خندۂ ساغر سے جسکو نیند آئے وہ مست ناز کسی غمزدے کی کیا سُنتا
حیات عشق اسی شش میں تمام ہوئی سُناتے ہم وہ اگر قصۂ وفا سُنتا
بسوز عشق غضب ہے جو رہ گئے دل میں کبھی ہماری بھی ادائی جفا سُنتا
بیان غم پہ رہی کچھ رُکی رُکی سی ہنسی مری کہانی کو آخر وہ اور کیا سُنتا

بھلا ہوا غم فرقت میں چپ رہے محشر
نہ ابتدا کوئی سُنتا نہ انتہا سُنتا

حضرت حسرت موہانی

شوق پوشیدہ کا اظہار نہونے پایا داغ دل کوئی نمودار نہونے پایا
دل کچھ اس ڈھب سے لیے اُسنے کہ ہوش کوئی حال سے اپنے خبردار نہونے پایا
غلبۂ حق سے زمانہ میں ہے اک شور بپا اسیر افسوس جو بیدار نہونے پایا
صبر سے مقصد ناکام کی ہمت جو بندھی وجہ نومیدی بسیار نہونے پایا
شاداں تھا جو ترے دور طرب سے دل غم دنیا سے گرانبار نہونے پایا
وصل میں بھی رہی بیگانگی حزم و حجاب راستہ شوق کا ہموار نہونے پایا
دم زدن میں ترے جلوے نے کیا کام تمام شوق آمادۂ پیکار نہونے پایا
اس سلیقے سے کیا ذبح کہ دامن تک خون عشاق سے گلنار نہونے پایا
بیخود شوق تھے سب دور میں تیرے کوئی خواہش مے کا گنہگار نہونے پایا

ہم بھی سمجھیں گے ہوس عشق بتاں کو حسرت
حل جو یہ عقدۂ دشوار نہونے پایا

افسر الشعراء حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی

بیہوش تھا ہے بدست جوانی کی نظر بھی اب کس کا جگر لاؤں ـ میں اللہ سے ڈر بھی
میں کہتا ہوں مجھ میں تو نہیں کوئی ہنر بھی دل کہتا ہے خاموش ـ کسی کو ہو خبر بھی

جسکو کہ ملانی نہیں آتی ہو نظر بھی
کس طرح ملوں اُن سے کروں کیا ادھر بھی

دم بھر کو اگر شمع گل افشاں ہوئی تو کیا؟
ہنسیے تو سہی پھول برستے ہیں ادھر بھی

یکساں ہی رہی عاشق و معشوق کی قسمت
بلبل کا بھی دل چاک ہے ٹکڑے گل تر بھی

کھل جائے گا معیار نظر بازیِ بلبل
رکھ دیجیے عارض کے قریب اک گل تر بھی

قائل ہوں منافق کی سیاست نظری کا
کیا حرف شدہ ہے ادھر بھی ہے ادھر بھی

ملنے کیسے کیا کیا تری دیوا ۔ سے نیچے
دل ہل گئے لیکن نہ ہلا پہ ۔ ۔ در بھی

تم کیا کرو بے برگ سے تم مل نہیں سکتے
میں کیا کروں مجھکو مری ہستی کی خبر بھی

وہ کون سا ناشاد ہٹا لے شمع شبستاں
اک خاک کی چٹکی بھی ہے ٹوٹے ہوئے پر بھی

لیلیٰ بھی مجنوں ہے بگولے کے بدن میں
اب خاک میں تو مل گیا محمل سے اتر بھی

اب بھی جو گزر جاتی ہے جلتی ہوئی صورت
دل کھنچتا ہے دم کھنچتا ہے کھنچتی ہے نظر بھی

اُس آنکھ میں کیا ساغرِ کوثر کی جھلک تھی
دل کہتا ہے ہاں ایک نظر دیکھ تو ۔ مر بھی

آنکھوں میں بھی تصویر ہے آنکھوں سے تو دیکھو
تصویر کے پردے میں ہے وہ آئینہ گر بھی

دنیا میں اب اس مال کا گاہک نہیں شاعر
بیٹھ تو اس مفت کے سودے سے گزر بھی

حضرت کلیم لکھنوی

پھرا کرتی ہے آنکھوں میں مری تصویر میخانہ
نظر آنے لگی ہر جام میں تعمیر میخانہ

ترقی پر ہے فصل گل میں یہ جاگیر میخانہ
جہاں کی ہر عمارت ہو گئی تعمیر میخانہ

پھری ہے سر میں مجھ مینوش کے تنویر میخانہ
مری قسمت بھی چمکی پھر وہ تقدیر میخانہ

نہ ہوگی تا ابد پھر حاجت تطہیر میخانہ
عوض پانی کے مے ہوا زہے تعمیر میخانہ

نگاہ چشم ساقی سے ہوئی تسخیر میخانہ
ہیں آزادوں سے اچھے قیدی زنجیر میخانہ

صراحی ہے گلا آنکھیں ہیں ساغر می محبت ہے
مرا ساقی مجسم ہو گیا تصویر میخانہ

غضب دنیا میں آ جائیگا ہوگا جو کوئی زند
بہت اچھی نہیں ہے واعظا تحقیر میخانہ

سر مینا کیوں نہ ٹیکیں بادہ کش فصل بہاری میں
در توبہ کھلا ہے بند ہے زنجیر میخانہ

اگر زہاد دیکھیں سچ ہے فصل بہاری میں
تو پھر پرہیزگاری پر چلے شمشیر میخانہ

نظر جسکی چھری ہاتھ اُسنے رکھا اپنے سینہ پر
نگاہ ناز ہے ساقی کی گویا تیر میخانہ

سمجھائی کچھ نہیں دیتا ہے ایسا نشہ ہے مجھکو — لیے جاتی ہے ہر گھر کی طرف تعمیر میخانہ
یہ دعویٰ ہے مرا واعظ ہو یا کوئی ہو اس سے کیا — وہ آجائے تو ہو جو قائل تاثیر میخانہ
جو ہوں آمادہ جائیں دل تو بہک سے واعظ — پڑی ہے میکشوں کے پاؤں میں زنجیر میخانہ
جو ساماں میکشی کا خواب میں تھا خواب تھا گیا — سوا عبرت کے کوئی کیا کہے تعبیر میخانہ
دعا بارش کی بھی مانگوں خدا سے موسم گل میں — ترقی اور بھی ہو وہ کروں تدبیر میخانہ
مری آنکھیں ہیں پیالے دل ہیں جتنے ساغر مے ہیں — وہ ہے عزت سے جو ہے منکر توقیر میخانہ
نگاہ چشم دخت رز ہے جلوہ ساغرے کا — کلیجہ چھان دیگا میکشوں کا تیر میخانہ
وہ ہر کچھ رات گذری جھپٹ پینے والے آپہنچے — برابر کھڑکھڑائی جاتی ہے زنجیر میخانہ
یہ کیونکر مان لوں میں واعظ او بہکائے تو — بڑا پیر مغاں ہے میکشوں کا پیر میخانہ
ادھر اللہ اکبر ہے ادھر ہو حق کے نعرے ہیں — وہ ہے تکبیر مسجد اور یہ ہے تکبیر میخانہ
دوا کا جام ہے ہر ساغر مے دست ساقی میں — نہ پھر کس طرح صحت بخش ہو تاثیر میخانہ
کلیم اللہ اکبر ہوش میں اپنے نہیں موسیٰ — یہ جلوہ طور کا ہے صورت تنویر میخانہ

گھٹا اٹھی گھٹا کے ساتھ ہی میخوار بھی اٹھے
چمک سے برق کی ظاہر ہے کیا تقدیر میخانہ

حضرت عزیز منصورپوری

ہوں کشمکش فراغ سے دور اور شکستہ پر — عنقا صفت ہوں باغ سے دور اور شکستہ پر
اے شمع تیرے رونے سے کیا فائدہ اُسے — پروانہ ہے چراغ سے دور اور شکستہ پر
ایک خار ہے کہ [illegible] جا گریں — بلبل ہے ایک باغ سے دور اور شکستہ پر
ٹھکرا گیا رقیب بلا سے بلے ہوئے — وہ بھی مرے ایاغ سے دور اور شکستہ پر
وعدہ کی شب عدو کا مکاں طائر خیال — کاشانۂ دماغ سے دور اور شکستہ پر
شب ہو گئی صیاد کبوتر، الٰہی خیر — ہو کوہ و باغ و راغ سے دور اور شکستہ پر
تو لامکان اور قفس میں مرغ دل — ہو گا ترے سراغ سے دور اور شکستہ پر
نزدیکیوں سے آہ گئی نارسا رہی — شرمندہ گل کے داغ سے دور اور شکستہ پر

بلبل نے مرتے دم کے قفس میں کہا عزیز
اے کاش ہوتے باغ سے دور اور شکستہ پر

جناب نواب امجد علی صاحب قیصر لکھنوی

ایسے ناداں سے تغافل کی شکایت کیا ہے
جو نہیں جانتا یہ بھی کہ محبت کیا ہے

جل چکی شمع بھی اور مر گئے پروانے بھی
کہدے اب قصد ترا اے شب فرقت کیا ہے

دیکھ لے اُن کو تو دل تھام کے زاہد بھی کہے
واہ کیا حُسن خداداد ہے صورت کیا ہے

خاک میں ملگیا کہنے کو نشاں باقی ہے
نام ہی نام فقط ہے مری تربت کیا ہے

آپ کا مال ہے آپس میں تکلف کیسا
دل مرا شوق سے لے لیجیے حجت کیا ہے

جس پہ قابو نہ ہوا اپنا وہ ہے کس کام کا دل
چل سکے زور نہ جس سے وہ طبیعت کیا ہے

ہم ذرا اسکی حقیقت سے نہیں ہیں آگاہ
تمھیں کچھ سوچ کے کہدو کہ محبت کیا ہے

میری گستاخیوں پر اُنکا یہ کہنا شب وصل
نچلے بیٹھو ابھی جلدی کی ضرورت کیا ہے

نا سمجھ ہو ابھی تم آؤ گلے مل جاؤ
کون سی بات پہ روٹھے ہو شکایت کیا ہے

سچ ہے ایسے ہی پہ مرنے کا مزا ہے اے دل
جو کبھی یہ بھی نہ پوچھے تری حسرت کیا ہے

آپ ہی کی یہ عنایت ہے کروں کیا شکوہ
سوچیے دل میں بلا اے شب فرقت کیا ہے

کل تو آئے نہ تھے اور کہتے ہیں ہم آئے تھے
تو ہمیں بنتے ہیں جھوٹے یہ قیامت کیا ہے

میرا دل لے کے مجھی سے وہ یہ فرماتے ہیں
اب ہمیں حضرت قیصر سے ضرورت کیا ہے

جناب نواب میر صدرالدین حسین خاں رئیس بڑودہ

کب بے کمالیوں پہ وہ شرمائے جاتے ہیں
جھوٹی نمود اپنی وہ دکھلائے جاتے ہیں

بے غیرتی کی داد نہ دی جائے کس طرح
صدہا عیوب پر بھی وہ اترائے جاتے ہیں

ایسے شعور مند ہیں اللہ کی پناہ
ہر نفع بخش کام سے اُکتائے جاتے ہیں

رکھیں نہ بے ہنر کبھی عزت کی آرزو
ہر شغل پُر ضرر پہ جو للچائے جاتے ہیں

ہم آپ کو سمجھتے ہیں دانا سے روزگار
اور بے وقوف اوروں کو ٹھیرائے جاتے ہیں

اہل دغا کی قدر ہے اہل غرض کی چاہ
گو ہم پہ وہ ہزار ستم ڈھائے جاتے ہیں

اُن مفسدوں سے ہم نے بڑھائی ہے رسم و راہ
جو آتش فساد کو بھڑکائے جاتے ہیں

جن کے نہ قول کا نہ چلن کا ہوا اعتبار
پھر بھی شریف آپ کو گنوائے جاتے ہیں

توقیر ہے جہاں میں ہماری بس اسقدر
بے اعتبار لوگوں میں کہلائے جاتے ہیں

اس خستہ بختی پر بھی ہیں وہ لن ترانیاں ... گویا کہ ہوشیاروں میں پرکھائے جاتے ہیں
اولاد کے سبزۂ اُنھیں غم نہیں ذرا ... گل باغ نسل قوم کے مرجھائے جاتے ہیں
بیجوں کو چھوڑ دیتے ہیں حیوان کی طرح ... اوصاف دام و دد کے ہیں پائے جاتے ہیں
اولاد کی ہے قدر نہ انسانیت کی فکر ... ہر نعمت الٰہی کو ٹھکرائے جاتے ہیں
راحت رساں امیر ہوں اور بے ریا فقیر ... ایسے وجود ہم میں کہاں پائے جاتے ہیں
کرتے ہیں راست گویوں کی کب قدر و منزلت ... سچے تو انکی بزم میں جھٹلائے جاتے ہیں

اے صدر ناصحوں کی ضرورت نہیں انھیں
راہ سلامتی سے جو کترائے جاتے ہیں

حضرت راغب جیلانی بدایونی

کرم ہے تو جو کسی پر نگاہ کرتا ہے ... وہ ساری عمر پڑا آہ آہ کرتا ہے
تری فریب نگاہی سے آہ کرتا ہے ... جو کوئی حال پر اپنے نگاہ کرتا ہے
ستم ہی پہ نہیں جب وہ نگاہ کرتا ہے ... کچھ ایسی بنتی ہے دل پر کہ آہ کرتا ہے
وہ کہتے ہیں کوئی بیکس جب آہ کرتا ہے ... کہ اپنے آپ کو یہ کیوں تباہ کرتا ہے
یہ جی میں آتا ہے بیساختہ کہ مر جائیں ... کچھ اس ادا سے وہ نیچی نگاہ کرتا ہے
جتا کے میری وفائیں مجھے سناتے ہیں ... کہ بے غرض کوئی کب یوں نباہ کرتا ہے
دھڑکنے لگتا ہے بے اختیار دل میرا ... کسی طرف جو وہ ظالم نگاہ کرتا ہے
تمام عالم دل ہو چکا تہ و بالا ... ابھی وہ نیچی سے او پر نگاہ کرتا ہے
وہ رہ بجا دشمن بدخو کے عذر خواہ ہیں یوں ... کہ دیکھتا ہے یہ کبتک نباہ کرتا ہے
یہ جی میں آتا ہے رکھ لوں کسی طرح دل میں ... کچھ اس طرح کے مزے کی نگاہ کرتا ہے

خدا ہی جانے مصیبت ہے کیا یہ راغب پر
کہ بات بات میں چپکے سے آہ کرتا ہے

ضروری گذارش۔ "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائیگی دوسرے ماہ میں انکا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی۔پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

منیجر

ریویوز

ابن مسلم — اس تاریخی ناول نے ہندوستان کے ممتاز ناول نویسوں کی فہرست میں ایک اور شخص کا اضافہ کیا ہے اور وہ سلطان حیدر صاحب جوشؔ علیگ ہیں جنھوں نے دو ڈھائی سال کی کوشش میں اس ناول کو تیار کیا ہے۔ اسکا پلاٹ ٨٧ - ٨٨ ہجری سے شروع ہوتا ہے جبکہ بنی امیہ کی خلافت کے زمانہ میں خلیفہ ولید تخت خلافت پر جلوہ آرا ہوا۔ خلیفہ ولید کے زمانہ میں فتوحات اسلامی نے جس جارحانہ شان کا اظہار کیا وہ تاریخ اسلام بلکہ تاریخی دنیا میں نہایت نمایاں ہے۔ خلیفہ ولید کے زمانہ میں اگر ایک طرف گورنر کوفہ و عامل عراق حجاج بن یوسف کے مظالم کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں بدنما دھبہ معلوم ہوتی ہیں تو دوسری طرف مسلم کے پانچ بیٹوں کے شجاعانہ کارنامے بھی نظر آتے ہیں جو اسلامی تاریخ کو شاندار بناتے ہیں۔ ان ہی پانچوں بھائیوں میں جنکے زور بازو نے ایران۔ ترکستان اور چین تک کو دائرۂ فتوحات اسلام میں داخل کر لیا تھا ایک عبدالرحمن بن مسلم بھی تھا جس نے صغد کے والی طرخون کی بیٹی شیریں سے شادی کرکے اس مشہور خاندان کی نیو ڈالی جو تاریخ کے اوراق میں برامکہ کے نام سے موسوم نظر آتا ہے۔ ابن مسلم میں رزم بزم خلوت جلوت کے پلاٹ کے علاوہ محبت اور سچی محبت کے جلوے کے ساتھ بعض فلسفیانہ اور عالمانہ مضامین بھی ادبی شان لیے ہوے نظر آتے ہیں۔ اس ناول کی شان اردو کے دیگر ناولوں سے بالکل جداگانہ اور ایک خاص حد تک ممتاز ہے۔ چنانچہ قابل ناول نویس نے ناول شروع کرنے کے قبل "لب لباب" کے عنوان سے ایک باب رکھا جسمیں بتایا گیا ہے کہ ناول میں کون کون مسائل کو حل کیا گیا۔ چنانچہ منجملہ اور باتوں کے "ہمے حسن انسان کو بدنام نہیں کرتی بلکہ انسان نما حیوان اسے بدنام کر دیتا ہے"۔ "جذبۂ محبت انسان کو فرشتہ اور حیوان کو شیطان بنا دیتا ہے"۔ تاریخی حیثیت کے علاوہ عشق کا جو کچھ تعلق ناول سے ہے وہ ایک بڑی حد تک عنوان کے تحت میں ہے۔ کہ ایک طرف عبدالرحمن نے کسطرح شریفانہ برتاؤ سے شیریں کو رام کیا اور دوسری طرف اسکے رقیب خوزک نے شیریں کو حاصل کرنے کے لیے کیا کیا کمینہ حرکتیں کیں اور شیریں کو جو خود اس سے محبت کرتی تھی اپنی طرف سے بددل کر دیا۔ شکر ہے کہ اردو کے بیشتر ناول نویسوں پر اخلاق کو

خراب کرنے والے ناول لکھنے کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ جوش صاحب پر عائد نہیں ہوتا اور یہ یقیناً انکی بہت بڑی کامیابی ہے۔ ناول زبان کے لحاظ سے بھی اچھا ہے۔ کاغذ ولایتی ہونے کے باوجود چھپائی لکھائی اچھی نہیں کہی جا سکتی ۲۰x۲۶ کی تقطیع ۲۲۰ صفحہ کے اس ناول کی قیمت عہ کچھ زیادہ نہیں ہے ناول نظامی پریس بدایوں سے مل سکتا ہے۔

سلک مروارید - سید اشتیاق حسین صاحب شوق دہلوی نے قومی اور اخلاقی نظموں کا ایک مجموعہ مذکورہ بالا نام سے مرتب کیا ہے۔ اس مجموعہ کے شروع میں انبیاء عظام صحابۂ کرام عقلا و حکماے ذیشان کے مقولے جمع کیے ہیں اور آخر میں چند غزلیں بھی درج کی ہیں جنمیں سے بعض ملک کے ممتاز شعرا کی زور قلم کا نتیجہ ہیں تعجب ہے کہ غزلیات کے انتخاب میں جناب شوق نے ملک کے بعض ممتاز شعرا کی جگہ دوسرے حضرات کو کیوں دی قومی اخلاقی نظموں میں ملک کے قریب قریب تمام مشہور و معروف حضرات کی نظموں کو داخل کیا ہے۔ دیگر اخلاقی اور قومی مجموعوں کے مقابلہ میں اس مجموعہ کی امتیازی شان یہ ہے کہ اسکے شروع میں قابل قدر بزرگوں اور مسلم الثبوت حکیموں کے کار آمد اور مفید اقوال بھی درج ہیں۔ لکھائی چھپائی کے اعتبار سے بھی مجموعہ اچھا ہے اور ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے قیمت ۲ ملنے کا پتہ جناب اشتیاق حسین صاحب شوق دہلوی لال دروازہ مکان حضرت سائل دہلوی۔

قانون قدرت - سید نذار حسین صاحب سہارنپوری مولوی فاضل ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول باندہ نے اس کتاب کو لکھکر ایک ایسی ضروری کتاب کا کتب اخلاق میں اضافہ کیا ہے جسکے لیے پبلک کو انکا مشکور ہونا چاہیے۔ کتاب میں سچ جھوٹ چوری۔ مکر فریب۔ وغیرہ وغیرہ کے عنوانات علیحدہ علیحدہ قائم کرکے انکے تحت میں آیات قرانی مع انکے سلیس ترجمہ کے نقل کی ہیں۔ کتاب اہل اسلام کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کے لیے یکساں مفید ہے اور ہر مسلمان کے گھر میں ہونی چاہیے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان بچے کے لیے بہت مفید ہے۔ ۲۶x۲۰ کی تقطیع پر ۲ جزو کی کتاب کی قیمت ۲؎ بہت کم ہے۔ لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے۔ پتہ دفتر رسالہ تمدن پل چہارولال لکھنؤ اور سید علی صاحب آشفتہ لکھنوی پل فرنگی محل لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

برسات کا ترانہ - یہ ۱۲ صفحہ کی چھوٹی سی کتاب جناب ماسٹر باسط علی صاحب باسط بسوانی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ جناب باسط کو نظم لکھنے کا جیسا مذاق ہے وہ ناظرین تمدن سے نہاں نہیں ہے اور اس لیے کتاب کے متعلق اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پی کہاں۔ ساون۔ یاد محبوب۔ یہ وہ تینوں نظمیں ہیں جن کا بیشتر حصہ ایک بڑی حد تک مقبول عام ہو چکا ہے قیمت ۱؎ ملنے کا پتہ ماسٹر باسط علی صاحب باسط بسوانی۔ بسواں ضلع سیتاپور۔

میں ایک کروڑپتی خوبصورت نوجوان ہوں

اور ایک نہایت حسین لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں شرط یہ ہے کہ وہ لڑکی پریجمال صابون استعمال کرتی ہو (حسن دولت سے بڑھکر ہے!)

پریجمال صابون کیا ہے!

ایک خاندانی طبیب کی ایجاد ہے!

جو چہرے کو خوبصورت بنانے والا حسن و خوبصورتی پیدا کرنے والا ساتھ روز لگاتار لگانے سے کالا رنگ کملایا ہوا چہرہ گلاب کی پتی کے مانند خوبصورت اور مخمل کے مانند ملائم ہوجاتا ہے۔ چہرے کے تمام داغ دھبے جھائیاں جہاسے دور ہوکر شنجرف کی سی سرخی آنے لگتی ہے پھوڑے پھنسیاں چند روز کے استعمال سے جاتی رہتی ہیں فی بکس قیمت ٹکیہ مع صابون دانی ایک روپیہ (عہ)

روغن پری بہار گیسو دراز

یہ لاجواب سر میں لگانے کا خوشبودار پری بہار تیل بالوں کو خوشنما بنا دیتا ہے جس سے خوبصورت بال مردوں وعورتوں حسن کے وجمال کی رونق بڑھاتے ہیں۔ اسکے استعمال سے بال لمبے اور ریشم کی طرح ملائم ہوکر نرم چمکدار بن جاتے ہیں۔ فی شیشی ۱۰ تولہ ایک روپیہ (عہ)

حب مقوی باہ

اعضائے رئیسہ کو تقویت دیکر قوت باہ پیدا کرتی ہیں سستی کو چست کرتی ہیں۔ منقطع ... ہیں فی شیشی ۲۲ گولی ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

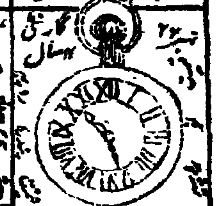
سرمہ مقوی بصر

یہ خاص خاندانی نسخہ ہے اسمیں جواہرات شامل ہیں آنکھوں کے تمام امراض میں تیر بہدف ہے آنکھوں کو قوت دیتا ہے۔ ابتدائی نزول آب میں مفید ہے۔ جالا دھند ظلمت چشم کیلئے مفید ہے ... فی شیشی ۱ تولہ دو روپیہ آٹھ آنے (عہ)

بڑی فہرست مفت منگوائیں

[illegible]

ریڈیم ... واچ



نمبر ۲۶ - اس گھڑی میں رات کو گھپ اندھیرے میں ٹھیک ٹائم معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسکی سوئیاں منٹ اندھیرے میں روشن ہوجاتے ہیں اور دن میں عام گھڑیوں کی طرح ٹائم دیتی ہے پائداری سچا وقت دینے میں اعلیٰ گارنٹی ۲ سال نکل کیس قیمت سات روپیہ اور قسم اعلیٰ کیس سنہری منقش قیمت نو روپیہ (للعہ)
نمبر ۲۶ لیور مشین جویلدار مضبوط صحیح وقت دینے میں لاثانی نکلسلور کا کیس گارنٹی ۲ سال

ہفت روزہ واچ



نمبر ۱۶ اس گھڑی میں آٹھویں روز چابی دیجاتی ہے وقت بہت صحیح دیتی ہے لیور مشین جویلدار فینسی کٹ ڈائل کیس نکلسلور کا - اور سیاہ گارنٹی ۵ سال قیمت چھ روپیہ
نمبر ۳۶ - اصلی چاندی کا منقش ہیراکٹ کیس نہایت درجہ کی فینسی ہفت روزہ چابی کی آٹھ جلدیں گارنٹی ۶ سال قیمت نو روپیہ اور بند کیس یعنی ڈھکنے دار قسم اعلیٰ چاندی کا کیس گارنٹی چھ سال قیمت تیرہ روپیہ

ریلوے ریگولیٹر واچ



نمبر ۵ - ریلوے ریگولیٹر چال مضبوطی صحیح ٹائم دینے میں عمدہ نکل کیس قیمت ۱۲ روپے
نمبر ۲۵ قسم عمدہ جویلدار نکل کیس قیمت پانچ روپیہ
نمبر ۴ د چاندی کا کیس قسم اعلیٰ لیور مشین نکل جویل نہایت درجہ کی مضبوط گارنٹی ۵ سال قیمت صرف دس روپے (عہ)

لارم دار ٹائم پیس

نہایت مضبوط صحیح وقت دینے میں اعلیٰ قیمت تین روپیہ

واٹر میٹل واچ



نمبر ۶۵ - بند کیس منقش ڈبل علیحدہ چابی کی نہایت خوبصورت نیز چال مضبوطی صحیح وقت دینے میں لاثانی گارنٹی ۳ سال قیمت چار روپیہ آٹھ آنے (للعہ)
نمبر ۶۶ - یہ بھی گھڑی مگر گولڈ گلٹ کی قیمت پانچ روپیہ

عکسی قرآن شریف

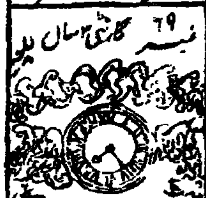
وزنی چھ ماشہ طول ایک انچ عرض پون انچ مع لاکٹ و خوردبین اعلیٰ واسطے تلاوت کے موجود ہے ہدیہ عہ ایک روپیہ بارہ آنہ

انگلش شیٹ واچ



یہ گھڑیاں نیو فیشن انگلش شیپ کی کلائی پر باندھنے والی نہایت درجہ کی خوبصورت صحیح وقت دینے والی ہیں گارنٹی ۳ سال نمبر ۲۴ سفید اور سیاہ چار روپیہ آٹھ آنے (للعہ)
نمبر ۲۳ - چاندی کی چھ روپے
نمبر ریڈیم ڈائل کی جو رات کو گھپ اندھیرے میں مانند روز روشن کے ٹائم بتلاتی ہے نکل کیس اور سیاہ کی قیمت نو روپیہ
اور چاندی کی قسم اعلیٰ جویلدار گارنٹی ۵ سال قیمت پندرہ روپیہ

زنانی چوڑیدار گھڑی



نمبر ۶۹ - یہ گھڑی ایک خوشنما چوڑی پر جڑی ہے اور چوڑی و گھڑی دونوں پر پختہ سونے کا ملمع ہے جو بالکل سونے کی معلوم ہوتی ہے گارنٹی ۲ سال قیمت للعہ
نمبر ۷۰ موافق نمبر ۶۹ کے لیکن گھڑی کی چوڑی پر ہیرے موتی نیلم یاقوت قابل دید جڑے ہیں قیمت چھ روپیہ
نوٹ - واضح رہے کہ ہر ایک پارسل کا خرچہ بذمہ خریدار ہوگا اور فرمائش کے ہمراہ پتہ صاف لکھیے

پہونچی - جڑاؤ پتیں کا نقشی دانہ سونے کا ملمع کیا ہوا مانند اصلی کے قیمت عہ
چوڑیاں ڈائمنڈ کٹ کی نقشی کام دار سونے کا ملمع آٹھ چوڑی کا سٹ قیمت عہ
چوڑیاں لہریہ دار نہایت نفیس قابل دید سونے کا ملمع بارہ چوڑی کا سٹ عہ
چوڑیاں اسپرنگدار اسی ساخت کی جیسی زنانی گھڑی میں ہے قیمت فی جوڑہ ڈھائی روپیہ
کڑے نہایت نفیس سونے کا ملمع فی جوڑہ ایک روپیہ چار آنے عہ
جھمکہ کرن پھول نہایت نفیس قابل دید جالیدار سونے کا ملمع فی جوڑہ عہ
اور رجڑاؤ نہایت خوشنما فی جوڑہ عہ
تتے بناوٹ میں بالکل اصلی سونے کے موافق اور اصلی سونے کا ملمع فی درجن چار روپیہ
چمپا کلی نقشی جڑاؤ کی بالکل سونے کے موافق قیمت عہ چاری ملنگی عہ
چمپا کلی منقش دانہ بادام کی وضع - دانہ چاندی کا قیمت تین روپیہ گلوبند
ایسا خوشنما کہ دیکھنے میں دو سو روپیہ کا ...

خط و کتابت میں اخبار کا حوالہ ضرور دیں۔

ناول

بنی معلمہ - یعنی تربیت اولاد کا ایک دلچسپ قصہ مترجمہ مولوی
ل الدین صاحب ایم - اے صفحات ۱۵۵ اصل قیمت مر
تی ۶ر

نا گاہ عالم - ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت
پ حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب
قیمت ۱۲ رعایتی ۱۲ ر صفحات ۲۸۹ -

سی وہر - مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری
استان - شریف النسا کی خوفناک کج ادائیوں کا
م مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۸
ایتی ۴ر صفحات ۱۳۲ -

تاریخ

مائے سلف - مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب
روانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور تصنیف
میں علماء اسلام کے حالات درج ہیں اصل قیمت
ب روپیہ رعایتی ۸ر

یم ہندوستان کی تہذیب - مشہور فاضل مسٹر
سی - دت کی بے مثل تاریخ سویلائزیشن آف انشینٹ
یا کا اردو ترجمہ رعایتی قیمت ۴ر

کرہ امیر - امیر عبدالرحمن خاں صاحب مرحوم کی
مختصری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت
رعایتی عہ

سفرنامہ یورپ و بلاد روم و شام و مصر - یعنے منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور
سفرنامہ اصل قیمت للعہ رعایتی عہ صفحات ۹۷۰

طب

ہومیوپیتھک علاج نسواں - مولفہ حکیم فدا حسین
صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی مجلد اصل قیمت ہے
رعایتی ۱۲ر

قرابادین حسینی - مولفہ حکیم ڈاکٹر نور حسین صاحب
صابر اصل قیمت عہ رعایتی ۱۲ر

کیا میں تندرست ہوں یا بیمار - مشہور ڈاکٹر لوی کہنی کی تصنیف کا ترجمہ (ہر شخص کے لیے دستی کتاب) رعایتی قیمت ۸ر

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام (ناول) حضرت نیاز کی معجزانہ
تحریر کا اعلیٰ نمونہ سرپا دردر نثر یا دینے والے تخیلات
تحریر حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۸ر

جذبات بھاشا - بھاشا (ہندی) زبان کے
شیریں و دلکش نازک تخیلات کا مرقع اردو زبان میں
ایک بہترین اضافہ بھاشا زبان کے دلکش و دلفریب اشعار
کی توضیح و تشریح اور وہ بھی حضرت نیاز کے دلگداز
قلم سے قیمت فی جلد رعایتی ۸ر

عالم خیال - (باتصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی
کی چار بے بدل اور بے اضافت نظموں کا دلکش مجموعہ ایسی
دلچسپ ایسی معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں
ہوئیں اسکے ساتھ چار ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے
شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور
انکی رائے ہے کہ اردو تو اردو مغربی زبانوں (مثلاً
انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی اعلیٰ پایہ کی نظمیں موجود
نہیں چھپائی دیدہ زیب قیمت فی جلد ۲ ۔ ۰

آنکھوں کا سچّا علاج

اناڑی اور جاہل دوا فروشوں نے ہزاروں سرمے اور انجن کے اشتہار دے رکھے ہیں۔ اور آنکھ کی تشریح سے اصلا واقف نہیں ہیں۔ انھیں خبر ہی نہیں کہ آنکھ میں کسقدر طبقہ ہیں۔ کے رطوبتیں عصبہ مجوفہ کیا چیز ہے۔ نور آنکھ میں کہاں سے آتا ہے کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ ثقبہ عنبیہ کیا ہے جسمیں پانی اُترتا ہے۔ نہ کتاب میں پڑھا نہ ہاتھ سے یہ کام کیا۔ اسلیے مریضوں کی رہی سہی آنکھوں کی حالت بگڑ گئی۔ ایسے شہر آشوب اور طوفان بے تمیزی میں کسی دوا کا اشتہار دینا اپنا اور اپنی دوا کا وقار کھونا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ ابھی دنیا میں علم و ہنر کے قدر داں باقی ہیں۔ اور زمانہ عقل سلیم سے خالی نہیں ہے اور سچی دواؤں کی حاجت ہے۔ اسلیے مختصر عرض کرتا ہوں کہ یہ دوا مجھے **حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب** دہلوی مرحوم و مغفور نے بتائی تھی۔ تیس برس سے میں اپنے مطب میں برابر آزما رہا ہوں یہ آنکھوں میں پانی اُترنے کو جسے نزول الماء کہتے ہیں۔ اور دھند جالے۔ پڑبال رتوندھے کو از بس مفید ہے۔ جب آنکھوں کے سامنے بھنگے اُڑتے دکھائی دیں سمجھ لیجیے کہ پانی اُترنے والا ہے۔ یہ دوا منگائیے اور استعمال کیجیے۔ پانی نہیں اترے گا۔ اُترتا ہوگا تو رک جائے گا۔ اور آنکھ صاف ہو جائے گی۔ قیمت دوا فی ماشہ عہ۔ ایک مریض کو ایک ماشہ دوا کافی ہوگی۔ محصول بذمہ خریدار ۔

ملنے کا پتہ

حکیم سید ناصر نذیر فراق محلہ رودگران مدرسہ ارادتمند خاں
مکان میر ظریف مرحوم

دوائیوں کے تیل

۳۵

مذکورہ ذیل دوائیوں کے تیل دوائیوں کے تیل کے دو تین بوند
پاؤ آدھ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں اور کڑوے پینے کی تکلیف سے بچاتے ہیں۔
اور آسانی سے پی سکتے ہیں۔

(۱) روغن صندل۔ سوزاک کے لیے نہایت درجہ مفید ہے قیمت فی شیشی ۲ ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ۔ ۵ ر

(۲) اجوائن کا تیل۔ قے اور بدہضمی کی ایک ہی دوا ہے قیمت فی شیشی ۴ ر محصول ۵ ر

(۳) روغن سونٹھ۔ یہ بھوک کو بڑھاتا ہے اور ریاح کو خارج کرتا ہے قیمت فی شیشی ۵ ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵ ر

(۴) روغن سونف۔ پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لیے مفید ثابت ہوا ہے قیمت فی شیشی ۴ ر
محصول ایک سے چار شیشی تک ۵ ر

(۵) روغن دال چینی۔ یہ دال چینی کے ملائم چھلکوں سے بنا ہے اور یہ چیز نہایت خوشبودار
ہے۔ قیمت فی شیشی ۶ ر محصول ایک سے چار تک ۵ ر

(۶) روغن لونگ۔ متلی اور ریاح کو دفع کرتی ہے اور درد شکم و بدہضمی کو مفید ہے۔
قیمت فی شیشی ۴ ر محصول ۵ ر

(۷) روغن لیمو۔ ہرے گویا ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیمو کا خوشبو دیتا ہے قیمت
فی شیشی ۸ ر محصول ۵ ر

(۸) روغن پیپرمنٹ۔ پیٹ کے درد بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ ایک بہت
مشہور دوا ہے قیمت فی شیشی ۱۰ ر محصول ۵ ر

(۹) روغن الائچی۔ متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے اور [illegible] قیمت [illegible] محصول ۵ ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ [illegible] اسٹریٹ کلکتہ

اگست ۱۹۲۶ء

تمدن

معاشرتی، تمدنی، ادبی، فلسفی، اخلاقی، تاریخی، اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری

محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

قواعد

(۱) تمدن ہر ماہ کی پہلی تاریخ لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج تمدن نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں درج ہو چکا ہو اسکو تمدن کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہونچے تو اسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین درج تمدن نہیں ہوسکتے

عجیب خبر

آلۂ سیر عالم کو سرہانے کے نیچے رکھکر سونے سے اندر والا جسم سے باہر نکل کر عالم بالا میں پرواز کرتا ہے تم سونے سے پہلے سیر عالم سے کہدو اور وہ تمھیں حسب منشاء آبشار نیاگرا یا کشمیر کی پُر فضا سرسبز وادیوں یا سوئٹزرلینڈ کے سر بفلک پہاڑوں کی سیر دکھادے گا اور تمھیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ہوا میں اڑتے اڑتے وہاں کی سیر کر رہے ہو اور جسم تمھارا گھر میں چارپائی پر پڑا ہوا ہے۔ ان مزے دار سیروں سے ایسی خوشی حاصل ہوگی کہ اسکے مقابل میں دنیا بھر کی خوشیوں کو ہیچ و پوچ سمجھوگے۔

نوٹ:۔ اوپر کی خبر پڑھکر تم آئینۂ حیرت کیوں بنے جاتے ہو۔ دیکھو تمھارے دل میں رفتہ رفتہ شک نے جگہ لینا شروع کی اب تم سمجھ رہے ہو کہ ضرور راقم الحروف کوئی بے وقت کا اپرفول ہوگا۔ لیکن بھائی جان خدا شاہد ہے اس میں مبالغہ کا نام کو نہیں دور کیوں جاؤ آج ہی بروح معظمہ دی مسمریزم ہاؤس بکس ۲۲ لاہور کے نام ایک خط لکھکر آزما دیکھو۔

تمدّن

خاکستر

آج مشرق کی شان کو مٹے تقریباً تین ہزار برس ہوئے مگر خوش مذاق اور خوش فکر علماء و انشا پردازان مغرب اس فسانۂ کہنہ کو اپنے خیالستان میں ایک بلند جگہ دیتے ہیں۔ وہ مقدس تعیش جس کی ابتدا اور انتہا۔ الماس و جواہر زر و سیم۔ موتی و عقیق۔ پر مبنی تھی۔ وہ سر بفلک کشیدہ طلائی عبادت گاہیں جن میں یاقوت و زمرد کے بُت تھے اور جن کی عقیق و یشب کی دہلیز اور سیڑھیاں جنہیں اقصائے مغرب و مشرق کے خوش رنگ اور مشام افلاک معطر کرنے والے پھول چڑھائے جاتے تھے جہاں شب و روز روغن زیتون کے چراغ روشن رہتے تھے اور اگر و لوبان اور غنود گی زا عود و عنبر کے بادل ہر وقت چھائے رہتے تھے۔ وہ عشرت گاہیں کہ جن میں بلور کی صراحیاں اور الماس کے ظروف بادۂ گلفام سے بھرے نازک اندام حور وش خدام کے ہاتھوں میں ہر وقت پھرتے تھے اور جہاں زر و سیم کے منقش سقف کے پوشیدہ عطر پاش سے

مست کرنے والی خوشبوؤں کا مدام ترشح رہتا تھا۔ جہاں کے قالین اور غالیچے تانہ اور نازک پھولوں کی پنکھڑیوں کے ہوتے تھے۔ وہ حمام جن میں نیلم اور پکھراج کے سنگ پا اور الماس و بلور کے حوض جن میں گلاب و موتیا کی مہک دیتا ہوا آب مصفا ہوتا تھا جہاں شمع کافوری کی جگہ گوہر شب چراغ کام دیتا تھا۔ وہ باغ اور پائیں باغ کہ جن کی روشیں لعل بدخشانی اور عقیق رمانی کے ریزوں سے مزین ہوتی تھیں اور جن کی کیاریاں رنگ میں قوس قزح اور ترتیب میں تاروں بھری رات کو منفعل کرتی تھیں۔ وہ مشرق جسکی شان و شوکت جسکی آب و تاب جس کے رات دن اور عیش کی گھڑیوں کے فسانے ہر قوم اور ہر ملک کے افراد کے آج کے دم تک دلنشیں ہیں تین ہزار سال ہوئے کہ زمانہ کی دست برد کے نذر ہو گیا مگر کیا عظمت و شان تھی اُس ہستی معدوم کی کہ جس کی یاد اس دن تک ہر کس و ناکس کے دل میں تازہ ہے۔ مشرقی شاہوں کا جاہ و جلال اور مشرقی گداؤں کا علم و کمال مشرقی منعموں کے مال سے کسی طرح کم نہ تھا۔ خاور زرین کی سنہری کرنیں اس مشرق کے زر کثیر کے سامنے پھیکی پڑ جاتی تھیں۔ وہ کونسا برج عبادت گاہ کا تھا جسکے کلس سنہری کرنوں کا سر اُبھار اُبھار کے مقابلہ نہ کرتے تھے۔ وہی مشرق تھا کہ جسکے شاہوں کے درباروں میں پہنچکر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ بابل و نینوا میں اب سوائے خاکستر کے اور کیا باقی ہے مگر وہ تعطر زا نغمے وہ مرد ابدیہ نگار مرقع۔ شور انگیز نظمیں اور ناپیدا کنار رقص۔ اور وہ لذت افزا ترحم حواس یعنی سرور جن کی رنگ آمیزی نے اس زمانے کی معاشرت کو ایک شاندار ہستی بخشی تھی کس طرح انمانہ کے ہوں گے کہ جن کی آوازہ بازگشت نے حیات ابدی حاصل کرلی ہے ہاں وہ کہ جسکا حافظہ مستدعی ہے کہ اس زمانۂ لایموت کی یاد کے بار گراں سے

اُسے سبکدوش کیا جائے مجبور ہیں اور زیر بار احسان فراموشی نہیں ہو سکتے۔ متوج بحر کی طرح اس زمانہ کی یاد ان کے خیالستان کو زیر و زبر رکھتی ہے اور وہ تہر درویش بر جان درویش اُس زمانہ کی عظمت و شان کو مانتے ہیں۔ کہاں ہیں لب فرمانروایان سو سہ اور کہاں ہیں والیان ہمفس پوشادر اور یال کے نام مٹ گئے مگر ان کے درباروں کی شان و شوکت اور انکے زمانہ کی طلائی یادگار آج تک باقی ہے۔

حیرت مگر اس امر کی ہے کہ انشا پردازان مغرب آج تک مشرق کو اس گئے گذرے طمطراق و تمول کا مرکز خیال کرتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی عالیشان موقع کا ذکر آتا ہے تو وہ اسے صفت مشرقیت سے موصوف کر کے گویا اصل کی شان کا صحیح اندازہ لگاتے ہیں۔

وہ آگ جو زردشت کے آتشکدہ میں روشن تھی مدت ہوئی کہ خاموش ہو چکی عراق عجم و عراق عرب۔ بابل و نینوا شام و روم مصر و یونان سب شعلہ اجل میں خاک ہوئے ہیں وہ الماس و زمرد کے بت جو صنم خانۂ آذر میں تھے صدیاں گذریں کہ آتش تغیر کا لقمہ ہو گئے وہ میکدے کہ جن میں بادہ پُر اسرار جاجائے بیقرار میں دمبدم دور میں تھا ٹھنڈے ہو چکے۔ اگر کچھ باقی ہے تو خاکستر۔

آصف علی

ضروری گذارش "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ وی۔ پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا انکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ مینیجر

پردہ کی گپ

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

جب باہر کی دنیا یا باہر کی غیر قوموں کا اسلامیوں سے سابقہ پڑا تو بقاعدۂ مستمرہ بہت سی باتیں اسلامیوں کی نگاہ میں دوسروں کی بری معلوم ہوئیں اور بہت سی باتیں اسلامیوں کی دوسروں کو اچھی نہ لگیں یہ کہنا کہ ساری دنیا کی تہذیب ایک ہی سی ہو ایک گپ ہے تہذیب کی اکثر باتوں کا مدار بعض رسوم اور رواجات پر ہی ہوتا ہے اور قوموں کی رسمیں اور رواجات بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں اور بعض رسمیں ملکی آب و ہوا کے ماتحت بھی ہوتی ہیں باہر کی غیر قوموں نے مسلمانوں میں پردہ کی رسم کو ایک غیر نظر سے دیکھا اگرچہ اُن میں بھی ایک قسم کا پردہ ہے لیکن چونکہ مسلمانوں سے اُنھوں نے یہ سُنا کہ اُن کا پردہ مذہبی حکم کے ماتحت ہے اس واسطے غیر اقوام نے اپنے مذہبی نقطۂ خیال سے پردہ کی مخالفت کی اور اس کے خلاف بہت کچھ کہا یہاں تک کہ خود بعض مسلمانوں نے بھی متاثر ہو کر مرد ہوں یا عورتیں پردہ کی مخالفت میں بہت کچھ کہا سُنا یہاں تک کہ بعض لوگوں نے پردہ کی مخالفت میں ایسی جلد بازی سے کام لیا کہ اغیار سے بھی بڑھ گئے اور بعض نے صاف طور پر انکار ہی کر دیا کہ اسلام پردہ کا حامی ہی نہیں اور نہ اسلام میں کوئی ایسی تعلیم ہے بعض وقت جلد بازی سے اعتراض کی تہ تک پہنچنے کے بجائے معترض کے ساتھ ہونا بھی ایک جواب سمجھا جاتا ہے ہم اسوقت یہ بحث نہیں کرینگے

کہ اسلامی پردہ کہاں تک ضروری اور عقل وفراست وضروریات کے مطابق ہے اس وقت صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ

اسلام میں پردہ کا کسی نہ کسی رنگ میں حکم ضرور دیا گیا ہے لیکن ہندوستان میں پردہ پر جو اعتراض کیے جاتے ہیں وہ ایسے عامیانہ ہوتے ہیں کہ اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین صرف پردہ کا نام ہی سُن کر معترض ہوتے ہیں اُنھیں ہندوستان کی موجودہ کیفیت وحالت کا علم بالکل نہیں ہے بعض خواتین بڑے زور وشور سے پردہ کی شاکی ہو کر معترضانہ مضامین لکھتی ہیں اسی طرح بعض مرد بھی لکھتے ہیں اُنکے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ عملی رنگ میں فیصدی پچانوے مسلمانوں میں پردہ ہے اور شاذ ونادر ہی اس سختی اور صعوبت سے کوئی گھر خالی ہے اگر بعض معترضات اور معترضین اس جلد بازی سے کام نہ لیتے تو پردہ کی مخالفت کے ساتھ ہی اُنھیں یہ بھی کہنا پڑتا کہ اگرچہ اسلام میں صعوبت پردہ ڈالی گئی ہے مگر سرزمین ہند میں اب یہ صعوبت خوش قسمتی سے بہت کچھ کم ہو گئی ہے اور دن بدن کم ہوتی جاتی ہے۔

مجھے سارے ہندوستان کا تو تجربہ نہیں البتہ صوبہ پنجاب کا ایک بڑی حد تک مشاہدہ اور تجربہ ہے میں ایک ضلع وار بہ قیاس غالب پردہ کی فیصدی ایک فہرست دیتا ہوں اُس سے معترضین بہ خوش اسلوبی یہ جان سکتے ہیں کہ جس پردہ اور صوبت پردہ پر اسقدر واویلا کیا جاتا ہے اور جسے اسلامی عورتوں کے حق میں ایک بلاے بے درماں سمجھا جاتا ہے اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کا نسوانی عالم ترقی سے رہا جاتا ہے اُس کی اصلی کیفیت کیا ہے

اس نقشہ سے ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ درحقیقت پردہ کی حقیقت کیا ہے۔

نمبر شمار	نام ضلع	فیصدی پردہ	نمبر شمار	نام ضلع	فیصدی پردہ
۱	لاہور	۷	۱۵	شاہ پور	۳
۲	امرتسر	۵	۱۶	میانوالی	۳
۳	جالندھر	۵	۱۷	لائل پور	۳
۴	لودھیانہ	۴	۱۸	کیمبل پور	۴
۵	انبالہ	۵	۱۹	راولپنڈی	۴
۶	کرنال	۷	۲۰	گورداسپور	۷
۷	دہلی	۱۰	۲۱	کانگڑہ	۱
۸	رہتک	۱	۲۲	ہوشیارپور	۴
۹	حصار	۱	۲۳	گوڑگانوں	۳
۱۰	شملہ	۲	۲۴	ملتان	۵
۱۱	فیروزپور	۳	۲۵	مظفرگڈھ	۵
۱۲	گوجرانوالہ	۴	۲۶	ڈیرہ غازی خاں	۵
۱۳	گجرات	۴	۲۷	سیالکوٹ	۴
۱۴	جہلم	۴	۲۸	منٹگمری	۳

فیصدی مردم شماری پر نہیں لی گئی ہے بلکہ خانہ شماری پر اندازہ لگایا گیا ہے یہ اندازہ ایک ایسا اندازہ ہے کہ اس میں کمی تو ہو سکتی ہے بیشی کی امید نہیں کی جا سکتی اضلاع ذیل میں نسبتاً مسلمانوں کی آبادیاں زیادہ ہیں دوسری قوموں کی فیصدی مردم شماری کوئی ۷ - ۸ - ۹ تک جا سکتی ہے -

(۱) ڈیرہ غازی خاں -
(۲) مظفرگڈھ -
(۳) ملتان -
(۴) گجرات

(۵) جہلم	(۸) شاہ پور
(۶) راولپنڈی	(۹) میاں والی
(۷) کیمبل پور	

ان اضلاع میں بالخصوص پردہ برائے نام ہے عام مسلمان عورتیں مردوں سے بھی زیادہ آزادی کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں اور زمیندارے کے کاموں میں صبح سے لے کر شام تک مصروف رہتی ہیں ہندو عورتوں میں اس قدر آزادی نہیں ہے جسقدر ان میں ہے اور اس کشادہ روئی اور آزادی کی وجہ سے بھی بعض برائیاں ان اضلاع کی عورتوں میں دن بدن بڑھتی جاتی ہیں مثلاً ۸۹۴ کے مقدمات کی ایک خاص کثرت ہے ہمسایہ اقوام میں اسقدر اس قسم کے مقدمات نہیں پائے جاتے اور اگر پائے بھی جاتے ہیں تو نسبتاً بہت ہی کم پنجاب کے شہروں اور قصبات میں البتہ پردہ بمقابلہ دیہات کے زیادہ ہے۔

لیکن وہ بھی بہت کچھ یہی گھر سے برقع پہن لیا اور گلی میں جا کر اُتار دیا جب پھر گھر کے نزدیک آ گئے تو برقع کر لیا۔ بعض گھروں میں برقع کی رسم محض بطور ایک تضمین کے ہو گئی ہے جیسے کہ یونیورسٹی میں جانے کے وقت بتقریب کسی جلسہ کے ڈگری یافتگان عبا پہن لیتے ہیں برقع سے اول پنجاب میں بوکل اور چادر بوچہ کا رواج تھا۔ وہ رفتہ رفتہ بالکل اُڑ گیا ہے اور اس کی جگہ برقع نے بہت ہی کم لی ہے۔

جسقدر مسلمان عورتیں بے پردگی کی حالت میں گھر کا کام کاج کرنے کی عادی ہیں اور جسقدر زمیندار عورتیں کام میں شب و روز منہمک رہتی ہیں اُتنی کوئی دوسری ہمسایہ قوم سوائے ہندو سکھوں اور ہندو جاٹوں

یا شودروں کے نہیں رہتی مسلمان عورتوں کو دیہات میں صبح سے لے کر شام تک لگاتار کام کرنا پڑتا ہے اور اُن کے سب کام اور سب مصروفیتیں بے پردگی کی ہوتی ہیں ہاں کبھی کبھی جب وہ گانوں سے باہر نکلتی ہیں تو اُن میں سے کوئی کوئی چادر لے لیتی ہے ورنہ فیصدی پچانوے ۹۵ کشادہ روے ہوتی ہیں یورپ کی عورتیں اس آزادی اور اس کشادہ دلی سے نہیں پھرتی ہیں جس کشادہ دلی اور جس آزادی سے وہ پھرتی ہیں صرف یہ فرق ہے کہ یوروپ کی عورتیں جلسوں اور محفلوں میں بھی جا نکلتی ہیں اور انھیں موقع نہیں ملتا ورنہ اور کوئی فرق نہیں ہے تعجب یہ ہے کہ ہندوؤں میں ایک طرف پردہ کی سخت مخالفت کی جاتی ہے لیکن اب اُن میں سے بھی بعض عورتیں برقعے لے کر باہر نکلتی ہیں۔ اگرچہ یہ شاذ و نادر ہے مگر ہے ضرور۔

پنجاب میں دیہات کی اکثر عورتیں خود بازار سے سودا سُلف لاتی ہیں اور ایک پوری آزادی سے بازاروں اور منڈیوں میں پھرتی ہیں اُنکے دیکھنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ عورتیں کسی پردہ دار قوم میں سے ہیں یا ان میں بھی کبھی پردہ رہ چکا ہے پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۴-۵ فیصدی ہے اور منجملہ ان کے ۴۹ یا ۴۸ فیصدی زمیندار مسلمان ہیں اور زمینداروں میں پردہ کی حالت اُسی نسبت سے ہے جو اوپر کے نقشہ میں دکھائی گئی ہے بعض وقت پردہ صرف فارغ البالی اور تمول کے تابع ہو کر چلتا ہے جب فارغ البالی باقی نہیں رہتی تو پردہ بھی اُڑ جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیہاتی حلقوں میں فارغ البالی کا پیمانہ اعلےٰ نہیں ہوتا۔ تمام دیہاتی عورتیں سوا معدودے چند کھُلے مُنہ عدالتوں میں حاضر ہوتی ہیں اور کبھی اُس پر اعتراض نہیں کیا جاتا اسی طرح میلوں وغیرہ میں بھی رواج ہے۔

بایں حالات پنجاب کی کیفیت سامنے رکھ کر معترضین سے پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ لوگ کس قسم کی بے پردگی چاہتے ہیں پردہ کے معنے بامفہوم بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ عورتیں منھ چھپا کر برقعے کر چادر بوجہ کر کے بوکل مار کر چلیں عام طور پر مردوں سے مجتنب رہ کر چلیں پھریں گلیوں کوچوں جنگلوں۔ بازاروں اور منڈیوں میں آمدورفت نہ ہو سو اس کا نقشہ تو آپ اوپر دیکھ چکے ہیں اب صرف ایک ہی کسر ہے کہ

کیوں عورتیں یوروپین عورتوں کی طرح یا اُن کے نقش قدم پر مجلسوں محفلوں ٹھیٹھروں۔ تماشوں نمایش گاہوں میں نہیں جاتی ہیں اور کیوں لیکچر نہیں دیتی ہیں کیوں تقریریں نہیں کرتی ہیں کیوں اخباروں میں مضمون نہیں دیتی ہیں کیوں دور دراز ملکوں کا سفر نہیں کرتیں کیوں مردوں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر نہیں پھرتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میری رائے میں اس کی یا اس نقص کی وجہ دو ہو سکتی ہیں۔

(۱) عام فارغ البالی نہیں ہے۔

(ب) عام تعلیم نہیں ہے۔

جس قوم کی روزانہ آمدنی اوسطاً ار۶ پائی ہو اُس قوم کی عورتیں یوروپین عورتوں کی ایسی کیسے ہو سکتی ہیں جس قوم کی تعلیم کا نمبر پانچ فیصدی سے بھی کم ہو اس قوم کی عورتیں یورپ کی عورتوں کا مقابلہ بعض تہذیبی شعائر کے ماتحت کس طرح کر سکتی ہیں۔

جس قوم کی عورتیں پچپن فیصدی برہنہ پاؤں پھرتی ہوں جس قوم کے گھر رات کے وقت فیصدی پینسٹھ بے چراغ رہتے ہوں وہ مہذب اقوام کی عورتوں کی ایسی کیسے کریں۔

اگر پردہ کسی قدر مسلمان عورتوں میں ہے تو اُن خاندانوں اور اُن کنبوں میں جو کچھ کھاتے پیتے اور فارغ البال ہیں باقی عناصر میں کوئی پردہ نہیں ہے بلکہ بے پردگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ دن بدن خوفناک ہوتی جاتی ہے

جو بے پردگی اس وقت عام طور پر پائی جاتی ہے اسکی وجہ سے اسلامی نقطہ خیال سے کسی کو خارج از اسلام نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اگر معدودے چند باقی کی بی بیاں بھی عام اسلامی عورتوں کی طرح بے پردہ ہو جائیں تو اُنھیں کون روک سکتا ہے بعض شریف پردہ دار بیبیاں جو مشکلات پردہ سے تنگ آکر داویلا اور سوز دل سے اپیل کرتی اور جوش میں آکر کوستی ہیں اُنھیں اُن مردوں کو مستثنیٰ کر کے بعض مردوں کو کوسنا چاہیئے جن کی عورتیں فیصدی ۹۹ آزاد پھرتی ہیں۔ دراصل اُن کا اپنا قصور ہے یا اُن کے وارثوں کا جب ۹۵ فیصدی مسلمان عورتیں بے پردہ رہتی ہیں تو اُن کا ردا سے پردہ اُتار دینا کونسی اجنبی برائی ہو سکتی ہے۔

بعض پردہ دار بیبیوں کا اپنے پردہ یا اپنے پردہ کی مشکلات سے تنگ آکر یہ خیال کر لینا کہ اُن کی تمام دوسری بہنیں بھی پردہ ہی میں رہتی ہیں صحیح نہیں پردہ پر اعتراض ہونے کی صورت میں جواب یہ ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں شرعی یا اسلامی پردہ فیصدی ۸۵ یا ۹۵ بھی نہیں ہے جس طرح اس ملک کی اور عورتیں بے پردہ اور آزاد ہیں اسی طرح مسلمان عورتیں بھی ہیں بلکہ میری رائے میں تو مسلمان عورتیں دوسرے مذہب کی عورتوں سے عموماً زیادہ تر آزاد ہیں رہا یہ کہ اُن میں سے بعض مردوں کو دیکھکر مُنہ کیوں چھپا لیتی ہیں یہ بھی ایک نمائشی فعل ہوتا ہے اس طرح تو ہندو عورتیں بھی مُنہ چھپا لیتی ہیں شاید مسلمان عورتوں سے

رفتہ رفتہ اسقدر حجاب بھی ہٹ جائے - پردہ کے متعلق غیروں ہی میں نہیں خود مسلمانوں میں بھی اکثر غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں جو مسلمان شیخی سے یہ کہدیا کرتے ہیں کہ ہم میں ایک عام پردہ ہے وہ بھی غلط رائے رکھتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورتوں یا مسلمان قوم کو پردہ نے تباہ کیا وہ بھی لاعلمی کی وجہ سے مبالغہ کرتے ہیں، پردہ محض برائے نام ہے معترضوں کو صاف طور پر کہدینا چاہیے کہ جس شرعی حادثہ کا ڈر ہے وہ کبھی کا دور دفان ہو چکا ہے کیا اوپر کے نقشہ سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں میں کوئی پردہ ہے اگر یہی پردہ ہے تو معلوم نہیں بے پردگی کس بلا کا نام ہے۔

ناخن بدل بسن فزن اکنوں کہ دریں ساز
تار نفسے بود صدا داشت ندارد

راقم ایک (محقق)

غزل

سر سے پا تک ہمہ تن نور نظر آتے ہیں — چشم بد دور وہ اب حور نظر آتے ہیں
چال مستانہ ہے انکی تو نشیلی آنکھیں — یہ حسیں بے پیے مخمور نظر آتے ہیں
ساقیا جب سے مئے سرخ بھری ہے تو نے — قمقمے ساغر بلور نظر آتے ہیں
زلف شبگوں پہ چھڑکتے ہیں جو دم افشاں — چاند تارے شب دیجور نظر آتے ہیں
آنکھ اٹھا کر وہ نہیں دیکھتے عاشق کی طرف — دولت حسن سے مغرور نظر آتے ہیں
اے شہِ حسن ترے چاند سے رخ کے آگے — چاند سورج مجھے بے نور نظر آتے ہیں

تن بدن کا نہ رہا ہوش رسا کو باقی
نشۂ عشق سے یہ چور نظر آتے ہیں

رسا ہمدانی۔ گیاوی

انگور

آفاق میں تو نام سے مشہور تو ہی ہے
کہتے ہیں تجھے رز۔ عنب۔ انگور تو ہی ہے

خوشہ ہے ترا غیرت صد خوشۂ پرویں
وابستہ ہے دامن سے ترے گوشۂ پرویں

لگ جائے کہیں ٹھیس تو خونابہ رواں ہو
نازک ہے بدن ایسا کہ شیشے کا گماں ہو

سرسبز بنانے کو تجھے خون سے سینچا
پھر بادہ کی صورت میں ترے خون کو کھینچا

لکھتے ہیں اطبا تجھے نسخے کے ورق میں
دارو سے شفا بنتا ہے بیمار کے حق میں

صحن چمن و باغ میں ٹٹی میں چھپا تو
سایہ میں مغاں کے کبھی بھٹی میں چھپا تو

جلوہ ترا ہر شکل میں واللہ غضب ہے
گہ دختر رز ہے تو کہے بنت عنب ہے

دیتا ہے زمانہ میں تجھے کون دلاسا
ہر شخص کو دیکھا ہے ترے خون کا پیاسا

رندوں کے لیے ہے مئے گلگون تمنا
پی لیتے ہیں ظالم وہ ترا خون تمنا

شیشے سے نکلکر تو کبھی جام میں جھلکا
پہنچا جو لبوں تک دل ناکام میں جھلکا

کیا ظلم ہے تو باغ سے جس وقت جدا ہو
عالم ہو اسیری کا۔ بیماری کی ہوا ہو

گھر بیٹھے تجھے دور سے منگوائیں مزے سے
جنکو ہو تری چاہ وہی کھائیں مزے سے

پوشیدہ ترا قطن کے پھاؤں سے بدن ہے
یہ عالم غربت کا ترے ساتھ کفن ہے

خوبی تری اک سمت تری جان کی دشمن
پھر شیخ کا یہ قول کہ ایمان کی دشمن

مے سے تری زاہد کو سروکار نہیں ہے
شربت سے مگر اسکو بھی انکار نہیں ہے

اک بات مگر اے مرے انگور بتا دے
پردہ جو پڑا ہے اسے اللہ اٹھا دے

جلوے یہ نمایاں ہیں ترے آب کے گل کے
یا تاک میں پہنچے ہیں پھپھولے مرے دل کے

باسط۔ بسوانی

ہائے دل

یہ دل کمبخت ایسا ہے کہ اسکی بدولت ہزاروں ویران ہوئے۔ لاکھوں برباد ہوئے۔ کروڑوں نے جان دی۔ ہائے کہیں تبسم کی شکلیں پیدا کرتا ہے کہیں غم و حزن کی شکل ہویدا کرتا ہے۔ اللہ غنی اس کی بدولت دنیا میں کیا کیا کچھ نہ ہوا کس کس کو نہ تباہ کیا۔ ارے فلک بن کے تو ٹوٹا۔ پہاڑ بن کے تو گرا۔ زمین میں تیری بدولت لاکھوں پیوند ہوئے۔ یہ سب تیرے ہی کرشمے تھے۔ تو ترساتا ہے۔ رولاتا ہے۔ دربدر پھراتا ہے۔ پہاڑوں سے ٹکریں کھلاتا ہے۔ خاک چھنواتا ہے اور اُس پر بھی صبر نہیں آتا تو جان لے کر ٹلتا ہے ہائے ہائے نہ تجھکو بچہ پر ترس آتا ہے۔ نہ نوجوان پر رحم کرتا ہے۔ نہ بوڑھا تیری بے پناہ نظر سے چھپ سکتا ہے۔ تو للچاتا ہے۔ دکھلاتا ہے۔ پھسلاتا ہے۔ بہلاتا ہے۔ اور بیوفائی کر کے منھ موڑ کر چلا جاتا ہے۔ تیری بلا سے خواہ عاشق ہو یا معشوق تو اُسکے ہاتھ سے جانے کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ نہ تو کسی کا دوست ہے اور نہ کسی کے قابو کا۔ غرض سخت سے سخت کو بھی پگھلا لیتا ہے۔ اور تڑپاتا ہے۔ جلاتا ہے۔ اور دور ہی دور الگ الگ پھرا کرتا ہے آہ۔ تو نے ہی مجنوں کو دیوانہ بنایا۔ تو نے ہی کوہ کن کی جان لی۔ تو نے ہی عشاق کو پاگل۔ خبطی۔ مخرور مشہور کروا کر رسوا کیا۔ آہ۔ تو ہی حسن و عشق کے درمیان کی رسی بنا۔ تو نے ہی عاشق پر بجلیاں گرائیں۔ معشوق پر ستم ڈھایا۔ کسی کو گھر سے نکالا کسی کو قید کروایا۔ آہ۔ تیری کارستانیاں کہاں تک کوئی بیان کرے۔ ارے تو نے ہی

صغرا کے پہلو میں چٹکیاں لیں باوجود اُسکے تیز مزاج ہونے کے تو نے اُسکے

جگر پر قابو پایا اور خود آزاد ہوگیا- وہ باوجود شریف ہونے کے اور صنف نازک کہلانے کے تیرے ہاتھوں برباد ہوی- بچپن سے اُس میں تیری برداشت کا مادہ نہ تھا- آخر کو تو نے اُسکو دھوکا دیا- اور سینہ ہی سینہ میں لئیق کا خیال بے زبان بن کر دبا رہی- یہ صرف اُسکی نسوانی خو اور شرافت تھی ورنہ تو تو اُسکو بھی رسوا کیے بغیر نہ رہتا- آخر کو جب تو نے یوں بھی قابو نہ پایا تو لئیق کو اُکسایا اور اُسکے دل میں بھی اُسکا خیال پیدا کرایا اور لئیق نے کوشش کی کہ وہ مہجبین سے عقد کرے تو دولت دنیا ہاتھ لگے۔

دونوں کے والدین کو تو نے ورغلانا- وسواس پیدا کیے- اور جب صغرا کے والدین رضامند ہوئے تو تو نے لئیق کے باپ کو بھرا- انھوں نے صغرا اور اُسکے والدین کو اتنا دق کیا کہ تو صغرا کے پہلو میں نہ رہ سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا- بدقت تمام کچھ قابو پایا اور صغرا کا عقد لئیق سے ہوا- لئیق کو بھی چونکہ صغرا سے محبت تھی لہذا امید تھی تو کچھ ساتھ دے گا- اور پہلو میں بامور ہوگا- مگر لئیق نے صغرا کے پہلو میں تجھکو بے قابو پاکر- غرور- لالچ- حرص- خودستائی- خودمختاری بے مروتی- ناسمجھی- ناعاقبت اندیشی- حماقت اور اپنے باپ کی مرضی مقدم رکھنے سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر وہ وہ ستم ڈھاے کہ آخر کار تجھ میں نئے فوارے چھوٹ کر آہ نارسا ہوے- اور فلک سے جا ٹکراے- اور تو

پہلے صد برگ تھا اب ہزارہ ہوگیا

بمشکل صغرا کا ارمان پورا ہوا اور لڑکی پیدا ہوی جس سے خیال ہوا کہ اب لئیق اولاد کی محبت میں صغرا کی اطاعت اور خاطر کریگا- مگر لئیق ایسے بدماغ اور نامعقول طبیعت کو یہ اور گراں گذرا- اور اُس نے اس مولود سعید کو نا سعید سمجھا اور یہی ثابت کر دکھایا- اُس نے صغرا کو طعنے دیے تشنیع کی اور آخر کار

جو کچھ تو اُسکے پہلو میں رہا سہا باقی تھا وہ بھی چکنا چور ہو گیا۔ اور تیرے چشمہ سے خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ بالآخر تو نے صغرا کو یہانتک ستایا اور یہانتک دق کیا کہ وہ پہلے دق ہو کر پریشان ہوی پھر زار و نزار ہو کر جان سے بیزار ہوی اور آخر کار اُس نے اس طرح کُڑھ کُڑھ کر اور بلک بلک کر جان دی۔ اور اپنی ماں اور پیاری ماں۔ دلاری ماں۔ دکھیاری ضعیف ماں کو تڑپتا۔ بلکتا چھوڑا وہ بھی عنقریب اپنی بیٹی کے پاس جانے والی ہے۔ مگر تجھکو کسی طرح رحم نہ آیا آہ "ہائے دل" یہ سب تیرے ہی کرشمے ہیں تو نے اُس بیچاری کی جوان جان لی اور اُسکی غریب مصیبت زدہ ماں کو جسکے چودہ اولادوں میں صرف صغرا اور اُس کا بھائی زندہ تھا۔ یوں تڑپتا چھوڑا۔ غرض تیرے کرشمے جسقدر ہیں وہ حد سے گذرے ہوے ہیں۔ خدا کرے تجھ سے کوئی لگاوٹ نہ کرے اور تجھکو ہمیشہ قید رکھے نہ تیری رعایت ہو نہ مروت۔

بیدل انصاری

طرز معشوق

کل اک بت نوعمر نے پوچھا یہ قمر سے
کیوں اب ہے تری قوم گرفتار مصیبت
باطل سے کبھی زور تو حق کا نہیں گھٹتا
وہ بت سے ہو خم جسمیں ہے اسلام کی طاقت
کس ضعف سے یہ قوم مسلماں ہوی جیمیں
کیوں آج کسی روح کو ملتی نہیں راحت
ہاں آج مری قوم ہے ممتاز زمانہ
اللہ نے بخشی ہے اسے دولت و ثروت
ہیں دیر میں ایسے کئی انمول جواہر
شاہوں کے خزانوں میں بھی جنکی نہیں قیمت
آرام سے ہوتی ہے بسر زیست ہماری
دیکھی نہ کبھی خواب میں افلاس کی صورت
ہے آٹھ پہر شغل فقط رقص و غنا کا
پُرنور ہے پریوں سے مری محفل عشرت
لیتا ہے کوئی جھوم کے کھماچ کی تانیں
سُنتا ہے کوئی شوق سے کافی کی ہر اک گت

معشوق ہے پہلو میں تو ساغر میں مئے ناب
وہ لطفِ شبِ ماہ وہ ہر پھول کی نکہت

دبتے ہیں سلاطینِ جہاں اہلِ دول سے
محکوم زمانہ ہے وہ دولت میں ہے قوت

افلاس تری قوم کا دیکھا نہیں جاتا
ڈالے نہ عدو پر بھی خدا ایسی مصیبت

ایسے بھی نظر آئے تری قوم میں مفلس
دن رات اُٹھاتے ہیں جو فاقوں کی اذیت

اتنا نہیں کوئی کہ غریبوں کی خبر لے
کرتے نہیں اونچے بھی ذرا انکی اعانت

نواب کوئی ہے تو کوئی صاحبِ ثروت
عزت کا وہ خواہاں ہے تو یہ طالبِ شہرت

کہتے تھے مسلمان کہ ہم اہلِ حیا ہیں
جاتی نہیں گھر سے کبھی باہر کوئی عورت

اس رسم کی ڈالی تھی بنا ہند میں ہم نے
پردہ نہیں جس قوم میں اُسکی نہیں عزت

اس رسم کے لیکن ہیں وہی آج مخالف
عورات کو دی گھر سے نکلنے کی اجازت

بازار میں وہ آئیں نظر مجھکو عفیفہ
روشن تھی زمانے میں کبھی جنکی شرافت

کی ترکِ حیا. غیر سے ملتی ہیں بصد شوق
باغوں میں بھی جاتی ہیں نہیں اب وہ نزاکت

یہ ڈھنگ ہیں انکے تو خدا حافظ و ناصر
باور نہیں آتا کہ سلامت رہے عصمت

دعوئے مساوات بھی تم سب کو بڑا تھا
کہتے تھے مسلماں کو مسلماں سے ہے الفت

آپس میں تو بھائی ہیں مگر دشمنِ اغیار
اسلام کے قانون میں ہے جذب کی قوت

تم سب میں قیامت کی مگر پھوٹ پڑی ہے
کرتے ہیں مسلمان مسلمان سے نفرت

جلتا ہے مسلماں کی ترقی سے مسلماں
کیا نام اسی کا ہے زمانہ میں محبت

یہ وصف ہے تم میں کہ بڑے چرب زباں ہو
رفتارِ زمانہ نے یہ بخشی ہے طلاقت

ہے علم بھی ایسا کہ وہ خالی ہے عمل سے
لوگوں کے دکھانے کو کتابوں کی ہے کثرت

مذہب کے کئی مسئلہ ایسے بھی چھیڑے ہیں
ہونے نہیں دیتے جو کبھی تم میں مودت

شاخوں کو سمندر سے بھی سینچو تو عبث ہے
جب سوکھ گئی جڑ تو کہاں زیست کی صورت

میں نے یہ کہا اے گلِ گلزارِ زمانہ
مانند ہوے باتوں سے ترے دل کے جراحت

اک قطرہ لہو کا ہے بشر کا دلِ نازک
کیا اس سے اُٹھے حق کا بھلا بار ثیت

ایمان میں ہے ضعف تباہی میں پڑے ہیں
ہلنے کی بھی اب اپنی جگہ سے نہیں طاقت

حرصِ زرِ دنیا ہے فزوں کوہِ گراں سے
یہ بوجھ پڑا اب گئی ایمان کی قوت

قمر گیاوی

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے جولائی نمبر ملاحظہ ہو)

میں نہایت مخلصانہ انداز سے ناظرین تمدن اور بالخصوص اُن حضرات کا جنکی خدمت میں مجکو نیاز بھی نہیں حاصل ہے۔ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اعراب جاہلیت کے مشاعرے کے متعلق اپنی خاص دلچسپیوں کا اظہار کرکے میری ہمت افزائی فرماتی ہیں۔ میں حتی الامکان آپ حضرات کی تعمیل حکم میں پوری کوشش کروں گا اور اس سلسلہ کو تا اختتام پہنچاؤں گا۔ آشفتہ

مشاعرہ کا

پانچواں دور ہے۔ مذاق شعر میں ڈوبی ہوئی طبیعتیں بالخصوص شعرا اور علی العموم سخن سنج و مذاق سلیم رکھنے والے سامعین نہایت بیچینی کے ساتھ منتظر ہیں کہ دیکھیے ابکے کامیابی کا سہرا کس کے سر رہتا ہے۔ وقت کا انتظار ہے۔ قریب قریب تمام فصحا و بلغاے عرب۔ بڑے بڑے ادیب جمع ہو چکے ہیں اور برابر مختلف مقامات سے آ رہے ہیں ہر شاعر ایک محشرستان خیال دماغ میں لیے ہوے ہے بجاے خود اس دُھن میں ہے کہ ابکے مشاعرہ ہمیں جیت کے لیجائیں۔ اور کیوں نہوں ایسے وسیع خیالات شعرا قریب قریب سال بھر اسی کوشش میں ختم کرتے ہیں اپنی جانیں لڑاتے ہیں حسب محنت داد بھی پاتے ہیں پھر مادری زبان بھی ہے مذاق شعر بھی رگ رگ میں اُترا ہوا ہے سرزمین بھی آب و ہوا بھی مزاج بھی ہر چیز مذاق شاعری کی ترقی کے لیے ایک قوی عنصر ہے ان سب پر طرہ حُسن و عشق کی گرم بازاری ہر طرف دلدادگان عشق حُسن کی دیویوں کے لئے ہاتھوں پر دل گداختہ لیے ہوے پھرا کرتے ہیں

بازارِ حسن میں متاعِ دل کی قدر اور پوری قدر بھی ہوتی ہے۔ جہاں دیکھیے صحبت حسن و عشق گرم ہے اس میں شک نہیں کہ قصبہ عکاظ اس وقت اس غیر معمولی چہل پہل سے دلہن بنا ہوا ہے کہیں آپس میں شعرا میں نوک جھونک ہو رہی ہے کہیں بذلہ سنجی ہے کہیں چھیڑ چھاڑ ہے کہیں نہایت سنجیدہ اور پاکیزہ مذاق ہو رہا ہے جو لفظ باہمی گفتگو میں زبان سے ادا ہوتا ہے وہ نہایت سمجھا ہوا اور جچا ہوا ادا ہوتا ہے ہر ہر لفظ پر فصاحت و بلاغت سو سو بار نچھاور ہوتی ہے۔ ایک طرف نقادانِ سخن کی نظریں لڑی ہوئی ہیں کان لگے ہوئے ہیں باہمی شعرا کی بات چیت سے لطفِ زبان بھی اٹھاتے جاتے ہیں اور ایک قسم کا اندازہ بھی کرتے جاتے ہیں۔ غرض کہ انھیں دلچسپیوں میں انتظار کا وقت گذر گیا باقاعدہ دورِ مشاعرہ قائم ہوا صحبت شاعری گرم ہوئی شعرا نے اپنے اپنے جواہرات نظم جوہریوں کے سامنے پیش کرنا شروع کیے بقدر خوبی کلام منصفانہ داد ملنا شروع ہوئی کسی نمکین طبیعت والے نے اہل مشاعرہ کے دل برما دیے کسی آتش خو نے آگ لگا دی کسی رنگین طبیعت والے نے ہنسا دیا کسی عاشق مزاج نے دل گداختہ کر دیے رولا دیا کسی فطری شاعر نے مناظر قدرت کی تصویریں نظروں کے سامنے کھینچ دیں کسی نے جذبات باطنی کو ابھار دیا کسی نے رزم کے خاکے کھینچے کسی نے بزم کے چربے اتارے۔ ایک آگ سی ہے کہ مشاعرہ میں بھڑکتی ہی چلی جاتی ہے ایک سے ایک زبان خنجر سر تیز لیے ہوئے نکلتا ہے کہ یکایک مشاعرہ نے کروٹ بدلی شاعرانہ نزاکتوں کا سمندر موجیں مارتا ہوا بڑھا عمرو بن کلثوم کی باری آئی اس نے وہ زور کا قصیدہ سنایا کہ بجائے تعریف و واہ کے مشاعرہ ٹکر مارنے لگا ایک سناٹا سا پڑ گیا تمام متحرک ہستیاں فطرت خاموش نظر آنے لگیں اب بجائے تعریفوں کی آوازوں کے مشاعرہ میں ایک عام خاموشی ہے جیسے دیکھو

وہ کیف کلام سے بیخود بلکہ بیحس ہو رہا ہے وہ بڑے بڑے خوش فکر جو بہت زور دہن میں قصائد نظم کرکے لائے تھے اب اُن کی آنکھوں میں اندھیرا ہے دنیا تیرہ و تار ہے یہ سب کچھ ہے مگر انصاف کا خون کوئی نہیں کرتا آجکل کی طرح ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ عمرو ابن کلثوم کی کامیابیوں کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے ہر شخص کی زبان پر یہی ہے کہ واقعی آج کامیابی کا سہرا عمرو بن کلثوم ہی کے سر ہے۔ ناظرین عمرو بن کلثوم ایام جاہلیت کے ممتاز خانوادہ سے شمار کیا جاتا تھا یہ شخص قبیلہ بنی تغلب سے تھا۔ اس کا سلسلہ حسب ونسب حسب ذیل ہے۔

عمرو ابن کلثوم بن مالک بن عتاب بن سعد بن زہیر بن جشم کصوبن بکر بن حبیب بن عمرو بن غنم کصر دین تغلب بن وائل اور اسکی ماں لیلے بنت مہلہل بن ربیعۃ التغلبی برادر کلیب بن ربیعہ ہے اور کنیت اسکی ابی الاسود ہے عمرو بن کلثوم اپنے اوائل عمر ہی سے اسقدر ہونہار اور ذی اثر تھا کہ اس پندرہ ہی برس کی عمر میں قبیلہ نے اپنا واجب التعظیم سردار مقرر کردیا تھا اس عہد میں کسی قبیلہ کی سرداری کے یہی معنے تھے جیسے کسی سلطنت کے بادشاہ کے ہوتے ہیں اس نے ایکسو بچاس برس کی عمر کی۔ اور آغانی میں اس قصیدہ کے انشا کے متعلق ایک خاص واقعہ لکھا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ ایک روز عمرو بن ہند کو وہ ابن منذر بن امرء القیس اللخمی ہے اور ماں اسکی ہند بنت عمرو بن حجر آکل المراد ہے یا بنت حارث بن حجر ہے یہ رئیس و حاکم قطین تھا۔ اپنی صحبت میں بیٹھا ہوا تھا اسکے مصاحب بھی حاضر خدمت تھے کہ اسنے اپنے ثروت و جاہ و عالی نسبی کے گھمنڈ میں اپنے مصاحبوں سے یہ سوال کیا کہ کیا تم اعراب میں سے کسی ایسے شخص کو پیش کرسکتے ہو جس کی ماں میری ماں کی خدمت کرنے سے عذر کرسکے۔ یہ

سُن کے مصاحبین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہاں البتہ وہ عمرو بن کلثوم کی ماں ہے جو نہایت بزرگ خانوادے سے ہے مہلہل ایسے ممتاز کی لڑکی اور کلیب ایسے وقیع کی بھتیجی اور کلثوم بن مالک ایسے دانشمند کی زوجہ ہے اور عمرو بن کلثوم بیٹا اُسکا سردار ہے قبیلۂ تغلب کا۔ یہ سُن کے عمرو بن ہند نے عمرو بن کلثوم کو بلوا بھیجا۔ چنانچہ عمرو بن کلثوم ایک جماعت بنی تغلب کے ساتھ مع اپنی ماں لیلے بنت مہلہل کے آیا۔ چنانچہ ماں اسکی لیلیٰ عمرو بن ہند کی ماں ہند کے پاس حرم سرا میں داخل ہو گئی۔ اور خود عمرو بن کلثوم عمرو بن ہند کے پاس جو مقام نشست تھا چلا آیا ہند کہ جو درحقیقت نشۂ دولت و ثروت و عزت سے مخمور ہو رہی تھی اس نے لیلے بنت مہلہل سے بعد معمولی صاحب سلامت کے کسی مناسب موقع پر ایک تحکمانہ انداز اور امیرانہ لہجہ سے کہا کہ یہ طبق میرے پاس اُٹھا لا۔ یہ سُنتے ہی لیلے کہ عرب کے ایک ممتاز طبقہ کی صرف عورت ہی نہیں تھی بلکہ اُس قبیلہ کے سردار کی ماں بھی تھی اسکے علاوہ اپنے قبیلہ کی شجاعت و بہادری وجمعیت پر بھی نازاں تھی باپ اور چچا اور شوہر بھی خاص وجاہت کا رکھتی تھی فوراً برہم ہو گئی طبیعت جوش میں آگئی تیوریوں پر بل پڑ گئے غیظ و غضب سے گورے گورے نرم نرم رخساروں پر ایک شہابی تہ دوڑ گئی۔ اس نے بھی بہت ترش رُخ کے جواب دیا کہ تو خود اُٹھالے صاحب حاجت اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے آپ مستعد ہوتا ہے۔ میں کیوں اُٹھاؤں۔ یہ جواب دینے کے بعد بھی لیلے کا غم و غصّہ کم نہوا اور آخر کو اس نے اپنی غم و غصّہ میں ڈوبی ہوی آواز بلند ہی کر دی کہ افسوس مہمان بلا کے قبیلہ تغلب کی ذلت کی جاتی ہے۔ اس آواز کا بلند ہونا تھا اور عمرو بن کلثوم کے کانوں تک پہنچنا تھا کہ آنکھیں غیظ میں سرخ ہو کے اُبل پڑیں اور ہمارے یانکے شاعر کے چہرہ پر خون جھلک آیا بغیر کسی انتظار کے

عمرو بن ہند کی تلوار سے جو اس نشست گاہ میں کسی مقام پر لٹک رہی تھی عمرو بن ہند[1] کا خاتمہ ہی کر چھوڑا اسکے بعد اپنے ساتھیوں کو آواز دی جو قبیلہ تغلب کے اسکے ہمراہ تھے اُن سب نے آکے اُس نشست گاہ کو جہاں اسوقت عمرو بن ہند ایسے جلیل القدر رئیس کا سر ٹھوکروں میں پڑا ہوا تھا گھیر لیا اور اُن لوگوں کو محصور کر لیا جو عمرو بن ہند کے درباری اُسوقت موجود تھے۔ اسکے بعد نہایت بہادری اور بانکپن سے اپنی محترم ماں کو بہادر بیٹا لیے ہوے اپنے جزیرہ کی طرف مراجعت کر گیا۔

آغانی کہتا ہے کہ یہ قصید عمرو بن کلثوم نے اسی موقع پر جوش شجاعت میں انشا کیا ہے اور اپنے قبیلہ کی بہادری اور شجاعت شرافت اور دیگر اوصاف پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے چنانچہ پہلے اس قصیدہ کو عمرو بن کلثوم نے قصبہ عکاظ میں سالانہ مشاعرہ میں پڑھا جن مشاعروں کے حالات ناظرین کے پیش نظر ہیں اور اسکے بعد موسم حج میں مکہ میں پڑھا۔ یہ قصیدہ بحر طویل میں ہے اور اصول افاعیل اسکے مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن

مطلع

الا ھبی بصحنک فاصبحینا   ولا تبقی خمور الاندرینا

کہتا ہے خطاب کرکے کہ اے مست خواب جوانی ہوشیار رہو اور مجکو شراب صبح بزرگ جام میں پلا اور آج میکدہ میں قریہ اندر کی شرابوں سے کوئی شراب باقی نہ بچنے پائے کسی دوسرے شخص کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ ساقی آج جتنی عمدہ اور نفیس شراب تیرے پاس موجود ہے وہ سب مجھی کو دیدے اس لیے کہ مجھ سے

[1] عنصر شجاعت کے لیے واقعی اسی قدر غیرت کے مادہ کی ضرورت ہے جن قوموں میں یہ جوہر نہیں وہ کبھی بہادر ہو ہی نہیں سکتیں۔ شگفتہ

زائد شرابی اور مستحق اس شراب کا کوئی اور ہو نہیں سکتا۔

مشعشعۃ کأن الحص فیھا اذا ما الماء خالطھا سخینا

اے میرے پیارے ساقی ایسی نفیس شراب آج پلا کہ جس میں یہ معلوم ہوتا ہو کہ زعفران خالص پیس کر ملا دی گئی ہے وہ ایسے نفیس اور دلکش رنگ کی شراب ہو کہ جب اُس میں گرم پانی ملا کے پیوں تو میری طبیعت سمندر کی طرح جود و بخشش کی لہریں مارنے لگے ۔ ناظرین کرام اعراب خصوصیت کے ساتھ فصل سرما میں شراب میں زعفران و گرم پانی ملا کر عادۃً استعمال کیا کرتے ہیں غالباً یہ وجہ ہے کہ سخونتہ آب اور زعفران کا گرم و خشک مزاج معین سکر ہوتا ہے۔

تجور بذی اللبانۃ عن ھواہ اذا ما ذاقھا حتی یلینا

پھر مدح کرتا ہے شراب کی اور کہتا ہے کہ ایسی شراب پلانا کہ جس کو صرف چکھنے سے صاحب حاجت اور صاحب فکر و غم اپنی فکر و غم اور حاجت کو بھول جائے نہ کہ پی لینے کے بعد۔ گویا مطلب یہ ہے کہ بہت سریع الاثر شراب پلا دے کہ جو حلق سے اُترتے ہی بیخود بنا دے۔ (باقی آیندہ)

آشفتہ لکھنوی

غزل

جناب داروغہ مرزا احد حسین صاحب واقف لکھنوی یادگار جناب آسیر مرحوم[۱]

اے سوز غم فراق میں کیا جانے کیا ہوا رگ رگ میں خون کھول رہا ہے پڑا ہوا
اوچھا سا وار کرنے سے حاصل ہی کیا ہوا میرا بھلا ہوا نہ تمہارا بھلا ہوا
شکوہ سے کچھ غرض ہے نہ عل پھیرتے ہیں ہم اچھا معاف کیجیے جو کچھ ہوا ہوا
میں ضعف سے تھکا ہوا محفل میں یار کی بیٹھا مثال اشک نظر سے گرا ہوا
مار سیاہ زلف صنم کا جو ہے خیال دل کا چراغ شام ہی سے ہے بجھا ہوا
واقف پسند ہم نہیں کرتے ہیں شعر میں مضموں مذاق عشق سے ہے جو گرا ہوا

[۱] یہ غزل ہم کو جناب آشفتہ صاحب کے توسل سے وصول ہوئی ہے جس کے لیے ہم دونوں حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

محشرِ خیال

قیس عامری و فرہاد ایرانی: نہ یہ رہا نہ وہ! دنیا چھلانگیں مارتی اسقدر آگے بڑھ آئی کہ مجنون نجدی کی سنہ ۱۹۱۶ء میں کوئی نقل۔ عملاً یا تحریراً۔ اُتارنی چاہے تو وہ نقل بھی "مطابق اصل" نہ ہونے کی وجہ سے صورت مسخ شدہ بن کر رہ جائے گی! مخلوقات بیچاری اس پیرزال کی چڑھی پر سوار۔ بلا ارادہ و بلا کوشش "رشتہ در گردنم" کی مثال اسکے ساتھ ساتھ چلتی رہی اور آج وہاں نظر آتی ہے جہاں سے پلٹ کر آغازِ سفر۔ سفرِ تہذیب و ترقی طلب کی طرف دیکھا جائے تو دوربین کے ذریعہ سے بھی نقطۂ آغاز نظر نہیں آئے گا! خیر۔ اس سفر کی مشرح و مفصل رام کہانی۔ تاریخ جانے، یا وہ جن کو ایک اور ایک گیارہ بنانے کی ترکیب آتی ہے ہماری نظر تو اسوقت موجودہ دنیا پر ہے!

آج سے انیس سو برس پہلے کی معاشرت کے مدّاح تو اب بھی سیکڑوں ترقی یافتہ امور پر خواہ مخواہ نکتہ چینی کے لیے تیار رہتے ہی ستے گر وہ درمیانی خیال والے بھی جو آج کے خیال والوں سے محض چند سال۔ یہی کوئی بیس پچیس سال۔ پیشتر کے زمانہ کے خیالات رکھتے ہیں، ترقی نسوان پر ہتھے سے اُکھڑ جاتے ہیں! افسوس یہ ہے کہ دنیا اور اُس کی معاشرتِ منقلب کو وہ بھی اپنے سنہ ۱۸۵۷ء کی چار دیواری میں مقید کرنا چاہتے ہیں! اور دنیا ایسی نت نئے روپ بدلنے والی نظر فریب معشوقہ ہے جسکے مذہب میں کسی جگہ ٹھہر جانا موت کو کہتے ہیں: وہ جیتے جی مر نہیں سکتی: لہذا بڑھے جاتی ہے اور اسکی نظر فریبی سے متاثر ہونے والا گروہ اور یہ گروہ عموماً نوجوان ہی ہوگا۔ اسکے پیچھے گردن ڈالے چلا جا رہا ہے! واقعی اگرچہ

روش نہ اختیار کی جائے اور "بازمانہ بساز" کے اصول کو توڑ دیا جائے تو اسکے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ دس برس کے بعد کُتّے صاحب کو۔ عام اس سے کہ وہ حسب نسب کے لحاظ سے اصحاب کہف کے کتوں کی تنہا اولاد ہی کیوں نہوں۔ جس گاڑی کے سایہ میں قدم زن تھے، اس کی دُھول بھی نظر نہ آے گی اور آفتاب کی تیز تیز نظریں جسم کاہل کو جلاے دیتی ہوں گی"! "طبقۂ نسواں تعلیم پائے اور تعلیم کا لطف نہ اُٹھائے" بالکل ایسا ہی خیال ہے کہ "سرمہ لگاؤ مگر دیدہ نہ مٹکاؤ"! نہ اس میں قیام، نہ اُس میں امکان! جس قسم کی تعلیم ہو گی اور جس رنگ میں دماغ رنگ دیا جائیگا اُس سے گریز، قوت بشری سے باہر ہے! بعض اوقات قوتِ ملکوتی سے بھی باہر ثابت ہو چکی ہے! ترقیِ نسواں کا دارومدار تعلیم کے رنگ پر ہے۔ جس طرح کی نیاد رکھی جارہی ہے اُسپر اسی قسم کی عمارت کی امید بھی رکھنی چاہیے! افسوس اسپر آتا ہے کہ بعض کم فہم۔ پرانے خیال والے معمولی سی بات کو بھی اپنی ناعاقبت اندیش نکتہ چینی سے اچھا خاصہ تبنگڑ بنادیتے ہیں! اس سے اُس اصل شئے کی ترقی و نظر فریبی میں کچھ بھی فرق نہیں آتا: البتہ معترض صاحب کی طبیعت کا "گول مٹھول" ہونا یقینی ثابت ہو جاتا ہے!

کل ہی کا ذکر ہے کہ ہمارے ایک انقلاب پسند نے ایک مضمون ضرورت کے عنوان سے "مشرق" میں دیا: مجھے ایسے مضمون۔ یا در اصل اعلان سے نہایت دلچسپی ہوتی ہے! متاع حسن کو خوش معاملگی کے ساتھ دس بھلے مانسوں کے سامنے پیش کش کر دینا اور اُسکی شرائط بیع۔ ممکن ہے کہ بیع بالوفا ہو۔ خریدارانِ متمنی کو سمجھا دینا اول درجہ کی ایمانداری اور خوش معاملگی ہے! جس "ضرورت" کا میں ذکر کر رہا ہوں اُسکا جواب بھی اُسی روز میرے ایک عنایت فرمانے لکھا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اڈیٹر صاحب کو روانہ بھی کر دیا۔! پہلے اُس جواب کو ملاحظہ کر لیجیے:۔

ہردوئی
۲ جولائی

مکرم بندہ! تسلیم

آپ کے اخبار مورخہ ۲۷ جون کے صفحہ ۱۲ پر "ایک ضرورت" کی سرخی نے مجھے اسوقت اس تحریر لکھنے پر مجبور کیا ہے! سب سے پہلے مجھے تعجب ہے کہ آپ نے نوجوانوں کی ضروری صفات کو پوری حدتک بیان کردیا ہے لیکن اس دوشیزہ گمنام کا اتا پتا یا اور کچھ مطلق تحریر نہیں فرمایا - قاعدہ یہ چاہتا ہے کہ جو چیز - عام اس سے کہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح - کسی رنگ سے بھی خریدار کی متلاشی ہو وہ نگاہ کھینچنے یا نظر فریبی کے لیے اپنی حالت، اپنے اوصاف، اپنا حلیہ اور اپنی ہر قابل اظہار خوبی کو کچھ کھلے اور کچھ ڈھکے الفاظ میں نذر ناظرین کرے! پانیر میں روزانہ صفحہ ۵۰ حق کی مختلف النوع سرخیوں میں آپ ایسی ہی تفصیل اوصاف وقد وقامت پائیں گے! خیر! اس بات کو فی الحال تصفیہ طلب ان کر آپ کے اعلان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں! میرے احباب میں سے اکثر نوجوان جن میں ہر رنگ اور ہر قامت کے اصحاب شامل ہیں متلاشی مونس ہیں اور میرا فرض ہے کہ میں ان میں سے ہر ایک کے ضروری اوصاف بیان کردوں اور اس فہرست کو آپ کی نظر انتخاب کے سامنے پیش کردوں! جس امیدوار کو انتخاب کا فخر حاصل ہوگا وہ میرے ہی ذریعہ سے مطلع کیا جاسکیگا - اسقدر آپ کو یقین دلانا ضروری نظر آتا ہے کہ ان مونس طلب احباب میں - بفضلہ رقابت یا حسد کسی حدتک بھی نہیں ہے اور نہ آپ کے آزادانہ انتخاب سے پیدا ہوگا - اس لیے آپ بلاخوف رقابت یا عناد جسکو مناسب سمجھیں پسند کرسکتے ہیں!

(۱) ...... معزز عہدہ دار ہیں - ڈھائی سو تنخواہ ہے - کشیدہ قامت ہیں - گریجویٹ ہیں - خوش مزاج ہیں - عمر کسی طرح ۲۵ سے زیادہ نہیں ہے -

ڈاڑھی موچھوں کو کراپ ریزر کے سر صدقہ کرتے رہتے ہیں۔میلان طبع یقین دلاتا ہے کہ شادی کے بعد یقینی زن مرید ہونگے۔البتہ شیخ یا سید نہیں ہیں۔پٹھان ہیں اور ابتک غیر شادی شدہ ہیں! متلاشی زوجہ ہیں لیکن تعلیم یافتہ بیوی کو ترجیح دینگے! صحت نہایت اچھی ہے۔ابھی ابھی ایک خوفناک بیماری سے خدا خدا کرکے بچے ہیں اس لیے امید ہے کہ آیندہ عرصۂ دراز تک بیمار نہیں ہونگے! نماز پڑھنے کے وقت تکبیر نہایت پٹھانی آواز میں بالجہر پڑھتے ہیں! کالج میں فٹ بال کھیلتے تھے اب ٹینس پڑ گئے ہیں! ظاہرہ نہایت حلیم نیک اور سیدھے معلوم ہوتے ہیں! حقیقی معنوں میں ابتک مجرد نہیں ہیں تو غیر شادی شدہ ضرور ہیں!

(۲)......گریجویٹ آفیسر ہیں۔چھریرہ جسم ہے۔رنگ سرخ و سفید ہے۔نقشہ اچھا ہے۔سنہری عینک انکو نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ڈاڑھی ندارد ہے مگر مونچھیں اسقدر بڑی ہیں کہ Kaiser moustache کی تلاش ہے عمر ۲۶ سال سے زائد نہیں ہے اگرچہ سر وغیرہ کے چند بال نزلہ کی عنایت سے قبل از وقت سفید ہوگئے ہیں! انگریزی مذاق کے دلدادہ ہیں۔سوٹ نہایت اچھے سلے ہوئے پہنتے ہیں۔آنکھیں بڑی ہیں اور نظر بازی پوشیدہ کی مشاق ہیں۔اچھی صورت اور حسن کے ہر وقت متلاشی ہیں۔لیکن خدانخواستہ دل پھینک نہیں ہیں! امید قوی ہے کہ حسین بیوی مل جانے کے بعد اطمینان قلب حاصل ہوجائے گا اور تعلیم یافتہ و مولوی نما حضرات کا بار احسان اُٹھانے سے باز رہیں گے! گریجویٹ ہیں مگر اپنی موجودہ ملازمت سے متنفر ہیں اور نئی چیز کے منتظر! ذات کے لحاظ سے سید ہیں اور عالی نسب ہیں!

(۳)..... سرکاری ملازم ہیں۔ امید ہے کہ سفارش یا قسمت جلد اچھے عہدہ پر پہنچادے۔ حال ہی میں ایک خاندانی موت سے بلا ارادہ و کوشش رئیس بن گئے ہیں۔ صورت حلقۂ احباب میں اچھی سمجھی جاتی ہے۔ رنگ سرخ نہیں تو سفید ضرور ہے! آنکھیں بڑی بڑی ہیں اور لارنس اینڈ میو کے ہاں کی عینک کی عادی ہیں! عمر کل ۲۳ سال کی ہے۔ صحت اچھی ہے اور جسم ورزش کا ساختہ ہے۔ وزن ماشاءاللہ چشم بددور صرف ۲ من کچھ سیر ہے! اردو انشا میں خاص مہارت ہے۔ نئے مضمون نگاروں میں پسند کیے جاتے ہیں! طبیعت نہایت شوخ پائی ہے حلقۂ احباب نے "شیطان" کا معزز خطاب عطا کر رکھا ہے! صنف نازک کی ہر اچھی اور نظر فریب صورت کو سجدہ کر لینا اپنا فرض سمجھتے ہیں! کالج میں ایف۔اے تک پڑھا ہے اور امید ہے کہ پڑھکر گدھے پر نہیں لادا ہے! بیوی اگرچہ سیدہ موجود ہے اور اس سے محبت بھی کرتے ہیں لیکن اپنی ہرجائی عادت سے مجبور ہیں! اور کم از کم ایک اور بیوی کے لیے بُری طرح منتظر وقت ہیں! ذات کے شیخ فاروقی ہیں!

(۴)...... ملازم سرکار ہیں۔ سو روپیہ ماہوار پاتے ہیں۔ قد کے معاملہ میں قدرت نے بہت کوتاہی کی ہے مگر اس کمی کو اُن کی فتنہ آمیز طبیعت کے عنایت کرنے میں پورا کیا ہے۔ رنگ کہنے کو تو گندمی ہے مگر دھوپ ایک تاؤ زیادہ لگ گیا ہے! قد کم ہے مگر ناک خدا کی عنایت سے اچھی خاصی ہے! خوش مزاج ضرور ہیں لیکن ...... کہ بہت جلد بلا کسی نوٹس کے ہو جاتے ہیں! عمر خود تو ۱۰ سال کی بتاتے ہیں مگر ان کی بیوی کی زبانی ۲۵ سال معلوم ہوئی ہے! اسکی تصدیق انکی سیاہ داڑھی سے

بھی ہوتی ہے۔ اگریجویٹ ہیں اور بیوی کی جائز عزت پوری حد تک کرتے ہیں۔ بیوی موجود بھی ہیں تعلیم یافتہ اور لائق بھی ہیں۔ لیکن جناب محض جاہل اور گنوار لڑکی کے متلاشی ہیں۔ صحت اچھی ہے جو کچھ نقص تھا وہ عرصہ ہوا کہ آپریشن کے ذریعہ سے رفع کر چکے! ذات کے شیخ انصاری ہیں!

(۵)...... سب انسپکٹر پولیس ہیں عمر ۲۳ سال ہے۔ ایف۔ اے تک پاس کیا اور بی۔ اے پر حملہ آور بھی ہوئے۔ غیر شادی شدہ ہیں۔ رنگ نمکین ہے۔ جو کچھ مذاق خلاف فطرت تھا اُسکے دور ہو جانے کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ مزاج کے نہایت اچھے اور بیوی کے بُری طرح متلاشی ہیں! ذات کے شیخ ہیں! شریف بھی ہیں!

(۶)...... سیکنڈ ایر کے طالب علم ہیں۔ بی۔ اے تک ارادہ ہے۔ عمر ۱۷ سال ہے۔ صورت۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ اچھی ہے! ذہین، طباع، اور ہونہار ہیں [illegible] میں پڑھتے ہیں اور ایف۔ اے کے بعد M. A. O. college جائیں گے! ہر طرح مجرد ہیں! شیخ صدیقی اور حنفی المذہب ہیں!

(۷)...... اسی سال میٹرک پاس کیا ہے۔ ذہین اور طباع ہے۔ اتفاق سے سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوا ورنہ سب کو فرسٹ ڈویژن کی اُمید تھی۔ نہایت نیک اور محنتی طالب علم ہے۔ بی۔ اے کے بعد رڑکی جانیکا شائق ہے مگر والدین باوجود حیثیت آگے پڑھانا نہیں چاہتے۔ بی۔ اے M. A. O. College سے کرنا چاہتا ہے۔ عمر ۱۸ سال ہے۔ ہاکی کھیلتا ہے۔ صورت موزوں ہے اور جسم اکہرا ہے۔ مجرد ہے! شیخ ہے اور حنفی المذہب ہے! شریف خاندان ہے!

(۸)........ بیرسٹر ہیں! اپنے پیشہ میں کامیاب ہیں! عمر کبھی ۲۲ سے زیادہ نہیں بتاتے! رنگ ملیح ہے مگر خشخاشی ڈاڑھی نے بڑی طرح ظلم کیا ہے! آنکھوں کو بھرے بھرے رخساروں نے چھوٹا کردیا ہے! جسم انگلستان سے واپس آتے ہی طول و عرض میں بڑی طرح روز افزوں ترقی کر رہا ہے! غیر معمولی بوجھ کی وجہ سے رفتار میں خاص کیفیت پیدا ہو گئی ہے مولوی نہ صرف خود ہیں بلکہ خاندانی ہیں! باوجود نئی تعلیم کے ہر بات میں سنت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ دو بیویاں قربان ہو چکی ہیں تیسری کے لیے ہر نماز کے بعد دعا کرتے رہتے ہیں! اگرچہ نئی بیوی کو کچھ زیادہ دق نہیں کریں گے تاہم متلاشی ضرور ہیں! شیخ اور شریف خانداں ہیں! دوستوں کی ہر قسم کی ضرورت کو حتی الوسع پورا کرنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے!۔

اگر مذکورۂ بالا میں سے کوئی پسند نہ آئے تو ایک بندہ زادہ بھی حاضر ہے۔ جسکی عمر اسوقت ۱۴ سال ہے اور مڈل میں پڑھتا ہے۔ ذہین اور طباع ہے صورت شکل میں اچھا ہے۔ غیور اور شرمیلا ہے۔ ذات کی نسبت شیخ عثمانی کہدینا کافی ہوگا۔ میری شرافت خاندانی کی نسبت آپ بعد کو خط و کتابت سے دریافت کرسکتے ہیں۔ منتظر جواب رہوں گا۔

امید ہے کہ اگر ہرج نہو تو اس تحریر کو "مشرق" میں جگہ دیجائیگی! والسلام۔

راقم ۔ س ۔ ب

مکرر:۔

دوشیزۂ زیر بحث کی صورت شکل نہیں تو کم از کم مزاج، تعلیم، صحت اور حسب و نسب سے امیدواران کو مطلع کرنا ضروری ہے! اڈیٹر صاحب اگر اس تحریر کو "مشرق" میں جگہ دیجیے تو میں ممنون ہونگا لیکن امید کیجاتی ہے کہ میرا نام نہ دیا جائےگا۔ سلمہ

اس جواب کو پڑھکر مجھے بے اختیار اپنے عنایت فرما کی قابلیت کی داد دینی پڑتی ہے! واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو اُسی روشنی میں دیکھنا چاہیے جسکے اندر وہ اسوقت نظر آتی ہے امر کرے اُسکے محیط اصلی کو خارج کرکے کوئی پُرانا محیط قائم کرنا۔ نہ صرف روح اقلیدس کو آزار دینا ہے۔ بلکہ جلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا بھی ہے جسقدر صفائی، سچائی، اور خوش معاملگی سے اُس اعلان یا اشتہار میں کام لیا گیا تھا جو "مشرق" میں نکلا تھا۔ اسیقدر تشریح عیوب و ثواب، مرتبہ و حالت، اور تمام چیزوں کے بیان کرنے میں ہمارے عنایت فرمائے پوری راستبازی اور اظہار حقیقت کا اظہار اپنے جواب میں کیا ہے!

مجھے اس سے بحث نہیں کہ امیدواران کے حلیہ اور ذاتیات میں بعض لطیف باتیں اب بھی قلم انداز کردی گئی ہیں ؛ ما راحیہ ازیں قصہ۔ بقول شخصے۔ کہ گاؤ بہ گاؤ می رسد یا بہ خر ! البتہ ایسی صاف صاف باتیں دینے کی توفیق نیک اگر خدا سب سمجھداروں کو عطا کردے توقع یہ ہے کہ عدالتوں کا بہت کچھ کام ہلکا ہوجائے اگرچہ اسمیں بھی شک نہیں کہ ہمارے قانونی بھائیوں کی "آمدن" کی گردان - متعدی و مجہول حصہ کے حذف ہوجانے سے محض لازمی اور صیغہ رہ جائے گی - مگر اس ذرقہ ناطق (ناطق اس لیے کہ فی الحقیقت قوت لسانی ہی وہ چیز ہے جو اکثر و بیشتر ان کی دھاک دیکھنے والوں کے دل پر بٹھا دیتی ہے) کی جزرسی سے امید ہے کہ وہ اس نقصان کو اس امید پہ برداشت کرے گا کہ آنے والی نسلیں زیادہ آزاد خیال، زیادہ خودمختار، زیادہ مہذب اور ترقی کی برقی روشنی سے معمور ہوں گی !

اس میں شک نہیں کہ ایک ہندوستانی فلاسفر نے انسان کو محض خیال

کہنے میں انسان کی ایسی جامع و مانع تعریف کی ہے جو ایک طرف تو اُسکے تمام افعال ارادی و اضطراری کو گھیر لیتی ہے اور دوسری طرف شاعری سے لبریز ہے! اور سچ یہ ہے کہ شعریت کے بغیر کچھ بھی نہیں:-

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہو

سلطان حیدر جوش (علیگ)

محبت

سمندر۔ چاند۔ تارے۔ عشق و الفت کے شرارے تھے — کسی مجنوں کے دل کی چشم حسرت کے نظارے تھے
بگولے ناچتے تھے نجد کی خاک بیاباں میں — محبت مضطرب آتی نظر تھی قلب انساں میں
چمن بیرنگ تھے بیخار تھے تھیں بلبلیں حیراں — خدا کے نور سے تھیں محفلیں عالم کی سب ویراں
یکایک ہوگیا بیخود خدا کے نور کا منظر — ہوا عریاں جہاں میں جلوۂ مستور کا پیکر
ہوا بدلی چمن بدلا۔ گلوں کا پیرہن بدلا — بتوں کے تن میں جان آئی سکوں نے بھی چلن بدلا
پریشاں ہوگئی ہر سو شمیم الفت جاناں — نگاہ ناز کا ہر جلوۂ رنگیں ہوا عریاں
کسی نے تیر کھائے بیدلی میں نیمجاں ہوکر — کوئی ضبط تکلم کر گیا محو فغاں ہوکر
سکوں ناآشنائی میں کوئی جان جہاں نکلا — مئے بزم محبت کا کوئی پیر مغاں نکلا
چمن میں بن سنور کر سب بتان سیم تن آئے — سبھی شیریں دہن آئے سبھی سیمیں ذقن آئے
جنون فتنہ ساماں نے ہر اک طرز کہن بدلا — ادھر جلاد نے خنجر ادھر ہم نے کفن بدلا
گلوں کو دیکھنے آیا کوئی محمل نشیں ہوکر — حسینوں نے قیامت کی تمان مہجبیں ہوکر

شفق کیا ہے کسی مجنوں کا خوں سورج کے ساغر میں
قمر کا داغ کیا ہے چاند سے رخسار دلبر میں

نذر محمد آکوہر سیالکوٹی

"دیکھوں تو موت ڈھونڈھ رہی ہے بہانہ کیا"

ہائے یہ مصرعہ سُنا اور کس سے؟ ایک جوان رعنا سے۔ ایک ناکام زمانہ سے ایک تصویر غم سے۔ ایک مرقع الم سے جو غربت میں بستر علالت پر پڑا امید و بیم کا شکار بنا ہوا ہے جسکی غمخواری سوائے خلوت اور تنہائی کے کوئی کرنیوالا نہیں جسکی بالین پر سوائے یاس اور ناامیدی کے کوئی مجمع نہیں۔ جو خود ہی درد ہے اور خود ہی درماں۔ آخر مایوس ہوکر یہ حسرتناک مصرع زبان پر لاتا ہے۔ اس درد بھری آواز نے تیر کا کام کیا۔ سننے والے نے کلیجہ تھام لیا اور یہ دیکھو وہ پھر آہستہ آہستہ کہہ، ہائے اور اپنے دلی خیالات کا اظہار عجیب وارفتگی اور بیخودی کے عالم میں کر رہا ہے "میں غربت میں۔ کوئی ہمدم وانیس نہیں ہمجلیس نہیں حکیم صاحب توجہ تو بہت کچھ فرماتے ہیں۔ مگر میری قسمت کا کیا کیا جائے کمبخت طبیعت سنبھلتی نظر نہیں آتی۔ درد جگر پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ظالم نے پہلو میں آفت مچا رکھی ہے۔ قیامت برپا کیے ہے، ابتو مجھے کوئی افاقے کی صورت نہیں نظر آتی۔ بس اب دیر کیا ہے۔ تامل کس بات کا ہے۔ موت کیوں نہیں آتی۔ کیا اب بھی کوئی بہانہ ڈھونڈھتی ہے۔ ہاں حکیم صاحب مجھے تسکین اور تسلی کیوں دیتے ہیں تشفی کیوں فرماتے ہیں۔ اُنکے خیال سے میں بہت اچھا ہوں۔ صرف نام کو مرض باقی ہے۔ ہائے کچھ نہیں سمجھا۔ سمجھا بہت ٹھیک رات۔ اب کچھ ہی دیر ہے کہ میں شاہد اجل سے ہم آغوش ہونگا اپنی تمناؤں اور حسرتوں کو گوشۂ قبر میں لے جاؤں گا۔ ہاں۔ ہاں۔ میں نامراد مروں گا نامراد۔ حکیم صاحب غریب معذور ہیں۔ مجبور ہیں۔ اُن کا کوئی قصور نہیں۔ ٹھیک ہے۔ ع

"چوں اجل آید طبیب ابلہ شود"

ماسٹر باسط۔ بسوانی

خواتین اسلام کے علمی کارنامے

کسی قوم کے ارتقاء و تمدّن کا اندازہ کرنے کا یہ بھی ایک بہتر طریقہ ہے کہ اس قوم کی خواتین کی حالت کا اندازہ کیا جائے لیکن موجودہ حالت کی بنا پر اسکا فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ اسلام نے خواتین کو کچھ حقوق بھی دیے ہیں یا نہیں اسلیے ہمکو مجبوراً قرون ماضیہ پر نظر ڈالنی پڑتی ہے کیونکہ زمانۂ حال کی خواتین کو حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کا نمونہ خیال کرنا اسی قدر غلط ہے جسقدر موجودہ طبقۂ رجال کو زمانۂ ماضی کے بہترین اور برگزیدہ افراد کا جانشین سمجھنا۔

ابتداے اسلام میں جس طرح طبقۂ رجال قوم کی ہر مشکل میں کام آتا تھا انھیں کے دوش بدوش عورتیں بھی وہ خدمات انجام دیسکتی تھیں جن کو فطری موانع سے کسی قسم کا لگاؤ نہو' چنانچہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں خواتین اسلام اسیطرح علمی مذہبی اور سیاسی امور میں شریک ہوتی تھیں جس طرح مردوں کو اس قسم کے خدمات انجام دینے ہوتے تھے۔

مثلاً شعر و شاعری کی خدمات زیادہ تر خواتین ہی نے کی۔

اسکی وجہ یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر انتہا درجہ کا ناز تھا' لیکن جب قرآن شریف کے اعجاز نے انکے دعاوی باطل کردیے تو شعراء جاہلیت کی ہمتیں پست ہوگئیں اور شعر و شاعری کا مذاق تقریباً بالکل ختم ہوگیا چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے لبید شاعر سے چند شعروں کی فرمائش کی تو اس نے قرآن کی چند آیتیں لکھکر بھیجدیں جس کا منشا یہ تھا کہ اس فصیح ترین کلام کے بعد پھر شاعری میں کمال پیدا کرنا فضول ہے کیونکہ اس قسم کی فصاحت

پیدا کرنا بالکل محال ہے۔

قدیم طبقۂ شعرا کے علاوہ جو ذہین افراد مسلمانوں میں پیدا ہوے انکی توجہ تمام تر مذہبی علوم کی طرف مبذول تھی۔ اور جو لوگ کچھ شعروشاعری سے بھی شغل رکھتے تھے ان کو کثرت مشاغل اور تنوع خیالات عرب کی بے تکلف شاعری میں کمال حاصل کرنے سے مانع تھے۔

لیکن جب طبقۂ اناث نے دیکھا کہ مرد شعروشاعری کی طرف سے بالکل بے پروا ہوگئے تو انھوں نے خود اس فن کی خدمت کرنی شروع کی حتیٰ کہ حریم نبوی میں ایک پردہ نشین خاتون نے لبید کا سارا دیوان ازبر کر لیا تھا اور فقہ و حدیث کے ساتھ اپنی مجلسوں میں شعروشاعری کا ذکر بھی چھیڑ دیا کرتی تھیں، یہ ہماری برگزیدہ ترین ماں حضرت عائشہ صدیقہؓ تھیں۔

صحابۂ کرام کے بعد ادبی علوم کی خدمت کے لیے مختلف جماعتیں پیدا ہوگئیں جو زیادہ تر خواتین اسلام کی تشویق اور محنتوں کا نتیجہ تھیں چنانچہ خاندان نبوی کی ایک برگزیدہ خاتون سکینہ بنت حسین علیہ السلام شعروشاعری میں تمام معاصرین پر فوقیت رکھتی تھیں آپکے یہاں ایسی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں جس میں مشہور شعرا عرب جمع ہوکر آپ کو اپنے اشعار سناتے تھے لیکن آپ کی عادت بہت زیادہ تحسین کرنے کی نہ تھی اگر آپ کسی شاعر کے ایک شعر کو بھی پسند فرمائیں تو سارے عرب میں وہ شاعر اشعر الشعرا تسلیم کر لیا جاتا تھا[1] آپ ہی کی تشویق کی وجہ سے فن شعر معدوم ہونے سے بچ گیا۔

مشہور مصنف جرجی زیدان بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ خواتین اسلام نے شعروشاعری کی خدمت کی لیکن اسکو مذہبی تعصب کی وجہ سے دوسرے رنگ میں پیش کرتا ہے چنانچہ اپنی کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیہ میں خواتین جاہلیت کی

---

[1] ابن خلکان کتاب الاغانی۔

تعریف کرنے کے لیے ایک خاص باب قائم کیا جس میں زیادہ مسلمان خواتین کو کافر قرار دیا نعوذ باللہ من ذالک اسی باب میں ایک جگہ لکھتا ہے[1]

وهناك جماعة بعضن فی صدر الاسلام وفيهن مناقب الجاهلية كن يعقدن المجالس للمذاكرة فی الشعر وانتقاده	ابتداے اسلام میں خواتین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی تھی جو درحقیقت زیور کفر سے بھی آراستہ تھی

یہ عورتیں مشاعرہ کی مجلسیں قائم کرتی تھیں اور معاصرین کے اشعار پر تنقیدی نظر ڈالتی تھیں۔ اس عبارت کا منشا یہ ہے کہ درحقیقت یہ اسلام کی برکت نہ تھی معلوم نہیں کہ ہمارے مشہور مصنف کو یہ کہاں سے معلوم ہوگیا کہ خواتین کا علمی اور ادبی مجالس منعقد کرنا زمانۂ جاہلیت کی خصوصیت ہے، اور معلوم نہیں وہ کون سے تاریخی واقعات ہیں جنھوں نے فاضل مصنف کو مناقب جاہلیت یعنی زیور کفر کہنے پر مجبور کیا حالانکہ زمانۂ جاہلیت میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلمانوں کی طرح پہلے بھی اسی طرح رجال و خواتین مجتمع ہو کر علمی یا ادبی خدمات انجام دیتی تھیں

اسی زمانہ میں مدینۂ منورہ میں ایک خوبصورت عورت رہا کرتی تھی جس کا نام غالباً عزۃ المیلاء ہے، یہ غریب عورت بھی اپنے مکان میں ایسی مجلسیں منعقد کرتی تھی جس میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے لوگ جمع ہوتے تھے اور ادبی مسائل میں گفتگو کیا کرتے تھے[2] یہ خاتون اپنے وقت کی نہایت خوش مذاق عورت خیال کی جاتی تھی، اس کو عورتوں کے حسن و قبح تمیز کرنے کا بھی خاص ملکہ تھا۔

اسی مقدس زمانہ میں شعر و شاعری کی خدمت کے لیے ایک اور مجلس منعقد ہوا کرتی تھی جس کی صدر عائشہ بنت طلحہ تھیں یہ عائشہ ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیٹی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بھانجی تھیں آپکی مجلس میں

[1] تاریخ الاداب اللغۃ العربیہ جلد ا۔ [2] کتاب الاغانی در ذکر عائشہ بنت طلحہ۔

علاوہ شعر و شاعری کے فقہ و حدیث کا تذکرہ بھی ہوتا تھا، انھوں نے مذہبی تعلیم حضرت عائشہؓ صدیقہ سے حاصل کی تھی۔

زمانۂ اسلام میں جسقدر مشہور شعرا گذرے ہیں وہ سب کے سب عائشہؓ اور سکینہؓ کی مجلسوں کے فیض یافتہ ہیں یا اُن لوگوں کے زلہ ربا ہیں جنھوں نے ان مجلسوں سے فائدہ اُٹھایا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کی شادی اپنے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے کردی تھی جن سے عائشہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اسکا نام عمران رکھا گیا۔ چند دنوں کے بعد میاں بیوی میں شکر رنجی پیدا ہوگئی یہ بی بی ناخوش ہوکر اپنی خالہ عائشہ صدیقہؓ کے یہاں چلی آئیں اُم المومنین کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوی اس لیے سعادت مند بھانجی نے شوہر کی تمام بے عنوانیوں پر سر تسلیم خم کردیا جب عبداللہ کا انتقال ہوگیا تو مصعب بن زبیر سے نکاح کیا۔ ان میاں بیوی میں اتنی محبت تھی جتنی کسی خوش قسمت بیوی اور پاکذات شوہر میں ہونی چاہیے جب عبدالملک کے زمانہ میں مصعب قتل کیے گئے تو انھوں نے اپنا نکاح عمر بن عبداللہ سے کرلیا

ابتدائی صدیوں میں شعر و شاعری کی خدمت کے لیے ایک اور خاتون نے ایک مجلس قائم کررکھی تھی اس خاتون کا نام لیتے ہوے اس لیے ڈر لگتا ہے کہ ہمارے ہندوستانی شعرا نے لیلیٰ عامریہ کو بہت زیادہ بدنام کردیا ہے۔

لیلےٰ عامریہ کے یہاں اکثر ایسی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں صرف بنی عامر کے نوجوان جمع ہوکر اپنے اشعار پڑھتے تھے اور اس سے داد طلب کرتے تھے شہرۂ مجنوں قیس بھی اسی مجلس کا ایک ممتاز رکن تھا۔ اس میں شک نہیں کہ لیلےٰ کو مجنوں سے بہت زیادہ الفت تھی اسی طرح قیس کو بھی لیلےٰ سے کافی اُنس تھا لیکن نہ معقد

جتنا فارسی اور ہندوستانی شعراء نے مشہور کر رکھا ہے۔

بیلئے علاوہ اسکے کہ ادب اور شاعری میں خاص کمال رکھتی تھی تاریخ سے بھی اچھی طرح واقف تھی اسکی مجلسوں میں زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام کے واقعات کا تذکرہ بھی ہوا کرتا تھا۔

پہلی صدی کے بعد شعر و شاعری کی خدمت عورتوں میں سے صرف طبقۂ اِماء ( ) انجام دیتا تھا تاہم شریف خاندانوں سے اس کا رواج بالکل اُٹھا نہیں تھا چنانچہ علم دوست شہزادہ ابراہیم بن مہدی کی بہن خلیفہ مہدی کی بیٹی عُلَیّہ ایک پڑھی لکھی روشن خیال عورت تھی، یہ عورت صاحب باطن اور زاہدہ بھی تھی شعر و شاعری سے اسے خاص لطف تھا[1]

اندلس میں الحاکم دوم کے زمانہ میں تعلیم نسواں کے لیے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم تھا جس سے سیکڑوں عورتیں تعلیم پا کر نکلیں، اس مدرسہ میں مریم نامی ایک معزز خاتون تعلیم کے لیے مامور تھیں۔ مریم کو شعر و شاعری کے ساتھ بھی خاص شوق تھا[2]

جلال ندوی

غزل

ضبط عاشق آزمانا چھوڑ دے — اوبتِ کمسن رولانا چھوڑ دے
دل پہ یوں بجلی گرانا چھوڑ دے — تاک کر دل مسکرانا چھوڑ دے
جلوۂ دیدار کی اُمید ہے — کوئی کیونکر آستانا چھوڑ دے
سیکھتا ہے راستی اس سے بشر — کجروی کیونکر زمانا چھوڑ دے
جب کہا کچھ میں نے وہ کہنے لگے — چھوڑ دے جھوٹا فسانا چھوڑ دے
کیوں جراحت پہ چھڑکتے ہو نمک — زخمیوں کو یوں ہنسانا چھوڑ دے
تجھپہ سب الزام رکھتے ہیں نصیر
کوچۂ جاناں کا جانا چھوڑ دے

نصیر حیدر نصیر

[1] آغانی [2] ڈاکٹر کستلی بان۔

خوفِ رسوائی

مزے کی چیز ہے الفت نہو گر خوفِ رسوائی
دلِ عاشق میں پیدا اس سے ہو جاتی ہے کج رائی

نہو گر خوفِ رسوائی جہاں میں حوصلہ فرسا
تو کوئی ہو نہ خود رفتہ نہ سرگشتہ نہ سودائی

ہمیشہ سے رہا ہے دشمنِ اہلِ تمنا یہ
تعجب ہے حسینوں سے بھی اس نے کی چھنوائی

اسی کے سر ہے خونِ آرزو ناکامِ الفت کا
اسی نے بیگناہوں سے لیا عہدِ شکیبائی

کسی کے قلب میں رہتا ہے یہ ضبطِ فغاں ہو کر
حیا بنکر کسی دل میں ہے اسکی جلوہ آرائی

کسی کے دل میں عبِ حسن بنکر یہ سمایا ہے
کسی دل میں ادائے حسن کی صورت جگہ پائی

یہی ظالم ہوا ہے مانعِ اظہارِ حالِ دل
زبانِ شوق سے کی سلب اسی نے تابِ گویائی

کبھی رحم اسکو آیا ہی نہیں حسرت نصیبوں پر
کسی کو راہِ صحرا اور کسی کو قبر دکھلائی

دہانِ عرضِ مطلب پر بنا یہ مُہرِ خاموشی
زبانِ مدعا کو بے زبانی اس نے سکھلائی

بتایا چپکے چپکے اس نے رونا بسترِ غم پر
طبیعت جب سکون و صبر سے عاشق کی گھبرائی

کبھی ہمت جو ٹوٹی ضبطِ غم سے قلبِ مضطر کی
بڑھایا حوصلہ اور داستانِ قیس دُہرائی

کیا کچھ اس طرح پامال ذوقِ کامیابی کو
کہ پھر کوئی دلِ آشفتہ کی حسرت نہ برآئی

مٹایا صفحۂ ہستی سے ایسا نوجوانوں کو
کہ جن میں شانِ خودداری رہی باقی نہ رعنائی

تہ و بالا کیا کچھ اس طرح زہرۂ شادی کو
مسرت پھر نہ بھولے سے کبھی انکی طرف آئی

اسی نے منزلِ مقصود سے ناکام بھی رکھا
یہی پھر بنگیا گردش نصیبوں کا تماشائی

ہماری طرح اکثر بیکسی میں نامرادوں نے
درِ بتخانہ و کعبہ پہ کی ہے ناصیہ سائی

غرض کرتا رہا مجبور مشتاقوں کو یہ لیکن
کسی محبوب کے منہ سے نقاب اس نے نہ سرکائی

نہو گر ننگِ بدنامی دلِ اہلِ محبت میں
سرِ بازارِ حسن و عشق کی ہو کارفرمائی

نہ دے جان اپنی کوئی ہجر کے صدمے سے تنگ آکر گوارا بھی نہ ہو مرقد کی ظلمت اور تنہائی
کوئی آمادۂ کوسے تمنا ہو نہ دنیا میں نہ پھر صحرا نوردی ہو نہ پھر ہو آبلہ پائی
نہ ہو پھر کچھ شکستہ حالی و زودیِ پریشانی نہ دل میں داغ حسرت ہو نہ شوقِ جاہ و [illegible]
نہ کڑھنا رات دن کا اور نہ ہو ہر دم کی خاموشی نہ مایوسی، نہ مجبوری، نہ ناکامی، نہ تنہائی
جگر کا خون پانی ہو، نہ چشمِ تر رہے جاری نہ مٹنے پائے حسنِ صورت و شکلِ ہیولائی
مرض بڑھنے نہ پائے اشتیاقِ دیدِ جاناں کا دکھائیں حسن اور عشق اپنی اپنی وہ مسیحائی
کچھ ایسا انقلاب آیا ہے اس دنیائے الفت میں کہ حسنِ دلربا سے عشقِ دلکش کو ہو ہمتائی
حسینانِ جہاں خاطر کریں عاشق مزاجوں کی ہماری بھی ہو "بزمِ ناز" میں پھر عزت افزائی
حکومت اور دولت کچھ نہ ہو محوی مگر پھر بھی دکھائیں عشق کی اقلیم میں ہم شانِ دارائی
بجائے سوزِ غم دل میں وفورِ شادمانی ہو ہماری "بزمِ عشرت" کا فلک بھی ہو تماشائی

تمنائیں دلِ مشتاق کی ساری نکل جائیں
مآلِ کارِ ضبطِ شوقِ پنہاں ہو نہ "رسوائی"

محوی لکھنوی

تصحیح

ہمیں سخت افسوس ہے کہ گذشتہ نمبر میں جناب عزیز صاحب کی نظم (شاعری) میں چند غلطیاں کاتب سے ہوگئیں جن کی ناظرین اس طرح صحت فرمائیں۔

نمبر شعر	غلط	صحیح
۹	شعلہ پانی میں	شعلہ پاتی ہیں
۷ پہلا مصرع	تعبیر طولانی ہیں	تفسیر طولانی ہے
۷ دوسرا مصرع	ہیں	ہے
۱۷	خرمن غفلت پہ گرتی ہیں یہ بنکر اشتعال	خرمن غفلت پہ گرتی ہے یہ برقِ اشتعال
۲۸	دلکشا منظر نسیم صبح نورانی سحر	نورانیِ سحر
۳۷	نفس معنی خیز	نقش معنی خیز

فلسفہ طبیعہ

فلسفہ طبیعہ جس کا غلغلہ بچہ بچہ تک کے کانوں میں گونج رہا ہے، زبان اُردو ابتک اس مفید علم سے محروم ہے اگرچہ اسکے بعض مضامین کو اُردو کے علمی رسالوں میں کبھی کبھی جگہ دیدی جاتی ہے مگر وہ اسقدر کم کہ ان کا شمار نفی ہی میں ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اُردو داں طبقہ فلسفہ طبیعہ کی تحقیقات سے معتد بہ فائدہ حاصل نہیں کرتا، حالانکہ زمانہ کی ضرورت ہمیں اس فن کی طرف توجہ کرنے کے لیے سخت مجبور کر رہی ہے، اگر اسکی مستقل تالیف وتصنیف کے لیے سردست وسائل مفقود ہیں تو کم از کم اسکے نقل وتراجم کا ایک باب کھولدینا چنداں دشوار نہیں ہے، اور یہ خدمت وہ لوگ نہایت آسانی کے ساتھ انجام دیسکتے ہیں جنھوں نے اس علم کو خاص طور سے حاصل کیا ہے اور اردو زبان کے ساتھ ساتھ کسی ایک مغربی زباں میں بھی کامل مہارت رکھتے ہیں اسی ضرورت کی بنا پر میں نے اس عنوان پر قلم اُٹھانے کا ارادہ کیا ہے اگرچہ اسوقت ہمیں کسی مغربی زبان سے مدد نہیں مل سکتی تاہم اس فن کی ایک کتاب ہمارے پیش نظر ہے جو عربی میں ایک مغربی زبان سے ترجمہ کی گئی ہے اگر ناظرین نے اس مضمون سے دلچسپی لی تو آئندہ اس عنوان پر کچھ لکھنے کی جرأت ہوگی :

چونکہ فلسفہ طبیعہ کے اکثر مسائل اور تجربات آلات کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے اس لیے اس مضمون میں اُن ہی باتوں کا تذکرہ ہوگا جو ذرا سے تامل کے بعد بآسانی سمجھ میں آجائیں گی :

فلسفہ طبیعہ کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ جسمیں مادہ کے طبیعی تغیرات سے

بحث کی جائے، اس میں دو لفظ قابل تشریح ہیں۔ مادہ اور طبعی تغیرات۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس علم میں مادہ کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے کیونکہ مادے ہی پر اسکا تمام دار و مدار ہے اور اُسی کے اوصاف و خواص کی رو سے اُسکے قوانین مرتب کیے گئے ہیں۔

لیکن سخت تعجب ہے کہ ابتک اس علم کے ماہرین کا مادہ کی تعریف میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا اور اختلافات کی گرم بازاری ہنوز موجود ہے ایک گروہ نے یہ تعریف کی کہ "مادہ وہ ہے جسے ہم اپنے حواس سے محسوس کرتے ہیں" لیکن اس تعریف میں رنگ، بُو، مزہ، حرارت وغیرہ بھی جن کا احساس کسی نہ کسی قوت حاسہ سے ضرور ہوتا ہے مادہ میں داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ فلسفۂ طبیعہ کے علمائنے اُنکو مادہ تسلیم نہیں کیا ہے اس اعتراض سے بچنے کے لیے دوسرے گروہ نے اُسکی یہ تعریف کی کہ جس میں وزن ہو مگر یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ وزن کشش ارضی کا نتیجہ ہے اور جس مقام پر کشش ارضی ہر طرف سے برابر ہے مثلاً مرکز زمین وہاں وزن کسی کا نہیں ہوتا، الغرض ابتک مادہ کی کوئی صحیح تعریف نہیں کی گئی ہے، البتہ اسکے سمجھانے کے لیے یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ چیز جو مختلف شکل و صورت کی تبدیلیوں کے بعد نامی چیز کہی جاسکے مادہ ہے، مثلاً اگر لکڑی جلائی جائے تو گو وہ جل جائے گی مگر مادہ ایک دوسری شکل کوئلہ میں باقی رہتا ہے اور اگر کوئلوں کو بھی جلا کر خاک کردیں تو وہ معدوم ہو جائیں گے مگر مادہ پھر بھی ایک تیسری شکل راکھ میں باقی رہے گا۔

مادہ کے متعلق یہ تحقیق کی گئی ہے کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہے جنکو دقائق کہتے ہیں اور یہ دقائق بھی چند ناقابل تقسیم جزوں سے مرکب ہیں جنکو جواہر کہتے ہیں مثلاً پانی چند دقائق سے مرکب ہے اور ہر دقیقہ کی ترکیب دو جوہر کل سے ہوی ہے ایک آکسیجن دوسرا ہیڈروجن

مادہ میں دو قسم کے صفات مانے جاتے ہیں عام اور خاص عام صفات سے

یہ مقصد ہے کہ وہ تمام مادی اشیا میں مشترک طور سے پائے جاتے ہیں اور خاص صفات کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاص خاص اشیا کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً سونا جسمیں وزن اور لون ذہبی دو صفتیں پائی جاتی ہیں' وزن عام صفت ہے جو کسی خاص شے کے ساتھ مخصوص نہیں' لون ذہبی (سونے کا رنگ) خاص صفت ہے جس سے صرف سونا متصف ہوتا ہے' اور باقی اشیا اس وصف سے خالی ہوتی ہیں' یا مثلاً شیشہ جس میں شکل اور سریع الانکسار یہ دو وصف پائے جاتے ہیں شکل شیشہ کے ساتھ مخصوص نہیں' اسلیے وہ صفت عام ہے اور سریع الانکسار ہونے کی صفت عام چیزوں میں نہیں پائی جاتی اس لیے وہ صفت خاص ہے'

مادہ میں دو نوع کے تغیر ہوتے ہیں طبعی اور کیمیاوی' تغیر طبعی مادہ کے عام صفات میں لاحق ہوتا ہے اور تغیر کیمیاوی خاص صفات میں'

مذکورۂ بالا بیان سے مادہ کے عام وخاص صفات کا اجمالی خاکہ ذہن میں آگیا ہوگا اب ہم اسکے عام صفات کا کسی قدر تفصیلی حصہ بیان کردینا مناسب سمجھتے ہیں' مادہ کے مشہور عام صفات حسب ذیل ہیں'

۱ امتداد' یعنی ہر چیز کسی نہ کسی جگہ اور مکان میں ضرور ہوتی ہے'

۲ عدم تداخل' اسکے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی چیز کسی جگہ میں ہو تو اسوقت دوسری چیز اسمیں نہیں سما سکتی مثلاً ایک میز پر کوئی کتاب رکھی ہوئی ہو اس وقت کوئی دوسری چیز اتنی جگہ میں جسکو وہ کتاب گھیرے ہوئے ہے نہیں رکھی جا سکتی' تا وقتیکہ وہ اس مقام سے ہٹا نہ دی جائے' یا مثلاً کسی تنگ منھ کی بوتل میں پانی بھرا جائے تو چونکہ بوتل ہوا سے بھری ہوتی ہے' اسلیے اسکی ہوا پانی بھرنے کے ساتھ بلبلوں کی شکل میں نکلتے ہوے جگہ خالی کرتی جائے گی ورنہ ہوا خارج کیے بغیر بوتل میں پانی بھرنا غیر ممکن ہے'

تجزیٔ: اسکا یہ مقصد ہے کہ ہر جسم گو کتنا ہی چھوٹا ہو قابلِ انقسام ہے مثلاً ایک تولہ جوہر کچلہ ۰۰۰۰۵۷۱ تولہ پانی میں ملا دیا جائے جب بھی اُسکی تلخی باقی رہتی ہے جسکو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مقدار مذکور ۰۰۰۰۵۷۱ تولہ پانی میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

مسامیت: اسکا یہ مطلب ہے کہ ہر جسم میں خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے مسامات ہیں، جسکا سبب یہ ہے کہ جسم کے اجزاء میں کامل التصاق نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں چھوٹی چھوٹی کشادگیاں باقی رہتی ہیں، ذیل کے تجربات سے اس کا قطعی ثبوت ہوتا ہے:

(۱) پانی میں جب تھوڑا تھوڑا نمک ملایا جائے تو پانی کا حجم نہیں بڑھتا اگر اسکے بعد شکر بھی ملائی جائے جب بھی حجم نہ بڑھے گا اور یہ اس لیے کہ پانی کے اجزاء میں کشادگی ہوتی ہے جس میں نمک سما جاتا ہے اور نمک کے اجزاء میں بھی شکر کے اجزاء کے لینے کی وسعت باقی رہتی ہے

(۲) ستر ہویں صدی عیسوی میں اٹلی میں سونے کا ایک مجوف کرہ بنا کر اسکے اندر پانی بھرا گیا پھر اس پہ ہر طرف سے یکساں دباؤ ڈالا گیا تو پانی اس طلائی کرہ سے رسنے لگا حالانکہ سونا تمام دھاتوں سے زیادہ متصل الاجزاء ہے مگر اس تجربہ سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مسامات سے خالی نہیں۔

(۳) اگر راکھ کے ڈھیر میں آگ کا انگارہ دبا دیا جائے تو وہ ٹھنڈا نہ ہوگا جسکی وجہ ہے کہ راکھ میں مسامات ہوتے ہیں جنکی راہ سے اتنی ہوا پہنچ جاتی ہے جو انگارہ کو مشتعل رکھ سکے۔

(۴) کسی برتن میں کوئی گیس بھری ہو تو اس میں دوسری گیس کے سمانے کی بھی وسعت باقی رہتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ گیس میں ہر چیز سے زیادہ مسامیت ہے۔

استمرار اسکا مفہوم یہ ہے کہ مادہ ہمیشہ ایک حالت حرکت یا سکون پر رہتا ہے تاوقتیکہ کوئی طاقت اسے متحرک نہ بنا دے وہ متحرک نہیں ہوتا اور ساکن نہ کرے تو ساکن بھی نہیں ہوتا اگر کوئی ڈھیلہ اوپر پھینکا جاے تو اسے ہمیشہ متحرک رہنا چاہیے لیکن چونکہ قوت متحرکہ ختم ہو جاتی ہے اسلیے زمین کی کشش اسے پھر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے -

بقا[1]، اس سے یہ غرض ہے کہ مادہ کو فنا نہیں صرف صورتیں و حالات تبدیل ہوتے ہیں کوئی مکان جل جاتا ہے اور خاک کا ڈھیر رہ جاتا ہے تو مادہ فنا نہیں ہوتا بلکہ اسکے جواہر خاکستر میں باقی رہتے ہیں یا کچھ دھوئیں کے ساتھ اوپر چڑھ جاتے ہیں،

انضغاط، یعنی اجسام کے سامات دباؤ کے ذریعہ تنگ کیے جا سکتے ہیں ٹھوس اجسام پر زیادہ دباؤ کی ضرورت ہے، سائیلات بمشکل دب سکتے ہیں ہوائی چیزیں سب سے زیادہ دب سکتی ہیں،

احمد اللہ

---

[1] بقا کا مسئلہ اگرچہ اکثر جدید علماء نے تسلیم کر لیا ہے مگر یہ ایک نظری مسئلہ ہے جس کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، ڈاکٹر گستاولی بان نے اس عنوان پر نہایت زور کے ساتھ قلم اُٹھایا ہے اور اس کو فانی ثابت کیا ہے، اسی طرح اور بھی چند باتیں ہیں جن کو ارباب فلسفہ جدیدہ نے ضرورۃً تسلیم کیا ہے ورنہ اُن پر یقین لانے کی کوئی صورت نہیں ہے - مثلاً رائے جوہری کے متعلق اسی کتاب میں یہ الفاظ ہیں، وھذا الجواھر لم یرھا احد ولا برھان قطعی علی وجودھا ولکنھا اقوافق العلوم ولا سیما علم الکیمیا،

شہید ناز کی فاتحہ

اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں گذرے۔عشق و محبت کا ایک تڑپا دینے والا منظر ہے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ سانحہ لفظاً بلفظاً حقیقت سے مملو ہے مگر ہاں بہت کم ایسے واقعات میں اسقدر سچائی ہوگی جتنی اس میں ہے۔ اول تو قدرتی طور پر پلاٹ ہی موثر ہے۔ دوسرے جذبات کی رنگ آمیزی نے ایک قسم کی شوخی پیدا کردی ہے۔ امید ہے کہ ادب لطیف کے دلدادہ اسے شوق کی آنکھوں سے مطالعہ فرمائیں گے۔ مقرب دہلوی

چشم و ابرو کے شہیدوں کی دلا دیجیے نیاز تیر کے ٹکڑوں پہ ٹوٹی ہوی تلواروں پر

پیہم ناکامیوں اور متواتر دشواریوں کا کبتک مقابلہ کروں۔ آخر انسان ہوں ایک کے مقابلے کے لیے ایک ہی ہونا چاہیے۔ اور اب تو انسان بھی نہ رہا۔ محبت کی کالی گھٹا نے میرے فرائض کی روشن سطح مستور کردی ہے۔ آہ۔ محبت تیرا برا ہو ساری عمر میں آج پہلا موقع ہوا ہے کہ میں نے اپنی والدہ کے شفقانہ جذبات کو استغنا کی کند چھری سے ذبح کرڈالا۔ وہ کس وفور الفت میں میری بلائیں لینے آگے بڑھیں تھیں گویا معلوم کرنا چاہتی تھیں کہ اصغر تیرا حال دن بہ دن کیوں غیر ہوتا جاتا ہے آہ او عفریت محبت خدا تجھے غارت کرے تو اسوقت ایسا سر پر سوار تھا کہ میں نے جھنجھلا کر انھیں پرے ہٹادیا قبل اسکے کہ وہ میرے اس جنونانہ فعل پر نفرین کے بجاے ترحم کریں۔ میں تڑپ کر گھر سے باہر تھا اور وہ رو تی رہ گئیں۔ آہ یہ وہ جرم ہے جو ناقابل معافی ہے اور اسکا مرتکب میں نہیں ہوں کسی کی محبت ہے۔ قیامت میں اگر داور محشر نے اس گناہ کبیرہ کی سزا میں فرد جرم

قائم کردی۔ تو قسم ہے تیری محبت کی تیرا دامن پکڑ لوں گا۔ اُف اُف تیرے عشق نے والدہ کا احترام بھی نسیاً منسیاً کردیا جبکے متعلق لوگ کہتے ہیں ع

تحتِ قدمِ والدہ فردوس بریں ہے

مَیں کہ جو والدہ کی فرمانبرداری کو اپنی سعادت سمجھتا تھا اُنکی دلجوئی کے لیے ہمہ وقت حاضر خدمت رہتا تھا اُن کے ہر معمولی حکم پر فوراً اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ آج تیری بدولت اُن کی شان میں گستاخی۔ کیا تیری چاہت مجھے دنیا سے کھوکر اب دین سے بھی کھونا چاہتی ہے لیکن یاد رکھ ایسا نہیں ہوسکتا" نہیں ہوسکتا" کیا خوب ہوچکا اور پھر کہہ رہا ہوں نہیں ہوسکتا۔ شیخ صنعا جیسے متقی کے قدم جب ڈگمگا گئے تو مجھ جیسے آوارہ ناکارہ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ خیر جو کچھ ہونا تھا ہوچکا اب آیندہ کے لیے زندگی کی کشمکش کا فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ لیکن قبل اسکے کہ فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کروں ایک بار اور اس غارت گردین وایمان سے مل لوں۔

جب یہ دردناک منصوبہ اصغر میاں اپنے ذہن میں گانٹھ چکے تو اُن پھول سے رخساروں پر جو غم والم کی بادِ سموم سے مرجھا گئے تھے ترو تازگی آگئی۔ نقاہت و لاغری کی وجہ سے جو گڈھے پڑ گئے تھے کسی نہ کسی مسرت کے ساتھ بھر آئے۔ چاند سی جبین جو بحقیقت کندن کی طرح چمکنے والی ایک سونے کی چھوٹی سی تختی تھی جسے آتشِ عشق کے تاؤ نے بالکل سیاہ کر رکھا تھا دفعتہً ایسی چمکی کہ معشرستانِ تجلی کا ایک محوحیرت نظارہ بن گئی اس ایک دن کے تعجب خیز انقلاب نے صغریٰ کی ماں کو از سرِ نو زندگی بخش دی۔ آہ کسے خبر تھی کہ نگارخانۂ ہستی کی یہ دلفریب صورت بہت جلد مٹنے والی ہے کاش کوئی کہہ دیتا کہ بیمار ہجر نے سنبھالا لیا ہے چراغِ صبح جب بجھنے کو ہوتا ہے تو وہ معمولی روشنی سے زیادہ روشن ہوجاتا ہے مگر اُسکی عمر ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اصغر کی بیماری کا علم تمام عزیزوں کو معلوم تھا اور اسکے دفعیہ کے لیے بہت کچھ کوشش کی گئی لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ اصغر کی معشوقہ اُسکے چچا کی لڑکی سلطان جہاں بیگم تھی اور اصغر کے چچا اصغر کے ساتھ اپنی لڑکی منسوب کر دینے میں کسی طرح رضامند نہ تھے اور یہ نارضامندی کچھ اس وجہ سے نہ تھی کہ اصغر کی قابلیت اُن کی نظروں میں نہ جچی ہو بلکہ اسکے عشق کا راز طشت از بام ہو چکا تھا۔ پہلے پہل تو اصغر بلا روک ٹوک گھر میں آیا جایا کرتا تھا اور اب مجال نہ تھی کہ اُسکا سایہ یا پرچھائیں تک تو دیواروں پر پھر جائے۔ ایسی حالت میں اصغر کا سلطان جہاں سے ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

اب اصغر کے سامنے صرف ایک خیال تھا اور وہ خام تھا ایک اُمید تھی اور وہ موہوم تھی ایک کوشش تھی جسکے کارگر ہونے میں بہت کچھ برگشتہ بختی کو دخل تھا وصل کے سینکڑوں پہلو سمجھ میں آئے لیکن وہ حباب کی طرح سطح آب پر چند سیکنڈ ٹھہر کر غائب ہو گئے گو اصغر کو ناکامیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ لیکن وہ اس معاملے میں بددل نہوا اور اُسکی جستجو کے تار برابر دوڑتے رہے۔

اندھیری راتیں جب گھٹا ٹوپ ہوکر چھا جاتی ہیں اور مہیب صحراجب خوفناک تاریکی میں گم کردہ منزل ہوجاتا ہے ہوا کے غیر معمولی جھکڑ جب سائیں سائیں کرتے ہوے گذرتے ہیں تو ہستیِ گل کے سامنے جسکی قوتِ کار کبھی تھکتی نہیں جس کے استقلال میں کبھی فرق نہیں آتا۔ خدا کا دستِ شفقت جگنو کی چمک بنکر رہبری کرتا ہے یقیناً ناکامیاں ہی کامیابی کی معراج ہیں۔ کون جان سکتا ہے کہ بے سودی میں بہبودی مضمر ہوا کرتی ہے۔ سطحی خیال کے لوگ کبھی باور نہ کرینگے کہ اصغر کو اس کشاکش امید و بیم سے رہائی مل گئی اور وہ ایک ایسے موقع پر آگیا جو اُسکی اُمیدکا

سرچشمہ اور ادائے مقاصد کی کلید تھا۔ یعنی سلطان جہاں کا کمسن بھائی یامین اصغر سے بہت مانوس تھا اُس نے جو اصغر کو اس ہجوم غم و یاس میں سرنگوں دیکھا تو بہت الحاح کے ساتھ سبب دریافت کرنے لگا۔ اصغر نے ہیترا چاہا کہ اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر ٹالدوں۔ مگر وہ لڑکا کچھ اس طرح پیچھے جھاڑ کر لپٹا کہ بے اختیار اصغر کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ؎

بزم میں رونے لگے یاروں کے سمجھانے سے
راز دل چھپ نہ سکا اشکوں کے بھر آنے سے

یامین بیقرار ہو کر۔ ہائیں ہائیں بھائی جان کیا ہوا۔ روتے کیوں ہو

اصغر۔ جاؤ مجھے میرے حال پر چھوڑدو اپنی قسمت پر روتا ہوں

یامین۔ نہیں میں نہ مانوں گا آپ کو بتانا ہوگا۔

اصغر۔ خدا کے لیے مجھے دق نہ کرو چلے جاؤ۔

یامین۔ ہرگز نہیں میں دریافت کر کے رہوں گا۔

اصغر۔ بعض وقت تمھاری ضدیں بہت ہی بیجا ہوتی ہیں۔ موقع اور وقت دیکھا کرو یہ ہٹ کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھو آہ اصغر تو ہمیشہ سے تمھارا ناز بردار ہے۔

یامین۔ ہاتھ جوڑ کر۔ خدا کے لیے بتادو میں آپ کو ایک لمحہ کے لیے غمگین نہیں دیکھ سکتا

اصغر۔ آہ تم سے میرا کام بن جاتا تو رونا ہی کاہے کو تھا۔ لیکن ایک

یامین۔ ہاں ہاں فرمائیے۔

اصغر۔ بہت معمولی کام ہے اگر کردو گے تو احسان ہوگا ورنہ کوئی شکایت نہیں۔

یامین۔ لاحول ولا آپ تو مایوس ہوئے جاتے ہیں میں قسم کھاتا ہوں اگر میری جان بھی آپ کے کام آجائے تو مجھے عذر نہ ہوگا۔

اصغر۔ مگر وہ ایک خط ہے .... یہ کسی طرح ...... سلطان جہاں کو ....

دیدو...... اور...... جواب لادو مگر نہایت ہوشیاری اور رازداری کے ساتھ

یامین- لائیے اور مجھپر بھروسہ رکھیے۔

اصغر نے ایک خط یامین کے حوالے کیا اور چلتے ہوئے کہا ع جانا بجلی کی طرح آنا نظر کی صورت۔ یامین نے بہت ہوشیاری کے ساتھ خط کو کوٹ کی چور جیب میں رکھا اور آناً فاناً نظروں سے غائب ہو گیا گھر پہنچا اور اطمینان کے ساتھ ادھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ اتفاق سے سلطان جہاں اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اس نے جاتے ہی وہ خط اُسکے حوالے کیا اور کہا اسکا جواب اسی وقت دیدو پہلے تو سلطان جہاں اس خط کو لیتے ہوئے ڈری لیکن یامین نے بہت جلد اطمینان کر دیا کہ میں تمھارا دشمن نہیں ہوں بلکہ دوست ہوں خط کو لیکر پڑھا لکھا تھا- میرے دل کی ملکہ خدا تمھیں سلامت رکھے- چچا جان چاہتے ہیں کہ میں دنیا سے نامراد اُٹھ جاؤں میری خواہش کو انھوں نے ٹھوکروں سے ٹھکرا دیا لیکن میں اُن کی تمنا کا سچے دل سے استقبال کرتا ہوں- میری نہیں تو خیر اُن کی آرزو پوری ہو جائے موقع دو کہ ایک بار تم سے مل لوں اور تمھاری پیاری پیاری صورت دیکھ لوں فقط والسلام

تمھارا فدائی "اصغر"

خط پڑھتے ہی سلطان جہاں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی- اور آنکھوں کے سامنے ایک تاریک غبار سا پھیل گیا- ترمرے سے اڑنے لگے- سر پکڑ کر بیٹھ گئی- ہاتھ کپکپا گئے اور خط چھوٹ کر گر پڑا- یامین نے سنبھالا اور کہا آپ کیا کرتی ہو کسی کو خبر ہو جائے گی تو میری تمھاری دونوں کی آفت آ جائیگی- جلدی جواب دو بھائی انتظار میں ہونگے- غرض سلطان جہاں نے تڑپتے تڑپتے اسی حالت میں حسب ذیل جواب لکھا...... پیارے اصغر

یہ کس خوفناک ارادے پر آمادہ ہو گئے- خودکشی حرام موت ہے- خبردار کبھی

ایسا نہ کرنا اور اگر ایسا کیا تو سمجھ لینا کہ ایک اور خون اپنے ذمہ لے چلے ہو۔ سلطان جہاں تمہارے بعد دنیا میں نہیں رہ سکتی عشق میں سوائے تکلیف کے راحت نہیں ہوتی۔ ابھی سے گھبرا گئے یہ تو پہلی منزل ہے دیوانے بنے ہو تو کڑیاں جھیلنے کے خوگر بنو مجرم عشق ہو تو محبت کی ہتھکڑی کو زیور سمجھکر پہنو۔ کسی نے خوب کہا ہے

؎
کڑیاں وہی جھیلیں گے جو دیوانے بنیں گے
زنجیریں لوہے کے چنے دانے نہیں گے

بس صبر و شکر کے ساتھ بیٹھے رہو اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ فی الحال تمہیں یہاں بلانے کا کوئی موقع نہیں دو ایک روز میں شاید کوئی موقع نکل آئے تو اطلاع دوں گی خادمہ سلطان جہاں۔

یہ خط لکھکر ماما کے حوالے کیا اور اصغر والا خط اپنے واسکٹ کی جیب میں رکھ لیا چونکہ سلطان جہاں کی طبیعت خط پڑھتے ہی بگڑ گئی تھی اس لیے واسکٹ اُتار کر کھونٹی پر لٹکا دی اور خود پلنگ پر لیٹ گئی۔ ہزارہا قسم کے خیال اپنی بھیانک صورتوں میں اُس کے سامنے آنے لگے سلطان جہاں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ تکان اور خستگی بھی تھی۔ غنودگی آ گئی۔ اور آنکھ لگ گئی۔

خاموش کمرہ واقعات مستقبل کا بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہا تھا۔ آسمان جور پر تُلا ہوا تھا قسمت ان کی مسرت سے روٹھ چکی تھی۔ سلطان جہاں کا طالع سیاہ خوابیدہ تھا۔ آہ زمانہ اُنھیں پر ظلم توڑتا ہے جو فلک کے ستائے ہوئے ہوتے ہیں۔ مرتے کو مارتا خدا جانے کہاں کا انصاف ہے یہ نئی بیداد دیکھیے کہ سلطان جہاں کا بڑا بھائی "معین" کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ بہن کو سوتا پاکر چاہتا ہے کہ پلٹ جاؤں لیکن بد قسمت بہن کی سیہ بختی پھر اُسے کمرے میں ٹھہرنے کی اجازت دیتی ہے۔ وہ ایک سادہ کاغذ کی دھن میں ادھر اُدھر پھرتا ہے

الماری کو ٹٹولتا ہے کتاب کے اوراق کو اُلٹتا ہے کہ شاید سادہ کاغذ مل جائے لیکن نہیں ملتا واسکٹ کی جیب پر نظر پڑتی ہے کاغذ کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا نظر آتا ہے اُسے نکالتا ہے تو وہ خط ہے اور خط بھی اصغر کا۔ پڑھنے کے بعد غصّے سے دانت پیسنے لگتا ہے لیکن خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکلکر سیدھا والد کے پاس پہنچتا ہے اور وہ خط ان کی میز پر رکھدیتا ہے اور کہتا ہے ابا جان دیکھیے اصغر ابھی تک اپنی واہیات حرکتوں سے باز نہیں آتا معین کے والد خط لیے ہوے سیدھے زنانخانے میں آتے ہیں اور تقاضا ہوتا ہے کہ سلطان جہاں کو بلاؤ ایک ماما دوڑ کر جاتی ہے یہاں آکر دیکھتی ہے تو سلطان جہاں محو خواب ہے

ماما - حضور اُٹھیے۔

سلطان جہاں - چونک کر - کیا ہے۔

ماما - آپ کے والد بلاتے ہیں۔

سلطان جہاں - ناشدنی یہ کون سا وقت بلانے کا ہے ذرا کی ذرا آنکھ لگی تھی اور تو نے جگادیا۔

ماما - بیوی میرا کیا قصور جیسا حکم ہوا بجالائی۔

سلطان جہاں - اچھا چل میں آتی ہوں۔

یہ سُنکر ماما چلی گئی اور سلطان جہاں نے اُٹھکر مُنھ ہاتھ دھویا - بال جو سونے میں بکھر گئے تھے سنوارے - چونکہ اصغر کا خیال ہر لمحہ ہر گھڑی پیش نظر رہتا تھا - یکایک اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اصغر سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے ؎

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام

چونکہ شعر کا القا دل ہی ہوا تھا لہذا وہ دل ہی میں ؎

تم سنوارا کرو بیٹھے ہوے گیسو اپنا

اسکا جواب دینے لگی۔ خیر میری بے خبری کا تو خدا کو علم ہے یا تمھارا دل جانتا ہوگا اللہ علیم ہے کہ کس بےچینی کے ساتھ زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ یہ اُسی خیال میں کنگھی چوٹی کر رہی تھی کہ ماما پھر آئی اور کہنے لگی حضور چلیے بہت دیر سے انتظار ہو رہا ہے۔ اس نے چلا کر کہا۔ قطامہ بتاتی نہیں کیا کام ہے۔ بلایا ہے بلایا ہے آخر ہے کیا کوئی میرے لیے سولی تیار ہے۔ یہ ڈانٹ کھا کر ماما تو بالکل خاموش ہوگئی اور اس نے کسی قدر عجلت کے ساتھ سنگاردان کو بالائے طاق رکھا ایک ململ کا سادہ دوپٹہ سر پر اوڑھا اور جھٹ پٹ اُس کمرے میں پہنچ گئی جہاں اسکی والدہ اور والد بیٹھے ہوئے تھے اس نے جھک کر بہت ہی شرمیلی ادا کے ساتھ سلام کیا۔ سلطان جہاں کے والد مسٹر اکرام اللہ خاں غصے میں بھرے بیٹھے تھے آج اُنھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر یہ اصغر کی محبت سے باز نہ آئے گی تو جان سے مار دوں گا۔ لیکن سچ ہے جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے حُسن سفارشی ہوگیا مدبھرا جوبن اور رسیلی انکھیاں شفاعت کرنے لگیں کہ ہمیں برباد کر کے کیا لوگے۔ بس اتنا کافی تھا۔ محبت پدری آڑے آگئی اور سارا غصہ رفوچکر ہو گیا لیکن پھر بھی کڑے تیور بنا کر اکرام اللہ خاں بولے۔ میں نے اس لیے تمھیں بلایا ہے کہ جو کچھ دریافت کروں اسکا شافی جواب دو۔

سلطان جہاں۔ ابا جان آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں جس بات کا مجھے علم ہوگا فوراً عرض کروں گی۔

اکرام اللہ خاں۔ کیا اصغر سے تمھاری خط و کتابت ہوتی ہے

سلطان جہاں۔ ہرگز نہیں۔

اکرام اللہ خاں۔ تمھیں معلوم ہے جھوٹ سے مجھے کسقدر نفرت ہے بالکل سچ بتاؤ

سلطان جہاں۔ میں حیران ہوں اپنی سچائی میں کیا عرض کروں۔

اکرام اللہ خاں۔ خط نکال کر۔ مُردار تیری کذب بیانی کی یہ دلیل ہے دیکھ گریبان میں منہ ڈال۔

سلطان جہاں۔ میری عقل کام نہیں کرتی یہ خط میرا نہیں ہے نہ اس سے قبل میں نے دیکھا۔

اکرام اللہ خان۔ تو نے وہ مثل صادق کردی ع دروغ گو یم برروے تو۔ خیر ابھی تو میرے پاس ثبوت میں اور بھی کچھ مصالحہ ہے۔ ایک مسودہ نکال کر۔ دیکھ یہ اسکا جواب ہے اور کیا یہ تیرے ہی ہاتھ کا ہے۔

سلطان جہاں اب اپنی بناوٹی بات پر پانی پانی ہو گئی اب اُسکے پاس کچھ بھی جواب نہ تھا وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ یہ خط انہیں کیسے مل گیا اور اُس وقت کو کوس رہی تھی کہ میں نے پڑھتے ہی کیوں نہ چاک کردیا ادھر اکرام اللہ خان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں جواب نہ پاکر چاہتے تھے کہ مارنے کو اُٹھیں کہ سلطان جہاں کی والدہ نے یہ کہہ کے روک لیا جوان بیٹی پر ہاتھ اُٹھانا کس نے بتایا ہے اُسکا پتہ لگاؤ جس نے یہ خط لاکر دیا ہے۔ اس کمبخت کو مارنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ بات معقول تھی۔ خیالات کی جولانیاں پیام بر کی خبر میں سرگرم تلاش ہوگئیں۔ اسباب وعلل کے سلسلے زیادہ وسیع نہ ہونے پائے تھے کہ اکرام اللہ خاں کی حقیقت شناس نظر نے یامین کو انتخاب کرلیا۔ پھر لطف یہ کہ چند شہادتیں بھی گذر گئیں کہ یامین کا ہر وقت اصغر سے میل جول رہتا ہے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ خط اُسی کا لایا ہوا ہو۔ یامین سے پوچھا گیا سچ سچ بتاؤ۔ یہ حضرت کہیں آسانی سے قبول سکتے تھے آخر کفش کاری کی نوبت آئی مگر واہ رے یامین جوتیاں کھائی قبول

مگر راز افشا کرنا تجھے حرام ہوگیا جب اکرام اللہ خاں کو حصول مقصد میں

ناکامی ہوئی تو یامین کو قید تنہائی کا حکم دے کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔
قاعدہ ہے کہ مرد کی نسبت عورت زیادہ رقیق القلب ہوتی ہے۔ سلطان جہاں کو یامین سے ایک تو فطرتی محبت تھی دوسرے اپنے جرم کی سزا میں وہ ناکردہ گناہ پھنسا ہوا تھا اس لیے وہ یہ تو نہیں کر سکتی تھی کہ یامین کو مار پیٹ سے بچا لیتی یا اُسے قید سے رہا کر دیتی۔ البتہ اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور رونا شروع کیا۔ یہانتک کہ گوہر اشک نذرانۂ رشوت ہو کر یامین کو قید سے رہا کرنے کا باعث ہو گئے۔
یامین نے آزادی پاتے ہی چاہا کہ سب سے پہلے اصغر کو اس واقعہ کی اطلاع کرنی چاہیئے۔ چنانچہ وہ گھر کے لوگوں کو بھائیں چھپا دیکر غائب ہو گیا اور سیدھا اصغر کی بیٹھک میں پہنچا۔ اصغر سلطان جہاں کے خط سے دلچسپی حاصل کر رہے تھے اور گویا اُن کی مردہ تمناؤں میں حیات عارضی کی لہریں لہرا رہی تھیں۔ یکایک یامین کو بدحواس دیکھا تو گھبرا گئے ابھی یہ کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ یامین نے کہا بھائی غضب ہو گیا تمہارا خط پکڑا گیا۔ والد کو خبر ہو گئی بس میں یہ خبر کرنے آیا تھا جاتا ہوں۔

اصغر۔ گھبرا کر۔ کیا ہوا کیوں کر پکڑا گیا۔

یامین۔ اسکے متعلق تو ابھی مجھے بھی علم نہیں۔

اصغر۔ سلطان جہاں پر کچھ تنبیہ کی گئی ہے۔

یامین۔ تنبیہ کیسی ابھی والد تو مارنے کے لیے اُٹھے تھے وہ تو والدہ نے روک لیا پھر مجھے بلایا اور پوچھا یہ خط کون لایا تھا۔ جب میں نے لاعلمی ظاہر کی تو مجھے خوب مارا۔ دیکھیے یہ تمام پیٹھ پر نشان پڑے ہوئے ہیں جب میں نہ قبولا تو ایک کوٹھری میں بند کر دیا پھر والدہ ہی نے رحم کھا کر مجھے نکالا تو میں سب کی نظروں سے غائب ہو کر آپ کے پاس آیا بس اب میں جاتا ہوں ایسا نہ ہو والد کو خبر ہو جائے۔

اصغر نے بڑھکر یامین کو گلے سے لگایا اور اُسکی پیٹھ پر جو مار کے نشان تھے اُنھیں بوسہ دیا اور رونے لگا۔ یامین۔ واہ آپ تو رونے لگے۔

اصغر۔ آہ۔ یہ تیری پیٹھ پر مار کے نشان نہیں ہیں بلکہ نشان وفا ہیں۔

ان سطروں میں اخفائے راز کا حقیقت آفریں سبق ہے تو ہمدردی بنی نوع کا مجسم پتلہ ہے وہ تو ہی ہے جو غیر کی آنچ میں جلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ آہ اصغر تیرے احسانوں میں جیتے جی دب گیا۔ تیرے نازک جسم نے کیونکر ان چوٹوں کی سہار کی ہوگی۔ او بات کے پکے او دُھن کے پورے۔ بیشک تو حق رفاقت ادا کر چکا۔ آہ میرے پاس کیا ہے جو تجھے دوں۔ کچھ نہیں ہے تو ضرور کہے گا کہ اصغر احسان فراموش تھا۔ لیکن ساتھ ہی تیرا ضمیر یہ بھی کہے گا کہ اصغر غریب اصغر مجبور و بیکس بھی تھا۔

آ میری جھولی خالی نہیں۔ کچھ دے دوں۔ دعائیں لیتا جا۔ اللہ تجھے خوش رکھے کمند حُسن کی تجھ تک رسائی نہ ہو۔ تیرا گلو خط شمشیر سے بے عیب رہے۔ نہ کسی کا انتظار ہو نہ کسی کی انتظار میں تیری آنکھیں پتھرائیں۔ نرگسی آنکھوں سے نہیں اُن میٹھی چھریوں سے اللہ تیرے کلیجے کو بچائے تیرا معصوم دل محبت کی کوفت اُٹھانے سے محفوظ رہے۔

اتنا لکھکر اصغر کی ہچکی بندھ گئی۔ یامین بچہ ہی تھا۔ گھبرا کر خود بھی رونے لگا اصغر نے فرط بیتابی سے پھر یامین کو سینے سے لگایا اور کہا میرے اچھے پیامبر اصغر ہمیشہ کے لیے تجھ سے رخصت۔ جا شوق سے گھر جا۔ اب تجھے کوئی نہیں مار سکتا۔ کیونکہ میرے پاس کوئی پیام نہیں رہا۔ آخر دونوں گلے ملکر بہت دیر تک روتے رہے۔ اُسکے بعد اصغر نے ایک پرچہ پر کچھ لکھکر اُسکا تعویذ بنایا۔ اور یامین کے بازو پہ باندھ دیا۔ اور کہا بس یہ اور آخری وصیت ہے اسے سُن لو اور گھر جاؤ۔ دیکھو

اس تعویذ کو کبھی اپنے سے جدا نہ کرنا اور نہ کبھی کھول کر دیکھنا۔ ہاں اُس وقت تمھیں اسکا دیکھنا فرض ہو گا۔ جب (خاکم بدہن) سلطان جہاں کی جان پر بنتی ہو بچہ کی عقل کام نہیں کرتی تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے وہ اسی طرح مبہوت و ششدر کھڑا تھا۔ جب وہ چلنے لگا تو صغرٰی نے پھر بلایا اور پیشانی پر کئی بوسے دیے اور کہا ہائے اب یہ صورت بھی خواب ہو جائے گی جسمیں سلطان جہاں کی بہت کچھ شبیہ ملتی ہے غرض یامین روتا ہوا بیٹھک سے باہر نکلا اور صغرٰی نے کواڑ بند کر لیے۔

(باقی آئندہ) مقرب حسین مقرب دہلوی

غزل

کون واقف ہے یہاں قہرِ دلِ بیمار سے
پوچھتا ہوں بیٹھ کر ذرات کوئے یار سے

ہو چکی ضد اب بگڑتا ہے نظامِ روز و شب
بس ہٹا لیں آپ گیسوئے پیچاں رخسار سے

کیا کیا جانِ حزیں سے شوقِ باطن نے سلوک
پوچھئے یہ دل بہ ہر واں کوچۂ دلدار سے

کاٹ کے سر کاٹ دی قیدِ غمِ ہستی مری
سیکھئے احسان کرنا اپنی ہی تلوار سے

آئے گی کیونکر قیامت دیکھ لے دنیائے عشق
اٹھ رہی ہے لاش میری کوچۂ دلدار سے

ہو گیا برباد کس وحشی کا خوں بعدِ فنا
سرخ اٹھتے ہیں بگولے کوچۂ دلدار سے

بس خدا حافظ امیدیں ختم ہیں اے چارہ گر
اب سنبھالا بھی لیا جاتا نہیں بیمار سے

قدر کرنا ہے دلِ عاشق امینِ رازِ عشق
یہ کوئی یوسف نہیں لے آئے جو بازار سے

مر گیا وحشی درِ زنداں سے کیا ٹکرا کے سر
دیکھ سناٹا ٹپکتا ہے در و دیوار سے

اس طرح آئے شبِ وعدہ کہ عالم جاگ اٹھا
اک قیامت کو بپا کی تم نے تیزیِ رفتار سے

میرے سینہ پر نہیں داغِ غمِ پنہاں عیاں
عشق میں پائے ہیں تمغے حسن کی سرکار سے

مر گیا بیمار آخر ہو گئی وعدہ کی شب
بل نکلتے ہی نہیں ہیں گیسوئے خمدار سے

لے گیا عالم پہ تشریحِ اجزائے وفا
میری خاکستر کے ذرے کوچۂ دلدار سے

صدر بچنا اس زمانے کی ہوا اچھی نہیں
دوستوں کی دوستی سے کاوشِ اغیار سے

صدر الاسلام صدر

غزلیات

حضرت حسرت موہانی

سخت مشکل ہے عشق یار کی شرط — جان زار و دل فگار کی شرط
دیکھ لیتے ہیں اب وہ نامۂ شوق — ہے مگر پھر بھی اختصار کی شرط
سب ہے منظور عشق ایک نہیں — سخن تلخ و ناگوار کی شرط
مستیٔ حسن کو ضرور نہیں — مے رنگین خوشگوار کی شرط
بن گیا کام ہو گئی پوری — کرم یار بختیار کی شرط
کون پوری کرے تمہارے سوا — شوق بے صبر و بیقرار کی شرط

منزل عشق طے کرو حسرت
گل کی یاں شرط ہے نہ خار کی شرط

حضرت صفی لکھنوی

یہ آہیں ناتوانی ہیں مریض بستر غم کی — ہوائیں ہیں محبت کے قیامت خیز عالم کی
کہاں تک ہر خوشی کے ساتھ ہو وابستگی غم کی — ذرا شیرازہ بندی دیکھنا جمعیت عالم کی
جھکی پلکیں سرنگوں ہیں تعزیت میں کشتۂ غم کی — نہیں کے ہر اشارہ پہ صفیں اٹھیں گی ماتم کی
تلون ہے مزاج یار تجھ میں کس قیامت کا — بدلتی رہتی ہے فہرست موجودات عالم کی
بگڑ جائینگے دیکھا اے چارہ گر ابکی اگر چھیڑا — یہ ٹھنڈی گرمیاں اچھی نہیں خمیرے مرہم کی
وہ دم بیمار کا ٹوٹا وہ آئی آخری ہچکی — جھٹک کر کھولدی کس نے گرہ گیسوئے پرخم کی
سمجھ لے انتہا مایوسیوں کی چارہ گر اسکو — جگر کے زخم صورت دیکھکر ہنستے ہیں ہمدم کی
کسی بیمار کی ڈوبی ہوئی نبضیں ابھر آئیں — یہ پردہ میں تبسم کے کدھر بجلی سی اک چمکی

بخارات اُٹھ کے چھایا ابر رحمت ہوں وہ تردامن — دہکتی آگ جا کر میں نے گُل کردی جہنم کی
دم آخر نہ پوچھو میرے حسرت ناک منظر کو — نظر آتی ہے مجکو برہمی سی نظم عالم کی
جگر اللہ رے تیرے سینۂ لیشان محبت کا — جنھیں تیر غضب کے پھاہے سے بو آتی ہے مرہم کی
اُلٹ کر شحنۂ [illegible] کیا بلا ظالم — یہ تھی خلوت کی اک صحبت فلک تو نے جو برہم کی

صفیؔ ہم کو زمانے سے شکایت ہے تو اتنی ہے
ہماری زندگی میں قدر کی لیکن بہت کم کی

حضرت ذکی شاہجہانپوری

میں تیرہ بخت عکس ہوں گیسوئے یار کا — چھایا ہوا ہے رنگ شب انتظار کا
تھا لطف آخری یہ نسیم بہار کا — گُل کر گئی چراغ ہمارے مزار کا
کنج قفس نصیب ہے فصل گُل میں ہائے — رخصت ہوا یہیں سے زمانہ بہار کا
پہلو میں کون جلوہ نما ہے کہ جی نہیں — منہ تک رہا ہوں صبح شب انتظار کا
دیکھیں نصیب عشق میں بڑا ہی پائیں — پہلو سنبھالنا دل بے اختیار کا
کیا انقلاب ہے کہ وہی درد بن گیا — اب تک سکون تھا جو دل بیقرار کا
دیکھا تو شام ہی سے چراغ سحر ہیں ہم — مشکل گذارنا ہے شب انتظار کا
دل کی تڑپ نے بیکس و مجبور کر دیا — عالم ہے اضطراب میں اب اضطرار کا
گذرا جو حد سے ضبط تو نالہ پکار اُٹھا — میں ہوں شریک گریۂ بے اختیار کا
یاد بہار [illegible] نظر شوخی [illegible] — حسرت الگ ہے رنگ دل بیقرار کا
چھپ تکے جو ہم تو صبح قیامت تھی سامنے — یعنی مآل تھا یہ شب انتظار کا
دریائے عشق کا وہ تلاطم کہ الاماں — ہر موج میں ہے جوش دل بیقرار کا
میں واقعات عشق کا نقشہ ہوں دیکھیے — کُل حال آئینہ ہے شب انتظار کا
خوش ہو رہے ہیں لکھ کے ہم حرف نصیب — کاغذ پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

کہتے ہیں لوگ حضرت دل بھی ضمیر کو
یہ دوسرا ہے نام اسی خاکسار کا

حضرت عزیز لکھنوی

سوزِ غم دل سے اگر رک کے نکالا ہوتا ۔۔۔ دیدۂ تر بھی اک اُبھرا ہوا چھالا ہوتا
چارہ سازوں نے تو اپنی سی بہت کی تدبیر ۔۔۔ کبھی تم نے بھی مرے دل کو سنبھالا ہوتا
عکسِ رخ ڈال کے ساقی نے لگا دی اور آگ ۔۔۔ شیشۂ [illegible] کو مرے برف میں [illegible] ہوتا
نور ہوتا مری آنکھوں کا نہ زائل ہرگز ۔۔۔ [illegible] تم نے جو ڈالا ہوتا
دل کو ہم زاویۂ ضبط کا موجد کہتے ۔۔۔ جب نہ اس دائرے سے پاؤں نکالا ہوتا
جمع کرتا میں اگر اپنے حواسِ مختل ۔۔۔ چند اوراقِ پریشاں کا رسالا ہوتا
آج وہ حال تھا دل کا کہ اگر آتی تو یہ ۔۔۔ تم نہ آتے تو زمانہ تہ و بالا ہوتا

غیر کو دیکھ کے کرتے وہ نظر کاش نہ تیز
زنگ خوردہ ہی کوئی تیر نکالا ہوتا

حضرت آرزو لکھنوی

صبحدم نیرنگئی آفاق کا منظر کھلا ۔۔۔ [illegible] گویا [illegible] در کھلا
چارۂ گریہ بھی نیا ہے جوشِ سودا کا علاج ۔۔۔ [illegible] ساتھ ہی نشتر کھلا
تیرگی اتنی کہاں تھی اس سے پہلے قبر میں ۔۔۔ کس [illegible] کے بال [illegible] سر کھلا
کو لنا رکھا تھا پردہ تو نے یا اپنے بیخودی ۔۔۔ [illegible] اور سب پر کھلا
صبح اتنا جانتا ہے بس ترا محوِ جمال ۔۔۔ [illegible] کتر کھلا
پوچھ لوگوں میں نئی الفت کے اور کچھ یہ سوچ ۔۔۔ [illegible] کس طرح پایا [illegible] کیونکر کھلا
بعد مرنے کے بھی برسوں تنگئی زنداں رہی ۔۔۔ جان اس دن قید سے چھوٹی ہے جب در کھلا
خود دل بھی مجھکو سونپا حسرتِ دیدار نے ۔۔۔ اتنا پردہ غیر آج اسے دیکھا ہے تو کھلا

بے اثر کہتے ہو یوں کیا جذبِ شوقِ قتل کو   رکھ تو دیکھو تم کسی دن حلق پر خنجر کھلا
روز سے آتی ہے اتنا ہی تو سُننے کی تلک   پھر تو اس کوچہ میں آیا پھر ترا بستر کھلا

دل نہ اُس گیسو سے دم بھر کو چھٹا لے آرزو
جو ہزاروں مرتبہ کھلکر بندھا بندھ کر کھلا

حضرت محشر لکھنوی

مصیبت دل عار فتہ ایک ہو تو کہوں   مذاق کی نہیں باتیں ہیں سُن سکو تو کہوں
حواس آئیں تو اے چارہ گر سنوں تیری   کہاں یہ درد ہے قابو میں سانس ہو تو کہوں
بیان حشر یہ کہتے ہی کہتے دن گذرا   تمہارے ہاتھوں جو گذری اگر کہو تو کہوں
نہ پوچھ چارہ گرو حال ہوں سراپا درد   زبان سے کسی ایذا کا نام ہو تو کہوں
بیان حال میں کیونکر زباں کھلے سر بزم   خدا کے واسطے اُٹھکر الگ چلو تو کہوں
کہانی دل کی سنی چپکے بیٹھ کر تو کیا   کسی جگہ بُری اچھی میں بول اُٹھو تو کہوں
وہ اُنکا وہ کہنا مجکو اشاروں سے دمِ حشر   وہ اُن سے میرا یہ کہنا اگر کہو تو کہوں
نہ پوچھو شوق کی حالت جو بیٹھا ہے خموش   خلاف ہی سہی لیکن جواب دو تو کہوں

وہ کہتے ہیں شبِ وعدہ کہو تو کچھ محشر
میں کہہ رہا ہوں کہ ارمان ایک ہو تو کہوں

حضرت راغب جیلانی

یہ کیا کہا کہ شکوہ فرقت نہ چاہیے   گویا مجھے خیال مصیبت نہ چاہیے
مانا کہ بیکسوں کو نہیں پوچھتا کوئی   لیکن تمھیں تو ہم سے یہ نفرت نہ چاہیے
الفت کا ترک چاہے جو ناصح تو کیا کہوں   دل ہی نہ چاہیے اگر الفت نہ چاہیے
کہتا ہے یہ آئینہ دل کو دیکھ کر   کیا ایسی پیاری شکل سے الفت نہ چاہیے
ہنستا بھی دیکھ دیکھ کے دیوانہ پن مرا   پھر کہیں کہ حسن کی شہرت نہ چاہیے

ایسا نہو کہ طرزِ جفا بھول جائیں آپ — ایسی ہمارے حال سے غفلت نہ چاہیے
ہوں میں فراق یار میں بدنامیِ حیات — اتنی بھی لے اجل مجھے فرصت نہ چاہیے
بے صبر کرتی ہے مجھے تیری نگاہ لطف — آنکھوں میں اسقدر بھی مروت نہ چاہیے
دل خون ہوگیا ہے مگر کچھ خبر نہیں — شاید ترے خیال سے فرصت نہ چاہیے
جب حسرتیں نگاہ سے ٹپکیں تو کیا کروں — کہتے ہو عرض شوق کی جرات نہ چاہیے

ہے حسن بے وفا تو حسینوں کا کیا قصور
راغب تمہیں کو حسن سے رغبت نہ چاہیے

حضرت اظہر دہلوی

تم شبِ وصل جو پہلو سے نہ سرکے ہوتے — ٹکڑے اس طرح نہ ظالم مرے سر کے ہوتے
اک نشانہ ہی میں دل اور جگر چھلنی ہیں — تیر فولاد ہے کیا۔ تیرِ نظر کے ہوتے
بعد مرنے کے بھی مٹی میں ملاتے جاتے — کاش بارخصت وہ مجھے دفن بھی کرکے ہوتے
پھر بھی مرتے تو اسی دشمنِ جاں پر مرتے — زندہ سو بار بھی دنیا میں جو مر کے ہوتے
پھر یہ اسطرح سے رسوائی نہ ہوتی گھر گھر — تم جو اے جانِ جہاں ایک ہی گھر کے ہوتے
شمس بے نور ہے۔ اُس رخ کی ضیا کے آگے — ماند ہے ماہ، مرے رشک قمر کے ہوتے
بے وفائی کے پروں سے یہ حسیں اُڑتے ہیں — کاش ان پریوں میں انداز بشر کے ہوتے
زاہدا حسن ہی کچھ دہر شکن ہے اُسکا — پھر فرشتے نہیں کیوں؟ ایسے بشر کے ہوتے
انکو دیوانے کہا کرتے ہیں دیوانۂ عشق — کعبہ و دیر گئے۔ جو ترے در کے ہوتے
کاش تم غیر ہی سے بات نباہے جاتے — جو ادھر کے نہوئے تھے تو ادھر کے ہوتے
تیر تیرے ہیں مری جاں مرے مہمانِ عزیز — پھر کہیں جائیں یہ کیوں؟ تیر جگر کے ہوتے
کوئی قیمت نہیں اب جنس وفا کی۔ یعنی — یا وفا ہیچ ہے اب صاحب زر کے ہوتے

حسن اور عشق جو دنیا میں نہ ہوتے اظہر

دل کے قصے۔ نہ قضیے یہ جگر کے ہوتے!

حضرت ناطق لکھنوی

ہوئے جمع خیالات پریشاں ہم سے — آکے خلوت میں بھی ملتا ہے بیاباں ہم سے
ضبط نے نفس کشی کی جو بنا ڈالی ہے — اپنے جی میں ہیں سب ارماں ہراساں ہم سے
درد نازاں کہ بدلوائی ہے کروٹ ہم نے — ہم ہیں شاداں کہ ہوا کار نمایاں ہم سے
سارا عالم ہوا جاتا ہے فنا کیا معنے — بات یہ ہے کہ ہر اک شے ہے گریزاں ہم سے
عشق میں اتنا زمانہ نہیں گذرا ہے کہ لوگ — پوچھنے آتے ہیں اس درد کا درماں ہم سے
قیس سودائے غم گیسوئے لیلےٰ کے لیے — لیگیا چند خیالات پریشاں ہم سے
ضبط کی جب سے خبر ہوگئی اُسکے دل کو — جی میں ناخوش ہے ہمارا غم پنہاں ہم سے
پردۂ راز حقیقت ہے حجاب ہستی — روح کے مثل ہے قالب میں وہ پنہاں ہم سے
کوئی ناقوس و جرس کی نہیں کرتا فریاد — ہم جو نالاں ہیں تو ہر شخص ہے نالاں ہم سے
شہرہ کیوں حشر کا اتنا ہے کہ محشر ہے وہیں — ہوگئے جمع جہاں خیال پریشاں ہم سے

ایک ہچکی میں ہم آزاد ہیں ناطق لیکن
شرم ہے ہم کو گرداں بستہ ہے زنداں ہم سے

حضرت بلیغ لکھنوی

جان جبتک نہ گئی درد نہ دل کا ٹھہرا — جو ٹھہرتا تھا نتیجہ وہ نتیجا ٹھہرا
کہیں دم بھر بھی جو دیوانہ تمھارا ٹھہرا — بند کلیاں ہوئیں چلنا ہوا رستا ٹھہرا
پوچھیے وحشت زدہ دوں سے خلش کی لذت — جو کہ تلووں میں چبھا دلمیں وہ کانٹا ٹھہرا
انقلابوں نے زمانے کے بہت بدلے رنگ — کسی عالم میں مگر دل نہ ہمارا ٹھہرا
کم حقیقت نہیں سجادہ نشین الفت — یہی کیا کم ہے کہ دیوانہ تمھارا ٹھہرا
نور رخ ہی تھا جو خلوت کدے میں کام آیا — درمیاں دوست کے اور کوئی نہ پردہ ٹھہرا

کوئے قاتل میں کسی روز تو ہوجائینگے قتل   جبکہ اپنا وہی ہر روز کا رستا ٹھہرا
یہ بھی جاتی ہوی دنیا کا ہے اک رنگ بلیغ
وقت بد میں نہ کوئی دوست ہمارا ٹھہرا

حضرت بیخود موہانی

سکے یہ کون مکاں اپنا لامکاں اپنا   ازل کے بعد سے ملتا ہے کچھ نشاں اپنا
کھلا ہے ہم پہ تو عرفاں کی انتہا یہ بھی   یہ تو نہیں ہے خیال اپنا ہے گماں اپنا
قفس میں بھی جو رہا آشیاں میں دل تو کھلا   قفس تھا وہ جسے سمجھے تھے آشیاں اپنا
نہیں خیال نشیمن ملال ہے تو یہ ہے   کہ ہم نے آپ اجاڑا ہے آشیاں اپنا
یہ پوچھتا ہے کہ کیوں دلمیں ہے یہ آگ لگی   یہ دیکھتا نہیں جلتا ہے آشیاں اپنا
گری بھی کوند کے بجلی کبھی مگر تا حشر   یہ دیکھتے رہے جلتا ہے آشیاں اپنا
ہے کچھ تو بات کہ دعویٰ ہے اک جہاں کا بھی   کہ ہے وہ اپنا زمیں اپنی آسماں اپنا
نظر بھی نامۂ اعمال پر وہ کر نہ سکے   تھا حال اپنا زباں اپنی پھر بیاں اپنا
ہمارے رنج کی گنجائش اور دل میں کہاں   نہ سر کو پھوڑ کے مرجائے رازداں اپنا
ہر ایک گام پہ ہر سمت ہیں سجود نیاز   دیار دوست کو جاتا ہے کارواں اپنا
در رقیب پہ سجدے میں آہ دم توڑیں   جو کہتے ہوں کہ سر اپنا ہے آستاں اپنا
ہر ایک سانس پہ گھبرا کے دل یہ کہتا ہے   رکے گا کونسی منزل میں کارواں اپنا
ہر ایک حرف پہ ہیں احترام کے سجدے   ہوا ہے پھر دل آگاہ ہم زباں اپنا
عدم سے پہلے کی حالت عدم کے بعد کا حال   مجھی سے پوچھ کہ میں ہی ہوں رازداں اپنا
ابھی جمال سے پردے ہزار باقی ہیں
حریم دوست میں بیخود گذر کہاں اپنا

حضرت آشفتہ لکھنوی

قیامت آئے گی ضد سے جنون فتنہ سامانکی — اڑیں ہیں کچھ فضا میں دھجیاں میرے گریبانکی
محبت کچھ مطمئن تھا ذبح کرنے میں مرا قاتل — نگاہ یاس نے لیکن وہ جمعیت پریشاں کی
دلوں کی خیر ہو برہم مزاج حسن ہے شاید — ادا بتلا رہی ہے آج یہ زلف پریشاں کی
چلا ہوں امتحاں گاہ وفا میں لیکے اک عالم — کوئی تصویر لے لے آج میرے ساز و سامانکی
دل بیتاب کے اجزائے باہم جب رگڑ کھائی — شب غم ہم نے ہاں ہاں آہ کی ادھ سوختہ جانکی
فضا کا ذرہ ذرہ جل کے جبتک لو نہ دے نکلے — دل خوں گرم میرے بات ہے کیا آہ سوزانکی

خان بہادر جناب منشی سید التفات رسول صاحب تعلقدار آنریری منصف و آنریری مجسٹریٹ سندیلہ بانی مشاعرہ سندیلہ

ہوائے شوق سے جب اعتدال ہوتا ہے — تو خود مریض کا چہرہ بحال ہوتا ہے
زبان سے تو کب اظہار حال ہوتا ہے — نگاہ شوق سے پیدا سوال ہوتا ہے
وہ جوش عشق کا وہ ولولے شباب کے ہائے — یہ جانتے ہی نہ تھے کیا مآل ہوتا ہے
نکل کے آنکھ سے آنسو جواب دیتے ہیں — وہ مسکرا کے جو پرسان حال ہوتا ہے
تمھیں علاج کرو کچھ مریض الفت کا — تمھیں کو دیکھکے چہرہ بحال ہوتا ہے
خرام ناز میں جو محو ہیں وہ کیا جانیں — کہ کس غریب کا دل پائمال ہوتا ہے
نوید وصل بھی رشک آفریں ہے کس درجہ — مری خوشی سے جہاں کو ملال ہوتا ہے
وہ خود ہی شوق جفا میں ہیں اسطرح بیچین — جو چوٹ کھائے ہوئے دل کا حال ہوتا ہے
دکھا کے جلوہ جو حیرت میں ڈالدیتے ہیں — رگوں میں خون کا دورہ محال ہوتا ہے
بگڑ رہے ہیں ملک امیدوار کے تیور — کہ اب زبان پہ لب پر سوال ہوتا ہے
میں ٹھنڈی سانس بھی اس ڈر سے لے نہیں سکتا — کہ بدگمان وہ نازک خیال ہوتا ہے
نہ دل کے جانے کا التفات ہاشمی ملال کرو — کہ صدقہ جان کا دنیا میں مال ہوتا ہے

سلیم نگر صاحب مشاعرہ کی غزل وقت پر نہ آسکی اسلیے گذشتہ پرچہ میں درج نہ ہوسکی

تذکرۂ امیر۔ امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم کی سوانح عمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت عہ رعایتی ۱۲ ر

سفرنامہ یورپ بلاد روم و شام و مصر | یعنی منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفرنامہ اصل قیمت للعہ ر رعایتی علاوہ صفحات ۷۰۰ ۹

طب

ہومیو پیتھک علاج نسوانی۔ مولفہ حکیم خادم حسین صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی مجلد اصل قیمت سے ر رعایتی ۱۲ ر

قرابادین حسینی۔ مولفہ حکیم ڈاکٹر نوشہ حسین صاحب اصل قیمت عہ ر رعایتی عہ

کیا میں تندرست ہوں یا بیمار | مشہور ڈاکٹر فوٹی کی تصنیف کا ترجمہ ہر شخص کیلئے سبق آموز کتاب

رعایتی قیمت ۸ ر

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام (ناول) حضرت نیاز کی معجزانہ تحریر کا نمونہ سراپا درد تڑپا دینے والے تخیلات تحریر حالات حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۸ ر

جذبات بھاشا۔ بھاشا (ہندی) زبان کے شیریں و دلکش نازک تخیلات کا مرقع اردو زبان میں ایک بہترین اضافہ بھاشا زبان کے دلکش و دلفریب اشعار کی توضیح و تشریح اور وہ بھی حضرت نیاز کے والہانہ قلم سے قیمت فی جلد رعایتی ۸ ر

عالم خیال۔ (با تصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی جیتی جاگتی اور بے تکلف نظموں کا دلکش مجموعہ جس

دلچسپ اور معنی خیز نظمیں اردو زبان میں سب سے پہلے شائع ہوئیں اسکے ساتھ چار یورپی ملک کے منتخب اہل قلم شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور یہ ہے کہ اردو تو اردو اور مغربی زبانوں (مثلاً انگریزی) میں بھی ایسی اعلیٰ پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی و قیمت فی جلد ۱

آئینہ جنگ یورپ۔ موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل اور مضبوط ڈائری جس میں اسباب جنگ حریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور دلچسپ بحث سے صفحات ایک سو قیمت صرف ۳ ر

لسانیہ مشرقیہ۔ عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زمانہ کی ترقی و تغیر اور زبان کے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے قیمت صرف ۱

برکات سلطانی۔ ضیا بیگم صاحبہ والی بھوپال کی زندگی کے کارنامے اور ان کی علمی و اصلاحی خدمات کا مرقع باتصویر پڑھنے کے قابل کتاب قیمت صرف ۲ ر

جذبات اسلام۔ پر جوش قومی اور مذہبی منظومات کا ایک عمدہ دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل ہے۔ جذبات اسلام کے جذبات سابقہ کا ایک حقیقی ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ حجم ۸۰ صفحات اصل قیمت عہ ر رعایتی عہ

شکوہ۔ ڈاکٹر اقبال کی مشہور معنی خیز نظم قیمت ۱ر

جواب شکوہ۔ شکوۂ اقبال کا جواب قیمت

پتہ:- دفتر رسالہ تمدن پل جہاں آباد

المذہب

اس نام کا ایک ماہواری رسالہ معقول تعداد خریداروں کی مہیا ہونے پر دفتر رسالہ "تمدن" پل جھاؤلال لکھنؤ سے بسرپرستی قاری محمد سرفراز حسین صاحب دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان۔ پرایوٹ مشنری اوف اسلام انشاء اللہ عنقریب جاری کیا جاے گا۔

اس رسالہ میں ایسے مضامین درج ہوں گے جن میں مذہب کی خوبیاں فلسفہ عقلی سائنس اور دیگر جدید علوم کی رو سے بیان کی جائیں گی اور تعصب فرقہ بندی اور دل آزاری کی رکیک باتوں سے قطعاً احتراز کیا جاے گا۔ نیز یہ کوشش کی جاے گی کہ جدید علوم کی روشنی میں عقل و نقل کو جمع کر کے انسانوں میں اعلےٰ روحانی اور اخلاقی جذبات پیدا کیے جائیں حقائق و فضیلت اسلام کا ظاہر کرنا اس رسالہ کا ممتاز فرض ہوگا مگر دیگر مذاہب کی خوبیوں سے ہرگز ہرگز چشم پوشی نہ کی جاے گی اور جملہ ادیان و ملل کے ساتھ کما حقہ انصاف کیا جاے گا۔ دراصل یہ رسالہ ایک آئینہ خانہ ہوگا جس میں ہر مذہب کا خط و خال نمایاں ہوگا۔

قیمت سالانہ ۳؎ نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۴ر

درخواستیں بنام منیجر المذہب پل جھاؤلال لکھنؤ ارسال فرمائی جائیں

دوائیوں کے تیل

مذکورۂ ذیل دوائیوں کے تیل دوائیوں تیل کے دو تین بوند
زیادہ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں اور کڑوے پینے کی تکلیف سے بچتے ہیں۔
اور آسانی سے پی سکتے ہیں۔

(۱) روغن صندل۔ سوزاک کے لیے نہایت درجہ مفید ہے قیمت فی شیشی ۲ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵ر

(۲) اجوائن کا تیل۔ قے اور بدہضمی کی ایک ہی دوا ہے۔ قیمت فی شیشی ۲ر محصول ۵ر

(۳) روغن سونٹھ۔ یہ بھوک کو بڑھاتا ہے اور ریاح کو خارج کرتا ہے قیمت فی شیشی ۵ر
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵ر

(۴) روغن سونف۔ پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لیے مفید ثابت ہوا ہے قیمت فی شیشی ۲ر
محصول ایک سے چار شیشی تک ۵ر

(۵) روغن دال چینی۔ یہ دال چینی کے ملائم چھلکوں سے بنا ہے اور یہ چیز نہایت خوشبودار
ہے قیمت فی شیشی ۲ر محصول ایک سے چار تک ۵ر

(۶) روغن لونگ۔ متلی اور ریاح کو دفع کرتی ہے اور درد شکم و بدہضمی کو مفید ہے
قیمت فی شیشی ۲ر محصول ۵ر

(۷) روغن لیمو۔ ہرے گویا ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیمو کا خوشبو دیتا ہے قیمت
فی شیشی ۲ر محصول ۵ر

(۸) روغن پیپرمنٹ۔ پیٹ کے درد بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ ایک بہت
مشہور دوا ہے قیمت فی شیشی ۱ر محصول ۵ر

(۹) روغن الائچی۔ متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے قیمت ۲ر محصول ۵ر

رجسٹرڈ نمبر ل-۱۵۱

ستمبر ۱۹۱۶ء

جلد ۱۱ — نمبر ۳

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم۔ اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

پبلشر محمد عباس حسین قاری

پرنٹر نواب علی

نادرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا

مقام اشاعت پل چھاؤلال لکھنؤ

قیمت سالانہ ۳ روپے

نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۴؍

قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضامین کسی دوسرے رسالے میں شائع ہو چکے ہوں اُن کو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاک خانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) نا تمام مضامین درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

تمدن

خوابِ عدم

اے میری پیاری روح یہ تو بڑی بھیانک جگہ معلوم ہوتی ہے۔ بہت ڈراونی منزلیں ہیں بیحد خوفناک وادی ہے قدم قدم پر خطرے ہی خطروں کا سامنا ہے ایسی ہیبتناک تاریکی تو کبھی میری نظروں سے نہیں گذری سچ بتا اے میری روح آخر یہ کونسا عالم ہے کون سی دنیا ہے رہ رہ کے دل کانپ رہا ہے کلیجہ تھرا رہا ہے۔ ائیں!! ائیں ارے ارے یہ میرے اندام میں غیر معمولی لرزہ کیوں پیدا ہو گیا اُف!! اُف ویرانے سے ویرانی ہے اے میرے خدا تنہائی اور ایسی اندیشہ ناک تنہائی۔ آخر کیوں اے میری روح مجھے یہاں لانے کا مطلب کیا ہے۔ نہیں نہیں میں وہ ہرگز نہیں دیکھنا چاہتا جسے میں دیکھ نہیں سکتا۔ ائیں اور یہ جابجا متحرک پرچھائیاں کیسی نظر آرہی ہیں۔ کیا یہ بھی کسی قسم کے مخلوق ہیں۔ مگر نہیں نہیں جنھیں مٹا کرتے تھے کہیں وہی روحیں تو نہیں ہیں۔ ہائے ارے غضب غضب اتنی خبر ہو سکے

بجلیاں کیسی کوند جاتی ہیں۔ افوہ افوہ یہاں کی زمین لیکن زمین کہاں ہے خیرہ جو کچھ بھی ہو کا نسئہ سر اور استخوانوں سے مملو نظر آتی ہے ہائیں جہانتک نظر جاتی ہے لاشے ہی لاشے نظر آرہے ہیں یہ مقام بھی خواب عدم کے متوالوں سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔ اچھا یہ تو دیکھوں میرے پاؤں کے نیچے تو کوئی میت نہیں ہے۔ اُف اُف ارے ارے توبہ توبہ اے میرے خدا اب کیا کروں کس طرف ہٹوں یہ تو کسی کمسن حسین کے گلاب سے پیارے پیارے رخساروں اور ریشم سے سیاہ گھنے بالوں پر میرے پاؤں ہیں۔ کیا واقعی یہ حُسن کی دیوی بھی مُردہ ہے یا مست خواب جوانی ہے۔ مگر نہیں اسکی بیکسی اور چھائی ہوئی حسرت بتا رہی ہے کہ یہ بھی گرگ اجل کا شکار ہو چکی ہے۔ مگر بار الٰہ یہ کوئی آدم زادی ہے یا جنت الفردوس کی حور عین ہے۔ مجھ سے تو اس خزاں رسیدہ چمن حُسن کی بہار دیکھی نہیں جاتی آنکھیں چکا چوند کرنے لگیں واقعی اس وقت بھی ایک عالم ہے اس غبار آلودہ کفن میں لکھو کھا بناؤ ہیں۔ اے حُسن کی دیوی تجکو تو معلوم ہوتا ہے خود یدِ قدرت نے نور کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ اس بیدرد اجل نے کس کلیجے سے تیرے نازک نازک پھول سے اندام کو خاک میں ملا دیا یا العظمۃ للہ اس عالم خزاں میں بھی عروس بہار سو جان سے نثار ہو رہی ہے۔ سچ بتا اے بیدرد موت کے فرشتہ ایسی پیاری ہستی کو خاک میں ملاتے ہوئے کچھ بھی تیرا کلیجہ نہ دُکھا کون سے اصول بیدردی سے تونے اس پیکر نازک کے مٹانے میں کام لیا تعجب ہے خاموشی فطرت حُسن پہ جو تجھ سے کچھ مواخذہ نہیں کرتی۔

سچ بتا اے نازک نازک پھول سے جسم والے اے خواب عدم کے متوالے بستر خواب پر تو بہت دلفریب اور نزاکت آمیز تکلفات کے ساتھ نیند آتی ہوگی آج اس اندھیری بھیانک رات میں اس خاردار پتھریلی زمین پر کیونکر ایسی گہری

نیند آگئی۔

سونے والے اور اے بیہوش سونے والے تجھے کیونکر اس نہ ختم ہونے والی نیند سے ہوشیار کرکے تسکین بخش جواب لوں اچھا شاید یہی کچھ جواب دیدیں۔ کیوں سیاہ سیاہ گھنی ریشمی زلفوں تمکو اپنی پریشانی کی قسم کچھ تمھیں اس رازکا پردہ فاش کردو یا اس پتھر کی مورت کے منہ سے مہر سکوت توڑ دو کہ اپنی دکھ بھری کہانی کہہ سنائے اے سیاہ ناگنو تم تو عاشقوں کا دل ڈس لینے میں بیحد بیباک تھیں یہ آج تمکو کیا ہوگیا ہے کبھی تمھاری پریشانیوں پر عالم تہ و بالا ہوجاتا ہوگا یا آج تمھارے غبار آلودہ ہونے پر بھی سوا حسرت آمیز اداسی کے اور کچھ نظر نہیں آتا واقعی انسانی تعلقات کسقدر بے اعتباری کے رنگ میں ڈوبے ہوے ہیں۔ اُف اف، عبرت، عبرت" کیا یہ نازک گوشت اسی قابل تھا کہ جسے کرم اپنی غذا بنائے۔ اچھا اے یاس، اے اداسی، اے بیکسی، اے خاموشی، اے تاریکی، اے وحشت، اے ویرانے تمھیں سب ملکر کوشش کرو اور اس سوتے والے کو اتنی دیر کے لیے جگادو کہ میں اس نیند کے متوالے سے اتنا پوچھ لوں کہ وہ تمام قوتیں آج کیا ہوگئیں اے خدا ہ فریب تیری آنکھوں میں تو جادو تھا سحر تھا طلسم تھا قہر تھا جذب تھا کرشمہ تھا کشش تھی برق تھی بجلیاں تھیں فسوں سازی تھی معجزہ تھا کرامت تھی لیکن اسوقت اُن میں سے ایک چیز بھی نہیں نظر آتی اُف اُف، اب میری پریشانی حد سے بڑھتی ہے بولو بولو جواب دو جلدی جواب دو ورنہ دل خون گرم سے ایک شعلہ بھڑکتا ہے اور میں بھی خاک ہوتا ہوں۔

ایک کا نشہ

اے بادۂ ہستی کے متوالے اے طلسمات دہر کے شیدائی اے اسیر قید حیات

اے ناعاقبت اندیش ہستی، اے مست شباب فانی، اے گرویدۂ تماشگاہ عالم، اے نفس متحیر اے خاکدان عالم سے تعلق رکھنے والی روح بس بس خاموش خاموش خواب عدم کے متوالوں سے گفتگو اور اتنی گہری گفتگو دلچسپیاں اور اس حد کی دلچسپیاں تیرا ہی کلیجہ ہے - اُن رازوں کو معلوم کرنا چاہتا ہے - جسکو قدرت نے اپنی مصلحت کے صندوقچوں میں محفوظ کیا ہے مسئلہ موت و حیات اور فلسفہ روح انسانی ادراکات سے باہر ہیں ان میں غور کرنا فضول ہے اور اگر تو ایسا ہی متمنی ہے تو سے سن شاید تیری حیرانی کسیقدر کم ہو موت درحقیقت تغیر حالت کا نام ہے وہ تغیر جو فراق جسم وجان سے پیدا ہوتا ہے اور ہستی اُسکی نقیض ہے روح بس اسکے متعلق اسیقدر کافی ہے جیسا کچھ پیدا کرنے والے نے اپنے حبیب سے خطاب کیا ہے - قل الروح من امر ربی

ایک پاکیزہ روح

اے پابند قید حیات اے اسیر سلاسل زندگانی بیشک تیرا دم گھٹتا ہوگا تیرا نفس سینہ میں تنگی کرتا ہوگا تیری روح پھڑپھڑاتی ہوگی تیرے قوائے دل و دماغ میں غیر معمولی ہیجان ہوگا لیکن افسوس یہ عالم اور اس کے پیچ در پیچ معاملات صرف روحانیات کے ادراک کے لیے مخصوص ہیں مادہ سے ربط و ضبط رکھنے والی عقلیں اس وادی میں صفر محض ہیں یہاں نہ عالم خاک ہے نہ مادیات نہ لاشیں ہیں نہ کالبد سر یہ سب تیرا متخیلہ ہے واہمہ ہے البتہ تیری مادی نظریں تجکو دھوکا دے رہی ہیں خاک اور خاک کے مجسمہ میں حسن کیسا یہ سب مواد بے ربط و بیکار ہیں نہ ان کی کوئی ہستی ہے نہ حقیقت - یہ نغمہ یہ اشراقیت یہ جذب یہ کشش یہ حسن اگر عالم مادیات میں پایا جاتا ہے تو صرف اسیوقت تک جب تک اس پاکیزہ جوہر روح کا تعلق اس خاک سے

باقی ہے۔ درحقیقت یہ فلاسفہ کا خیال خام ہے کہ مواد جسمانی موجب وجود روح ہیں، اسکو حقیقت میں نہ مادہ کے جوہر مفردہ کے تصادم نے حاصل کیا ہے نہ یہ وہ ہے جسکو تو سمجھ رہا ہے یا یہ عالم والے سمجھے ہیں یہ قدرت کا ایک راز ہے اور بس اعتقاد تیرے لیے سمجھنا کافی ہے۔ دیکھ دیکھ اور غور سے دیکھ جسکے حسن نے تجھکو عالم تصور میں دیوانہ بنا دیا ہے جسکی طرف تیرا کثیف مادہ خود بخود مجانست کی وجہ سے جذب ہو رہا ہے جسکو تو ابتک حسن کی دیوی سمجھ رہا ہے اس میں کیا ہے سوائے ایک خاک کے بے ربط ڈھیر کے اور کیا دھرا ہے دراصل نہ ملاحت ہے نہ خوبی حسن ہے نہ اس میں جذب ہے نہ کشش ہے بلکہ مواد عالم انقلاب میں دیکھ تو کیسی متعفن بو اور خراب شکل اختیار کر رہے ہیں۔ یہ مٹی کی تصویر روح کے بے تعلق ہو جانے کے بعد ایک بے معنی شے ہے عدم گویائی نے حسن زبان کو فنا کر دیا عدم سماعت نے کانوں کے حسن کو خاک کر کے چھوڑا عدم بصارت نے حسن نظر کو مٹی میں ملا دیا۔ روح کے الگ ہوتے ہی تمام نظام جسم بالکل درہم برہم ہوگیا خون کا دورہ موقوف ہوتے ہی وہ شادابی و ملاحت اعضا تشریف لیگئی ہاں اب اسمیں ہے تو مٹی کا بڑھتا ہوا رنگ۔ پھر بھی اگر تیرا جذب اسکی طرف ہے تو یہ جذب مادی ہے جو اسمیں اور تجھ میں مشترک ہے یہ دراصل کشش حسن نہیں بلکہ تیری غلط فہمی ہے۔ فطرت پر کیا الزام موت کا کیا قصور اس خاک کے پتلے کو ایسے جوہر لطیف سے ربط ہی کیا تھا دراصل ایک کثیف مادہ کو ایک ایسے نورانی جوہر سے رشتہ ہے کیا ارے غافل مجنوں دیوانے یہ بھی مسبب الاسباب کی قدرت تھی کہ جس نے متبائنات میں ایسی مضبوط گرہیں لگا کے ایک کر دیا تھا جس کی تفریق پر اسوقت تک عالم کو حیرت ہے اگر غفلت کے پردے تیری آنکھوں سے اٹھ چلے ہیں اور تیری روح سے تال تجھکو یہاں تک عالم

خیال سے بالا ہی ہے تو خوش قسمت ہے اگر ہستی کے فلسفہ تک تیری مادی عقل پہنچ جائے دیکھ اور غور سے دیکھ بس یہی زندگی کا آخری نتیجہ ہے یہی ہستی کا حاصل ہے یہی منزل ہر وقت تیرے لیے بھی درپیش ہے اسی عالم کا تو بھی مسافر ہے یہی تیرا حقیقت میں مرکز جذب ہے اسی کی طرف تیری کشتی عمر رفتہ رفتہ بہ رہی ہے وہ کاسۂ سر جو تیری نظروں میں کاسۂ سر تھا وہ درحقیقت ایک بادشاہ اولوالعزم کا جوہر دماغ ہے جس پر کسی عہد میں ہفت اقلیم کی شہنشاہی کا مرصع تاج رکھا ہوا تھا لیکن آج تیری ٹھوکروں میں ہے۔ ایک زمانہ میں لاکھوں جانیں اسکے قبضہ و اختیار میں تھیں لیکن آج ایک ذرہ پر بھی قابو نہیں بس بس اب ہم سے زائد گفتگو کی امید نہ رکھنا اس سے زائد توضیح کی ہم میں قوت نہیں۔

میں

کیوں میری متحیر روح، کیوں میرے منتشر حواسوں، کیوں میری مضطرب قوتوں، کیوں میرے لرزاں اندام، کیوں میری بھرائی ہوئی آواز، کیوں میری پریشان نظروں یہ واقعی عالم خواب ہے یا بیداری بولو بولو جواب دو اے زباں تو حرکت کیوں نہیں کرتی اے حافظہ تو مدد کیوں نہیں کرتا اے بصارت تو شہادت کیوں نہیں دیتی اے عقل تو استدلال کیوں نہیں کرتی میں کیا ہوں اور یہ عالم کون عالم ہے اچھا اچھا۔ میں اب ان باتوں پہ غور کرنے کے لیے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کرتا ہوں اپنے کھوے ہوے حواسوں کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں شائد میرے متخیلہ نے یہ عالم بنا دیا ہو واہمہ کی خلاقی ہو مگر اس میں شک نہیں کہ ان تمام چیزوں میں ایک حد تک واقعیت ضرور معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ میں یہ سب خواب ہی میں دیکھ رہا ہوں لیکن جو کچھ مجھ سے اس کاسۂ سر نے

گفتگو کی ہے جو کچھ ایک پاکیزہ روح نے باتیں کی ہیں اُن میں کوئی بات خلاف
عقل نہیں معلوم ہوتی مسئلہ روح درحقیقت ایک ایسا مسئلہ ہے جسے اسوقت
تک عقلاء عالم کی عقلیں طے نہ کرسکیں کوئی کہتا ہے۔ الروح جوھر
لطیف ناری ھوائی۔ روح ایک جوہر لطیف ناری ہوائی ہے۔ کسی کا گمان
ہے الروح جسم لطیف بخاری فتکون من لطافۃ الاخلاط کما
تتکون الاعضاء عن کثافتھا۔ روح جسم لطیف بخاری ہے لطافت
اخلاط سے پیدا ہوتی ہے جس طرح اعضا کثافت اخلاط سے۔ اور اسکا منشا روح
قلب ہے کسی کا خیال ہے الروح جوھر مجرد روح ایک جوہر مجرد ہے
کہ نہ یہ جسم میں حلول کیے ہوئے ہے نہ داخل جزو بدن ہے صرف بقائے جسم
اور پرورش جسم کا اس سے تعلق ہے بعضوں کا خیال ہے کہ جسم انسانی میں
ایک روح ہے اور ایک نفس ہے روح سے انسان صرف سانس لینے اور حرکت
کرنے کا فائدہ اُٹھاتا ہے اور نفس سے عقل و ادراک کا فائدہ حکیم مطلق کہتا
ہے قل الروح من امر ربی۔ بعض کا خیال ہے کہ موجودات و مخلوقات میں
سے کوئی شے روح سے خالی نہیں چنانچہ جمادات وغیرہ میں جو روح ہے اُسے
روح طبعی کہتے ہیں حیوانات میں روح طبعی اور روح نفسانی ہے انسان میں
تین روحیں ہیں طبعی۔ نفسانی۔ انسانی۔ اور یورپ کا زبردست فلاسفر مل کی
رائے ہے کہ جس طرح مادہ کے متعلق ہمارا تصور برانگیختگی احساسات کی ایک
نامعلوم علت کا تصور ہے اُسی طرح روح کا تصور بھی ان احساسات کی
قبول کرنے والی ایک نامعلوم ہستی کا تصور ہے جس طرح مادہ ایک مجہول الماہیت
ہستی ہے جو احساسات کو اُبھارا کرتی ہے اُسی طرح روح وہ مجہول الماہیت
ہستی ہے جو ان احساسات کا محل وقوع ہے ہم کو اپنے نفس کے بارے میں

کوئی تفصیلی اطلاع نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف اسیقدر کہ وہ حالت ہمارے شعور کی ایک نازک لڑی ہے یعنی ہمارے تصورات تصدیقات جذبات احساسات وغیرہ کا ایک سلسلہ ہے یہ ایک یقینی بات ہے ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہم میں ایک ایسی شے ضرور موجود ہے جسے ہم اپنی ذات یا روح سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ درحقیقت ہمارے تمام احساسات جذبات خیالات سب سے الگ اور بالکل الگ شے ہے ہم اسکے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ صیغہ تصورات سے ایک الگ چیز ہے بلکہ حامل تصور ہے لیکن روح ایک ایسی شے ہے جسے ہرچند کہ ہم اپنی ذات سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اسکی کنہ حقیقت معلوم کرنے کا اب تک کوئی ذریعہ ہاتھ نہیں لگا ہے۔

اے میری پیاری روح مسئلہ حیات و ممات۔ اسمیں شک نہیں تیرے ثابت ہو جانے کے موقوف علیہ ہیں یہ بھی اُسوقت تک طے نہیں ہو سکتے جبتک تیرا مسئلہ حل نہ کر دیا جائے اسلیے کہ زندگی جسم و روح کے تعلق کا نام ہے موت ان کی تفریق اور علحدگی کا نتیجہ ہے مرنے کے بعد روح کیا ہوتی ہے کہاں جاتی ہے یہ کچھ نہیں معلوم ہو سکتا سب قدرت کے راز ہیں بیشک بیشک یہ سب باتیں صحیح اور قابل عمل ہیں جو کچھ میں نے اس سچے خواب میں دیکھی ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آشفتہ لکھنوی

انعدام

{ ڈرم منڈ آف ہاؤتھارن ڈین }

ہاں خبر ہے مجھکو عالم کیا سے کیا ہو جائیگا
آسماں کے نیچے جو کچھ ہے فنا ہو جائیگا

کرتا ہے انسان فانی پیدا جو کچھ دہر میں
نیست وہ اور خود وہ مرہون قضا ہو جائیگا

ارشد تھانوی

تہذیب الاخلاق

رلیف والڈو ٹرائن نے قوت خیال اور کیرکٹر کی نشوونما کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور قابل قدر مضمون ۱۹۰۱ء میں لکھا تھا جو انگلستان میں اسقدر مقبول ہوا کہ اسے کئی بار ایک چھوٹے پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا جاچکا ہے۔ یہ مضمون اس لیے اور زیادہ قدر کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے کہ اسکے لکھنے میں علم النفس و العقوی سے پوری مدد لی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ مضمون اس علم جسے انگریزی میں سائیکولوجی کہتے ہیں، کے بغیر لکھا جاتا تو ہمارے نوجوانوں کے لیے بالکل مفید نہوتا اسلیے کہ اس علم نے فلسفۂ عادت کو جس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے اور جس عمدہ پیرایہ میں یہ بتایا ہے کہ عادت کسے کہتے ہیں، کس طرح ایک کام کی عادت پڑتی ہے، کس طرح سے ہم بُری عادت کو چھوڑ سکتے ہیں اور کس طرح سے ہم اچھی عادت کو اختیار کرسکتے، متقدمین نے اسطرح سے بیان نہیں کیا۔ ہم اس مضمون کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد "فلسفۂ عادت" کے متعلق ایک بسیط مضمون لکھیں گے اور ہمیں یقین ہے کہ اسکے مطالعہ سے یہ معلوم ہوجائیگا کہ انسان کی زندگی پیدایش سے لے کر موت تک عادت کے شکنجہ میں جکڑی ہوی ہے اور یہ کہ اچھی یا خراب زندگی کا دار و مدار اچھی یا خراب عادتوں کے اختیار کرنے پر ہے جو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ فی الحال ناظرین سے یہ استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اس مضمون کو نہایت توجہ سے پڑھیں، بالخصوص والدین جنھیں اپنے بچوں کی درستی ہیں اس مضمون کے مطالعہ سے بیجا مدد ملیگی۔

ضیاءالدین احمد برنی

(۱)

ایک خیال خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا، عمل پذیر ہونے کے بعد رفتہ رفتہ عادت

بن جاتا ہے۔ زندگی کا قانون ہی ایسا ہے کہ جس طرح سے ہم اپنی خیالی دنیا میں رہتے ہیں، دیر یا سویر ہمارے وہی خیالات ہماری زندگی میں عملی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

ہم اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں بغیر جانے بوجھے عادات بنا رہے ہیں بعض عادتیں پسندیدہ ہوتی ہیں اور بعض نہایت ناپسندیدہ خیال کی جاتی ہیں بعض اگرچہ بذات خود ایسی خراب نہیں ہوتیں، تاہم ان کے اثرات نہایت خراب ہوتے ہیں اور ہمیں اکثر اوقات نقصان، درد اور تکلیف پہنچانے کا باعث ہوتے ہیں حالانکہ انکے متضاد اثرات اطمینان قلب، خوشی اور ہمیشہ بڑھنے والی قوت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات ہمیشہ ہمارے قبضۂ قدرت میں ہے کہ ہم اپنی زندگیوں میں کس قسم کی عادات اختیار کریں؟ بالفاظ دیگر کیا عادت کا بنانا اور کیرکٹر کی نشو و نما محض اتفاق پر موقوف ہیں یا وہ ہمارے حیطۂ اختیار میں ہیں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ ہاں پورے طور پر ہمارے قبضہ میں ہیں۔ ہر انسان یہ کہہ سکتا ہے اور اسے بالضرور کہنا چاہیے کہ "میں وہ بن جاؤں گا۔ جسکے بننے کا میں ارادہ کروں گا۔"

بہادری اور استقلال کے ساتھ اس فقرے کو دہرانے اور دل میں اسکی پوری اہمیت جاننے کے بعد بھی تھوڑا سا کام باقی رہتا ہے، یعنی یہ کہ اس بڑے اصول کو بتا دیا جائے جو عادات کے بنانے اور کیرکٹر کی نشو و نما کی تہ میں مضمر ہے اسلیے کہ اس سادے، قدرتی اور اعلےٰ سائنٹفک طریقہ کا جاننا سب کے لیے ضروری ہے اور یہ طریقہ وہ ہے جسکی پیروی کرنے سے پرانی، غیر مطبوع اور نہایت ذلیل عادتیں چھڑائی جا سکتی ہیں اور نئی مطبوع اور ارفع عادتیں سیکھی جا سکتی ہیں۔ اور یہ وہ طریقہ ہے جسکے ذریعہ زندگی جزواً یا کلیۃً تبدیل کی جا سکتی ہے بشرطیکہ کوئی شخص سنجیدگی کے ساتھ اسے معلوم کرنے کی خواہش کرے اور جاننے کے بعد

اس قانون کو عملی زندگی میں استعمال کرے۔

خیال ہی وہ قوت ہے جو تمام عادتوں کی تہ میں موجود ہے لیکن یہ کہنے سے ہمارا مطلب کیا ہے ہم محض یہ کہ تمہارے ہر فعل سے پیشتر خیال کا ہونا ضروری ہے یعنی یہ کہ ہر فعل کی ابتدا خیال سے ہوتی ہے۔ تمہارے زبردست خیالات ہی تمہارے زبردست افعال کا باعث ہوتے ہیں۔ ان ہی افعال کو جب دہرایا جاتا ہے تو وہ عادات کی شکل میں نمودار ہوجاتے ہیں۔ تمہاری عادتوں کے مجموعے کا نام تمہارا کیرکٹر ہے۔ تم خواہ کچھ ہی کام کرنا چاہتے ہو تمھیں اچھی طرح سے اس ابتدائی خیال کی نوعیت کو پرکھ لینا چاہیے جس پر تم اپنے ذہن میں غور کرتے ہو جو کام تم نہیں کرنا چاہتے اسکی تمھیں عادت نہیں پڑے گی۔ اسلیے اچھی طرح سے دیکھ لینا چاہیے کہ کہیں تمہارے دل میں اس قسم کا خیال تو موجود نہیں ہے جو فلاں فعل یا فلاں عادت کا باعث ہوگا۔

علم النفس کا یہ سیدھا سادا قانون ہے کہ اگر کسی خیال کو کچھ عرصہ تک دماغ میں رکھا جائے گا تو بتدریج وہ دماغ کے ان حصوں میں پہنچے گا جو جسمانی اعضا کی حرکات کے ذمہ دار ہیں اور بالآخر وہ عملی صورت میں ظاہر ہوجائیگا قتل اسی طریقہ سے کیا جاتا ہے اور جیسا کہ اکثر کیا گیا ہے دیگر ناشائستہ افعال بھی اسی طرح یعنی غور و فکر کے بعد سرزد ہوتے ہیں۔ برخلاف اسکے اعلےٰ درجہ کی طاقتیں اعلےٰ روحانی اوصاف اور نہایت بہادرانہ کام بھی اسی طریقہ کی پیروی کے بعد افعال کی شکل میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ ہر فعل میں خیال کا ہونا ہمیشہ ضروری ہے۔ اور یہ امر بالکل ہمارے قبضۂ قدرت میں ہے کہ ہم کس قسم کے خیالات اپنے دل میں رکھیں۔ ہم اپنے دلوں کی سلطنت پر کامل تسلط

رکھتے ہیں یا نہیں رکھنا چاہیے، اور اگر کسی وقت وہ اقتدار جاتا ہے تو پھر ایک ایسا طریقہ ہے جسکے ذریعہ ہم پھر اسے حاصل کر سکتے ہیں اور خیالات کی سلطنت کے خود مختار بادشاہ بن سکتے ہیں۔ معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی غرض سے ہمیں اس بات پر ایک لمحہ کے لیے غور کرنا چاہیے۔ اسلیے کہ اگر خیال ہمارے افعال، عادات، "کیرکٹر"، زندگی کی ابتدا اور سرچشمہ ہے تو یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم جان لیں کہ کس طرح سے اپنے خیالات کو قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔

یہاں پر ہم دماغ کے اس اصول کا حوالہ دیتے ہیں جو نظام اعصاب کے اصول کے مانند ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کبھی ہم کسی خاص کام کو کسی خاص طریقہ سے کرتے ہیں تو پھر دوسری دفعہ اسی کام کو اسی خاص طریقہ سے انجام دینا زیادہ آسان ہوجاتا ہے، اور پھر اگر اس کام کو بار بار دھرایا جائے تو اور زیادہ آسان ہوتا جاے گا حتے کہ وہ وقت آجائیگا جب کہ اس کام کو انجام دینے میں کسی کوشش کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر کوشش کی ضرورت بھی ہوگی تو وہ محض براے نام ہوگی بلکہ برخلاف اسکے متضاد کام کرنے کے لیے سخت کوشش درکار ہوگی۔ دماغ میں یہ قوت ودیعت کی گئی ہے کہ ہم جس خیالات کو اپنے میں رکھ سکے، ٹھیک جس طرح کہ نظامِ اعصاب میں یہ قوت ہے کہ خاص افعال کی ادائگی کو بتدریج زیادہ آسان بنادیا جائے، اس طور سے اپنے خیالات پر قابو پانے کے لیے معمولی کوشش[1] (خواہ شروع میں ناکامیابی ہی

---

[1] سائنس کا یہ ایک مسئلہ اصول ہے کہ Action (عمل یا کوشش) اور Reaction (نتیجہ یا اثر) ایک دوسرے کے برابر ہوتا ہے۔ ہم ایک خراب عادت کے ترک کرنے میں جتنی قوت (خواہ وہ اخلاقی ہو یا مذہبی یا سوشل) خرچ کرتے ہیں وہ ضائع نہیں جاتی بلکہ دماغ میں محفوظ رہتی ہے۔ اسلیے اس اصول کی بنا پر ابتدائی ناکامی سے افسردہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ کوشش

مُنھ دکھلائے یا کچھ عرصہ تک ناکامی کے علاوہ اور کچھ نتیجہ نہ نکلے، ابھی دیر یا سویر ایک مقررہ وقت کے بعد انسانکو کلّی طور پر اور نہایت آسانی کے ساتھ خیالات پر قابو حاصل کرنے کے قابل بنا دے گی۔

ہر شخص اپنے خیالات کو قابو میں لانے کی قوت پیدا کر سکتا ہے اور نیز یہ قوت کہ کس قسم کے خیالات اسے اپنے دل میں رکھنے چاہئیں اور کس قسم کے نہیں رکھنے چاہئیں۔ ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ہر سنجیدہ کوشش انتہائی مقصد کو ہر آنے والی کوشش سے زیادہ قریب لے آتی ہے خواہ ابتدائی کوششوں کا نتیجہ بظاہر ناکامی ہی ہو۔ یہ وہ معاملہ ہے جہاں ناکامی ہی کوشش کا مترادف سمجھی جاتی ہے اسلیے کہ ناکامی ہماری کوشش میں نہیں ہے اور ہر سنجیدہ کوشش اس قوت کا ہم میں اضافہ کر دیتی ہے جو بالآخر ہمارے پیش نظر مقصود کو پورا کرا دے گی۔ ان امور پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہم اس طاقت کو کما حقہ حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم کس قسم کا کیرکٹر بنائیں یا کس قسم کے خیالات اپنے ذہن میں رکھیں۔

اب ہم چند مثالیں پیش کر کے اپنے پوائنٹ کو واضح کرتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص ہے جو ایک بہت بڑی تجارتی فرم میں یا کسی بنک میں خزانچی ہے۔ وہ صبح اخبار میں پڑھتا ہے کہ ایک شخص یکایک مالدار ہو گیا ہے اور اس نے تجارتی کام میں روپیہ لگا کر چند ہی گھنٹوں میں ۵ لاکھ روپے یا ایک ملین ڈالر(۱) پیدا کر لیے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس نے ایسی ہی خبر کسی دوسرے شخص کی نسبت بھی

کرتے رہنا چاہیے حتیٰ کہ وہ وقت آ جائیگا جب ذرا سی آخری قوت لگانے سے ہماری خراب عادت جاتی رہے گی یہ کامیابی ہماری اگلی پچھلی کوششوں کا نتیجہ ہو اور اسلیے نتیجہ اور عمل ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ مترجم

(۱) ایک ملین دس لاکھ کا ہوتا ہے۔ ڈالر امریکہ کا سکہ ہے اور تین روپیہ دو آنے کے مساوی ہوتا ہے۔ مترجم

پڑھی ہو جس نے اسی ترکیب سے دولت حاصل کی ہے۔ وہ اس قسم کی ایک دو مثالوں سے پورے واقعہ کو سمجھنے سے قاصر رہے گا اس لیے کہ اگر بنظر تحقیق غور کرے گا تو اسے صاف معلوم ہو جائیگا اسی کام میں سو ڈیڑھ سو سے زیادہ آدمی اپنا سارا روپیہ برباد کر چکے ہیں۔ مگر وہ ان دو شخصوں کا حال معلوم کر کے یہ خیال کر لیتا ہے کہ میں بھی خوش نصیب لوگوں میں سے ہوں گا۔ مگر یہ بیوقوفی ہے اسلیے کہ اس امر سے ناواقف ہے کہ دولت دیانتدار طریقہ سے بآسانی پیدا نہیں کی جا سکتی وہ دوسروں کے بچت کے روپیہ میں سے کچھ نکال کر اسی کام میں لگا دیتا ہے اور جیسا کہ کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آتا ہے اسکا روپیہ ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ سمجھکر کہ اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میرا روپیہ کیوں ضائع ہوا اور یہ کہ اگر میرے پاس زیادہ روپیہ ہوتا تو میں ضائع شدہ روپیہ واپس لے لیتا، اور اس طریقہ سے بعجلت خاصی دولت پیدا کر لیتا، اسکے دل میں اب یہ خیال آتا ہے کہ میں وہ باقی روپیہ بھی اسی کام میں لگا دوں جو میرے پاس امانتاً موجود ہے۔ ایسے کاموں میں ۹۰ فیصدی جو نتائج برآمد ہوتے ہیں، خزانچی کے معاملہ میں بھی وہی نکلے اور آخر اسے بتا دیا کہ آگے بڑھنا فضول ہے جو کچھ ہم پیچھے بڑھ آئے ہیں اسکی روشنی میں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا یہ ممکن تھا کہ اس شخص کا روپیہ ضائع نہ ہو اور وہ بالکل محفوظ رہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ جوں ہی اسکے دل میں اپنے مقاصد کے لیے دوسروں کا زر امانت استعمال کرنے کا خیال آیا اگر وہ عقلمند آدمی ہے تو وہ فی الفور اس خیال فاسد کو اپنے دل سے دور کر دے گا۔ اور اگر وہ بیوقوف ہے تو وہ اس خیال کو اپنے دل میں جگہ دے گا اور اس پر غور و فکر کرتا رہے گا۔ جتنا زیادہ وہ اس پر غور کرے گا اتنا ہی زیادہ وہ خیال اسپر حاوی ہو جائے گا، ہر وقت اسکی توجہ اس خیال کی طرف لگی رہے گی

حتیٰ کہ وہ خیال اسکے مرضی کا مالک بن جائے گا اور رفتہ رفتہ بے عزتی، شرم، ذلت، ندامت اور افسوس اسکے حصے میں آجائیں گے۔ یہ امر اسکے لیے آسان ہے کہ خیال کے ذہن میں آتے ہی اسے نکال دیا جائے، لیکن جوں جوں وہ اسپر غور کرے گا، اس خیال کی قوت اسقدر زیادہ ہوجائے گی کہ پھر اسکا دل سے نکالدینا نہایت مشکل ہوجائے گا اور کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ایسا کرنا عملی طور پر بالکل ناممکن ہوجائے گا۔ دیا سلائی کی روشنی نے جو شروع میں سانس کی ذراسی کوشش سے بجھ سکتی تھی، ایک ایسی زبردست آگ لگادی ہے جو تمام عمارت میں لگ رہی ہے اور اب اسکا بجھانا بالکل نہیں تو کم سے کم تقریباً ناممکن ضرور ہے۔

اب ایک اور مثال کے ذریعہ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عادت کس طرح بنتی ہے اور کس طرح سے اسے ترک کیا جا سکتا ہے۔ ایک نوجوان شخص کی مثال لیجیے جو خواہ غریب والدین کا لڑکا ہو یا امیر والدین کا، سوشل لحاظ سے خواہ اسکی پوزیشن معمولی ہو خواہ اعلےٰ۔ وہ ایک نیک دل آدمی ہے، اسکے خیالات اچھے ہیں اور ہم عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ وہ اچھا آدمی ہے۔ وہ کسی خوشگوار موسم میں اپنے چند دوستوں کی معیت میں باہر جاتا ہے تاکہ کچھ وقت سیر و تفریح میں بسر کرے۔ اسکے دوست بھی اسی کی طبیعت کے ہیں اور بعض وقت وہ بے پروا ہو کر بھی گفتگو کرنے کے عادی ہیں۔ اب ان میں سے ایک یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ آؤ چلیں اور کچھ پئیں۔ ہمارے نوجوان دوست نے اس تجویز کو سنا اور سنتے ہی شراب پینے کے نتائج پر غور کرنے لگا آخر اس نے دوسرے دوستوں کی راے سے اتفاق کرنا بہتر سمجھا۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد وہ اس حقیقت پر پہنچ گیا کہ کیرکٹر کی شرافت اور طاقت اسمیں

مضمر ہے کہ انسان آخر وقت تک حق کا ساتھ دے اور باطل کی کسی بات سے متاثر نہ ہو تاکہ حق کی حمایت کو ضعف نہ پہنچے۔ یہ خیال کرکے وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ شراب خانہ جاتا ہے مگر پیتا نہیں۔ ایسی جگہ جانے کا اتفاق اسے کبھی کبھی پڑتا ہے اور ہر دفعہ اسکی انکاری قوت گھٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہانتک کہ اسے منشیات کا چسکہ لگ جاتا ہے اور وہ اکیلے میں کبھی کبھی شراب کا استعمال کرنے لگتا ہے۔ اسے کچھ خبر نہیں کہ شراب نوشی اسے کس حالت کو پہنچا دے گی حتی کہ وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ اب شراب نوشی کی خواہش کو اپنی طاقت سے مغلوب کرنے سے عاجز ہے۔ رفتہ رفتہ ہم اسے دیکھتے ہیں کہ وہ حجاب و شرم کی تمام منازل طے کرچکا ہے اور مسلمہ شراب خوار بن گیا ہے" یہ ایک پرانی داستان ہے جسے ہزاروں بلکہ لاکھوں دفعہ دہرایا گیا ہے۔

وہ آخر کار اپنی اصلی حالت کو پہچان لیتا ہے اور شرم، افسوس، ذلت کے خیالات میں وہ کہتا ہے کہ کاش! وہ دن پھر میسر آجائیں جب کہ میں آزاد تھا اور شراب خواری کی بد عادت میں گرفتار نہ تھا۔ لیکن اسکی زندگی سے امید کا عنصر تقریباً جاتا رہا ہے۔ یہ امر اسکے لیے زیادہ آسان تھا کہ وہ شرابخواری شروع نہ کرتا اور اسکے لیے یہ بھی زیادہ آسان تھا کہ وہ اس حالت پر پہنچنے سے پیشتر ہی رک جاتا۔ لیکن اس گئی گذری حالت میں بھی خواہ وہ کیسا ہی عاجز، لاچار اور ناامید ہوگیا ہو اس میں یہ طاقت موجود ہے کہ اگر تب وہ پھر آزاد ہو جائے۔ آؤ دیکھیں کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ شراب کی خواہش پھر اسکے دل میں موجزن ہوتی ہے۔ اگر پھر وہ اس خیال اور اس خواہش کا خیال کریگا تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بھنور میں ڈوب گیا۔ اسکی رہائی اور اس مذموم عادت سے پیچھا چھڑانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ جوں ہی یا جس لمحہ شراب نوشی کا خیال

اسکے دل میں آئے، اگر وہ اسی وقت اسے دل سے دور کردے گا تو گویا اس نے دیا سلائی کے چھوٹے سے شعلہ کو بجھایا۔ اور اگر اس نے خیال کو دل میں سمانے دیا تو چھوٹا سا شعلہ بہت جلد ایسی زبردست جانسوز آگ بن جائیگا کہ پھر اسکے فرو کرنے کی کوشش تقریباً بے سود ہوگی۔ خیال کو دل سے اسی وقت دور کردینا چاہیے جوں ہی کہ وہ دل میں داخل ہوتا ہے۔ اس کو دل میں رکھنے کا مطلب ناکامی اور شکست ہے یا یہ کہ وہ اس سے زیادہ سخت کشمکش ہے جتنی کہ شروع ہی میں خیال کو دل سے نکالنے میں ہوتی۔

یہاں پر ہم ایک بہت بڑے اصول کو بیان کرتے ہیں جو خراب عادات سے پیچھا چھڑانے میں نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک مذموم خیال زیادہ آسانی اور زیادہ کامیابی کے ساتھ اس طرح دل سے نہیں نکالا جاتا کہ اس پر زیادہ دیر تک سوچ بچار کیا جائے یا اسے بغیر کسی واسطہ کے نکال دینے کی کوشش کی جائے بلکہ یہ کہ انسان کسی دوسرے اچھے کام کی مشغولیت کرے۔ ایسا کرتے سے خراب خیالات پیچھا چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن یہ کام اس خیال سے بالکل مختلف اور متضاد ہونا چاہیے جسکے دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ دل آسانی کے ساتھ بہل جائے۔ رفتہ رفتہ دماغ اسمیں منہمک ہو جائے گا اور ناپاک خیالات کے حملہ کا خطرہ جاتا رہے گا۔ اسی عمل کو بار بار دہرانے سے انسان میں یہ قوت زیادہ ہو جائے گی کہ وہ شراب یا کسی اور مکروہ خیال کے آتے ہی اسے دل سے فی الفور نکال دے اور اس کے بجائے دل میں عمدہ اور پاکیزہ جذبات پیدا کرلے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ شراب کا خیال آنا بہت کم ہو جائیگا اور پھر جب کبھی وہ آیا بھی تو بآسانی رفع کیا جا سکے گا، یہانتک کہ ایک دن وہ آئے گا جب کہ اس کا خیال بالکل جاتا ہی رہے گا۔

ایک اور مثال لو۔ ممکن ہے کہ تم ذرا چڑچڑے مزاج کے ہو اور باسانی ناراض ہو جانے کے عادی ہو۔ کوئی شخص تمھیں کچھ بات کہتا ہے اور تم غصہ کا اظہار کرنے لگ جاتے ہو۔ جتنا زیادہ تم اس غصہ کو ظاہر کرنے کی اجازت دیتے ہو اتنا ہی زیادہ تمھارے لیے یہ آسان ہو جائے گا کہ تم ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہونے لگو مزید براں پھر تمھارے لیے یہ بہت مشکل ہو جائے گا کہ تم غصے سے اپنے آپ کو بچا سکو یہاں تک کہ ناراضی اور غصہ کے علاوہ نفرت اور انتقام تمھاری فطرت کی عادات ہو جائیں گی اور خوش مزاجی، محبّت اور عفو جیسے خوبصورت خصائل تم سے دور ہو جائیں گے۔ اگر بالفرض تم ناراضی اور غصے کے جذبہ کو اسکے ظاہر ہونے کے وقت ہی دبا دو گے اور اپنے خیالات کو کسی اور طرف لگا لو گے تو ایسا کرنے کی طاقت میں اضافہ ہو جائے گا اور پھر تم زیادہ آسانی کے ساتھ غصہ کے جذبہ کو نکال سکو گے یہانتک کہ ایک زمانہ وہ آئے گا جب کہ تم کسی بات پر بھی برہم نہ ہو گے اور کوئی چیز تمھیں اظہار غصہ پر مائل نہ کر سکے گی یہانتک کہ خوش مزاجی اور لاثانی محبّت کے جذبات تمھاری فطرت میں داخل ہو جائینگے اور یہ دونوں صفات ایسی ہیں جن کا تم اسوقت مشکل سے اندازہ کرنے کے قابل ہو اور اسی اصول کے مطابق ہم یکے بعد دیگرے ہر مثال کے ہر کیرکٹر اور ہر عادت کو درست کر سکتے ہیں۔ عیب چینی کی عادت اور اس کی متضاد عادت ایک ہی طریقے سے نشو و نما پاتی ہیں۔ حسد کی عادت اور اسکی متضاد عادت، خوف کی عادت اور اسکی متضاد عادت سب اسی اصول کے ماتحت ہیں۔ اسی طریقہ سے ہم اپنے دل میں محبت یا نفرت کے جذبات پیدا کر سکتے ہیں، اسی طریقہ سے ہم زندگی کے متعلق یاس انگیز پہلو اختیار کر سکتے ہیں اور اپنی طبیعت کو افسردہ بنا سکتے ہیں یا ہم وہ امید افزا بشاش

پہلو سے سکتے ہیں جس کا نتیجہ خوشی، خوبصورتی اور طاقت ہے اور جسکے ذریعہ ہم تمام دنیا میں امید، خوشی اور فیض کی شعاعیں پہنچا سکتے ہیں۔

انسانی زندگی کے متعلق یہ بات کسقدر سچائی سے لبریز ہے کہ جس قسم کے خیال و تصور کی مداومت ہم اپنے دماغ میں کرتے رہتے ہیں، ہم ویسے ہی بنجاتے ہیں۔ یہ لفظی اور معنوی طور پر صحیح ہے کہ "انسان جس قسم کا خیال اپنے دل میں لاتا ہے وہ ویسا ہی بن جاتا ہے" ویسا بن جانا اس کا کیرکٹر ہے اور کیرکٹر بجاے خود اسکی عادات کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسکی عادات بار بار کے افعال کے بعد پختہ ہوی ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے ہر فعل کی ابتدا خیال سے ہوتی ہے۔ اور واقعی بات بھی یہی ہے۔ ایک طرف خیال ہے اور دوسری طرف کیرکٹر، زندگی اور قسمت ہیں۔ اور یہ ذہن نشیں کرنا کس قدر آسان امر ہے کہ کیرکٹر زندگی اور قسمت موجودہ وقت کے خیال، اسکے بعد کے خیال اور اس طرح ساری زندگی کے خیالات کا دوسرا نام ہے۔

(باقی آیندہ)

ضیاالدین احمد برنی۔ بی۔ اے۔

اخباری لغات

معتبر اخبارات کی رائیں

لیڈر:۔ کتاب ایک نہایت اچھی کوشش ہے۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ:۔ الفاظ کی تشریح بہت سلیس اور عام فہم اردو زبان میں کی گئی ہے یہ کتاب اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے اور ہماری رائے میں بہت مفید بھی ہے۔

مشرق:۔ انگریزی نجاننے والوں کو اپنے پاس رکھنا چاہیے۔

پیسہ اخبار:۔ اردو اخبار بینوں کے حق میں بہت مفید ہے۔

الفضل:۔ کتاب اپنی نوعیت میں بڑی مفید ہے اور لٹریچر کے اندر ایک ضروری اضافہ۔ قیمت ۱۰ / علاوہ محصول۔

ضیاء الدین احمد برنی۔ ٹیچر تھیوسوفیکل اسکول۔ کانپور سے ملتی ہے۔

تصویرِ بہار

خواب آور چلی آتی ہیں ہوائیں کیا کیا ابر مینا ہ چلو اُٹھیں گھٹائیں کیا کیا
کوئلیں کوکیں پپیہوں نے مچایا اک شور ہر طرف گونج رہی ہیں یہ صدائیں کیا کیا
ذرہ ذرہ نظر آتا ہے چمن کا گلپوش قوّتِ فصلِ بہار اور دکھائیں کیا کیا
دامنِ قوس قزح دیکھو جو دیکھا جائے اور رنگین نمونے نظر آئیں کیا کیا
شوخیٔ رنگ سے آنکھوں میں کھبی جاتی ہیں شاہدانِ چمنی کی یہ قبائیں کیا کیا
دامنِ کوہ ہو صحرا ہو کہ صحنِ گلشن جس طرف آنکھ اُٹھاؤ ہیں فضائیں کیا کیا
باغ کا باغ ہے خلوت کدۂ راز و نیاز اور قصے گل و بلبل کے سنائیں کیا کیا
جو نظر آتے ہیں باغ میں گلچیں صیاد اور دیکھیں ابھی نازل ہوں بلائیں کیا کیا
ابرِ گلشن پہ بھی میخانے پہ بھی چھایا ہے دلِ حسرت زدہ اُمیدیں بر آئیں کیا کیا
مجتمع ہو گئیں بوتل کی ہوا میں چلیں تہ بہ تہ دیکھنا اُٹھی ہیں گھٹائیں کیا کیا
مے پرستوں کے قدم گھر میں نہیں ٹک سکتے تیز ہوتی چلی جاتی ہیں ہوائیں کیا کیا
زاہدو! تم بھی بس اب میکدہ آباد کرو کر چکے نفس پہ تم اپنے جفائیں کیا کیا
مے و مینا بھی ہے گلشن بھی ہے ساقی بھی ہے دلِ پُر شوق بتا لطف اُٹھائیں کیا کیا
کوئی لیتا ہے جماہی تو کوئی انگڑائی دورِ تاثیرِ خمار آ گئے بتائیں کیا کیا
کیفِ نظارہ سے بیخود ہے ہر اک بادہ پرست دورِ ساغر میں ہیں ساقی کی ادائیں کیا کیا
آنکھیں کھلنے لگیں ساقی اُٹھا ہوش اُڑ گئے یاد اب کس کو ہے مانگی تھیں دعائیں کیا کیا

پی تو لی کھل کے ترے ہاتھ سے آج اے ساقی
دیکھو اب ساتوں فلک آفتیں ڈھائیں کیا کیا

(ج ب ریاست ...)

خانہ جنگی

(۱)

سلطان محمود غازی (غزنوی) کے سات فرزند شہزادگان محمدؒ۔ مسعودؒ۔ ابراہیمؒ اسمٰعیلؒ۔ عبدالرشیدؒ۔ نصرؒ اور محمود (ثانی) تھے۔ مسعود اور محمد بڑے تھے۔ لیکن ان میں محض ایک دن کی چھوٹائی بڑائی تھی۔ مسعود ایک یوم بڑا تھا۔ افسوس یہی امر مستقبل میں باعث نزاع اور بالآخر سبب زوال دولت غزنویہ ہوا۔ تفصیل آئندہ آئے گی۔

یہ دونوں بھائی (مسعود و محمود) تعلیم۔ اخلاق حسنہ اور دینداری کے لحاظ سے مساوی تھے۔ لیکن شجاعت۔ تجربہ حکومت اور جود و سخاوت میں شہزادۂ مسعود ممتاز تھا۔ چنانچہ وہ ایام شہزادگی ہی میں قزوین۔ رے۔ ہمدان اور طارم کو تسخیر کر کے اپنی فاتحانہ قابلیت کا ثبوت بہم پہنچا چکا تھا۔ ملوکان ڈیلمی کو بھی اسی نے زیر کیا تھا۔

با این ہمہ مورخین کا بیان ہے کہ محمود غازی نے اپنا جانشین شہزادہ محمد ہی کو کرنا چاہا تھا۔ نامزدگی اور ولیعہد بنانے کی رسم اصول اسلام کے منحرف ہے۔ اسلام مجلس شوریٰ کا نظام ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ عام رائے جسے انتخاب کرے وہی حاکم ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہی نامزدگی دولت غزنویہ کے زوال کا باعث ہوئی۔ اصول اسلام کے انحراف کے نتائج قدرتی طور پر یہی ہونا چاہیے تھے۔ تعجب تو یہ ہے کہ سلطان محمود جیسے دیندار شخص کو اس کی جرأت کیونکر ہوئی ؟!

غازی محمود کی دلی آرزو تھی کہ اسکے بعد اسکی اولاد میں حکومت کے لیے نزاع اور خونریزی نہ ہو اور اس نے اس امر کی اپنی حیات ہی میں کوشش کی۔ مگر افسوس کہ وہ بار آور نہ ہوئی۔

اس وقت سلطان محمود غازی عراق میں ہے۔ شہزادہ مسعود بھی یہیں موجود ہے۔ رات کا وقت ہے اور یہ دونوں قلعہ کے ایک آراستہ و پیراستہ کمرہ میں بیٹھے ہوئے کسی اہم معاملہ میں گفتگو کر رہے ہیں۔ اسوقت یہاں پر صرف دو ہی آدمی ہیں۔ غلام کو بھی باہر بھیجدیا گیا ہے۔

سلطان نے شہزادہ سے خطاب کیا۔

"جان پدر! میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم میرے بعد اپنے برادر شہزادہ محمدؔ سے کس طرح پیش آؤگے!"

شہزادہ مسعود نے معاً جواب دیا۔

"بالکل اسی طرح جس طرح حضرت ظل سلطانی اپنے بھائی کے ساتھ پیش آئے تھے[1]!"

[1] امیر سبکتگین کی وفات کے بعد شہزادہ اسمٰعیل نے تخت پر قبضہ کرلیا۔ اسوقت شہزادہ محمود خراسان میں تھا۔ یہ خبر افسوس کے ساتھ سُنی اور بھائی کو لکھا کہ میں عمر اور تجربہ کے لحاظ سے فوقیت رکھتا ہوں، اسلیے مرکزی حکومت (غزنی) میرے سپرد کردو۔ میں حکومت بلخ تمہیں دیتا ہوں۔ کما تیار تجیف بھی تم ہی رہوگے۔ اسمٰعیل نے اسکا جواب کچھ نہ دیا۔ اب دونوں جانب فوجیں اجتماع ہونے لگا۔ محمود نے میدان کارزار گرم ہونے سے قبل مصالحت کی کوشش کی مگر بے سود۔ مقابلہ ہوا تو محمود ہی غالب رہا۔ اسکے بعد دونوں بھائی باہم ملے اور بعد عذر و معذرت صلح و صفائی ہوگی۔ محمود سلطان بنا۔ اسمٰعیل حکومت خراسان پر مامور ہوا۔ اسکے بعد ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ ایک شب کو دونوں بھائی بیٹھے

سلطان یہ سُن کر چونک پڑا، پھر اس شہزادہ کو نرمی سے سمجھایا کہ اس قسم کے خیالات فاسدہ کو اپنے دل میں جگہ نہ دے

تھوڑی دیر بعد کہا کہ

"تم اسی وقت میرے روبرو حلف اُٹھاؤ کہ موجودہ حکومت و امارت پر قناعت کروگے! اور اپنے بھائی سے دست و گریباں ہونے کی کوشش نہ کروگے"

شہزادہ مسعود نے کسی قدر تامل کے بعد جواب دیا کہ

میں ظلِ سبحانی کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنے لیے مایۂ سعادت مندی سمجھتا ہوں! لیکن اظہار حقیقت بھی امر ضروری ہے، فرض کیجیے کہ آج میں نے یہ حلف اُٹھایا اور کل مجھے میرے جائز حقوق یعنی ترکۂ پدری سے محروم کردیا گیا؟!

میں بھی آخر حضرت ظلِ سبحانی کا جگر گوشہ اور بیٹے مستحق عنایات سلطانی ہوں! میں بھی حسب حکم شریعت شریفہ ترکۂ پدری کا استحقاق رکھتا ہوں!

یہ سُن کر سلطان نے شفقت سے فرمایا۔

"جانِ پدر! اس دورانہ کار اور بے جا بدگمانی کی ضرورت نہیں! تمھارا حصہ بخراتم کو ضرور دیا جائے گا! - تو اب حلف اُٹھاؤ کہ بھائی سے آمادۂ پرخاش نہ ہوگے!

(بسلسلۂ صفحۂ ماسبق) ہوئے گفت و شنید میں مصروف تھے۔ کہ سلطان محمود نے بلا کسی خاص خیال کے کہا کہ بھائی جان! اگر اقبال تمھاری تائید کرتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟ اسمٰعیل شاید غنودگی کی حالت میں تھا۔ اسکی زبان سے دفعتہً نکلا کہ میں تمھیں قلعہ کے اندر نظر بند کرتا مگر تمھارے لیے ہر قسم کا سامان آسائش مہیا کردیتا۔ یہ سُنکر سلطان چونک پڑا اور اسے بہتری اسی میں نظر آئی کہ اسمٰعیل کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کیا جائے۔ ورنہ مستقبل میں اندیشہ فتنہ پردازی ہے۔ چاہ کن را چاہ درپیش! افسوس!!!

شہزادہ مسعود نے سنجیدہ چہرہ بنا کر جواب دیا۔ کہ
"میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت سلطان کے ہر ایسے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں جو غیر منصفانہ نہ ہو۔ لیکن بحالات موجودہ مشکل یہ ہے کہ میں یہاں ہوں اور بھائی محمدؔ غزنی میں بیٹھے ہیں اب اگر آج وہ یہاں موجود ہوتے اور حلف اُٹھا کر مجھے ترکۂ پدری سے محروم نہ کر دینے کا اقرار کرتے تو مجھے بھی قسم کھانے میں تامل نہوتا! لیکن ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں یہ معاملہ بہ آسانی طے ہونے والا نہیں۔
یہ گفتگو یہیں تک رہی۔ آخری فیصلہ کچھ نہوا۔ اگلے روز سلطان نے غزنی کو کوچ کیا۔

---(۲)---

سنہ ۴۲۱ھ میں سلطان محمود غازی رہ گزائے عالم بقا ہوا تو شہزادہ محمدؔ بہ امداد وزیر حسن میکائیل تخت غزنی پر قابض ہو گیا سلطان مرحوم نے اسی کی تخت نشینی کی وصیت کی تھی۔ اس وقت شہزادہ مسعود جو عمر میں اپنے بھائی محمدؔ کے برابر اور قابلیت اور شجاعت میں اس سے بہت بڑھا چڑھا تھا۔ ہمدان میں مقیم تھا۔
شہزادہ مسعود نے بھائی کی تخت نشینی کی خبر سُنی تو ہمدان سے خراسان آیا اور یہاں سے ایک مراسلہ اسکے پاس بھیجا۔ بارہ بج چکے ہیں۔ آفتاب عین نصف النہار پر چمک رہا ہے۔ دربار غزنی۔ درباریوں سے پُر ہے۔ سلطان محمدؔ بن سلطان محمود غازی تخت غزنی پر جلوہ افروز ہے۔ وزرا۔ امرا۔ فوجی افسر۔ اور تمام درباری۔ قرینہ سے اپنی اپنی جگہ حاضر ہیں۔
خراسانی ایلچی جو شہزادہ مسعود کا مراسلہ لے کر آیا ہے۔ باریاب ہے۔
سلطان نے نظر اُٹھا کر وزیر اعظم کی جانب اشارہ کیا وزیر نے فوراً وہ تحریر قاصد سے لے کر سلطان کے گوش گذار کرنی شروع کی۔

حضرت برادر گرامی قدر! تخت نشینی آپ کو مبارک! خدا برکت دے۔ اب جبکہ سلطنت حضرت قبلہ گاہی خلد آشیان نے آپ کے سپرد کردی ہے تو میں اسکا مطالبہ کرنا ایک امر فضول سمجھتا ہوں۔ نیز ترکہ پدری سے بھی دستبردار ہوتا ہوں۔ مجھے بلاد جبال۔ عراق اور طبرستان ہی کی حکومت کافی ہے جو والد بزرگوار نے اپنی حیات میں مجھے عطا کردی تھی۔ البتہ آپ سے اسقدر چاہتا ہوں کہ سکوں پر میرا بھی نام سکوک مضروب ہو! اور چونکہ میں عمر میں بڑا ہوں لہذا پہلے میرا نام ہونا چاہیے۔ خطبہ میں بھی میرا نام مقدم رکھا جاے۔ امید ہے کہ سلطان ان امور کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے!

سلطان محمد۔ (کرخت آواز سے) وزیر سے مخاطب ہوکر، کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ یہ مطالبہ جائز ہے؟!

وزیر (محض براہ خوشامد) ہرگز نہیں!

سلطان۔ مسعود کا یہ مراسلہ محض گستاخانہ ہے! آخر اُسے اسقدر جرأت کیونکر ہوی؟ اُسے ضرور سزا ملنی چاہیے!

وزیر۔ فی الحقیقت مقتضاے سیاست یہی ہے کہ ایسے سرکش اور دہن دریدہ لوگوں کی سرکوبی کی جاے!

سلطان۔ (جنرل خواجہ ایاز سے مخاطب ہوکر) اس بارہ میں تمھاری کیا راے ہے؟!

خواجہ ایاز۔ جو حضرت سلطان جہاں پناہی کی مرضی! ۔ مجھے مجال دم زدن کہاں؟!

سلطان۔ تمھارے ان الفاظ سے مترشح ہے کہ اس بارہ میں تمھارا خیال کچھ اور ہے!۔ پس تم اب اپنی راے صاف صاف بیان کرو تکلف و تصنع کی ضرورت نہیں!

خواجہ ایاز۔ (جرأت و صداقت کو کام میں لاکر) جب حضرت ظل سبحانی اسقدر اصرار فرماتے ہیں اور میری راے ناقص کو اسقدر اہمیت دیتے ہیں تو ایسی حالت میں مجھ جیسے دیرینہ نمک خوار اور قدیمی ہوا خواہ دولت کا یہ فرض ہونا چاہیے

کہ حق گوئی اور صداقت سے کام لے۔ گو وہ بظاہر سراسر خلاف نظر آئے۔ اس لیے کہ حقیقی ہوا خواہی اور خیر سگالی کا تقاضا یہی ہے۔ بہت سے امرا اور درباری ہیں۔ جن کی کوشش یہ ہوا کرتی ہے کہ شاہی خاندان کے ارکین کے دلوں میں نفاق و تفریق کا تخم بوئیں اور اس طرح اپنا اُلو سیدھا کریں۔ اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اقتدار سلطنت کو صدمہ پہنچتا اور اسباب کمزوری پیدا ہوجاتے ہیں! پناہ بخدا میرے دل ودماغ میں ایسے ناپاک کمینہ جذبات کی گنجائش نہیں!۔ بلکہ میری دلی آرزو یہ ہے کہ دولت غزنویہ کو پھولتے پھلتے۔ اور سلطان آنجہانی کے عہد سے زیادہ سرسبز دیکھوں۔ لیکن یہ بات اُسی وقت ہوسکتی ہے۔ جب وارثان ودعویداران حکومت میں کافی اتحاد واتفاق کے جذبات موجود ہوں۔ طوائف الملوکی اور رشک وحسد کا دخل نہ ہو۔ افسوس کہ جو اندیشہ سلطان خلد آشیاں کے مرکوز خاطر تھا اب وہی رونما ہے۔ کاش یہ نہ ہوتا!۔

شہزادۂ مسعود کو امید تھی کہ تاج وتخت کا مالک وہی ہوگا۔ لیکن زمانہ نے یہ سہرا آپ کے سر چڑھایا۔ شاید یہی خیال کرکے مسعود نے اس معاملہ کو تقدیر پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ اُس نے حضور کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ حالانکہ وہ قبل ازیں اپنی سلطنت کے خواب دیکھتا تھا۔ عام رائے بھی اسی کی موید تھی۔ ان تمام حالات کو مدِّ نظر رکھ کر اگر دیکھا جائے تو اور کسی خیال سے نہیں تو محض رفع نزاع ہی کے لیے شہزادہ کے یہ مطالبات منظور کرلیے جائیں! سلطان تو اس صورت میں بھی اعلیٰ حضرت ہی رہیں گے! اور مسعود کو عملاً کاروبار سلطنت سے تعلق نہ ہوگا سکہ وخطبہ میں محض برائے نام اس کا نام ہوگا۔ اس میں سلطان کا کیا ہرج؟ شہزادہ کی ضد پوری ہوجائے گی! فائدہ یہ ہوگا کہ

آداب سلطنت بدستور قائم رہے گا۔ اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو ریشہ دوانی کا موقع نہ ملے گا۔ میرے دل میں جو کچھ تھا۔ صاف صاف عرض کر دیا۔ اور ہر ایک ہوا خواہ سلطنت کا یہی حقیقی فرض ہے!"

سلطان نے یہ معنی خیز تقریر نہایت غور و تدبر سے سُنی۔ اور جب مقرر خاموش ہوا تو ایک معنی خیز نظر اُسکے چہرہ پر ڈالی جس میں کسی قدر تلخی اور ترشی ملی ہوئی تھی۔

سلطان۔ (جنرل علی خویشاوند سے) اور تم اس بارہ میں کیا رائے رکھتے ہو!؟!

علی۔ خواجہ ایاز، قدیمی ہوا خواہ سلطنت اور دیرینہ بہی خواہ دولت ہیں علاوہ ازیں یہ سیاسی معاملات میں وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ اُن کی رائے فی الحقیقت دانشمندانہ اور خیر خواہانہ ہے لہذا مجھے ان سے کلی اتفاق ہے!

سلطان۔ (علی کو گھور کر) بہت اچھا تم لوگوں کے خیالات معلوم ہو گئے۔ کیا میں مسعود کو اُسکی گستاخی کی سزا نہ دوں؟! اس کی کیا وجہ؟ اگر ایسا کروں تو کیا حکومت کی بے رعبی نہ ہو گی؟!

(سپہ سالار اعظم سے) یہ گتھی صرف تلوار کی نوک ہی سے سلجھے گی۔ لہذا تم فوج کی طیاری کا حکم دو۔ ہمیں عنقریب ہرات کی جانب کوچ کرنا ہو گا۔ تاکہ اس فتنہ کو آغاز کار ہی میں دبا دیا جائے! (ع) سرچشمہ شاید گرفتن بہ بیل!

سپہ سالار۔ بہت مبارک جہاں پناہ! میں ابھی حکم دیتا ہوں!

سلطان۔ (ایک ہندو سپہ سالار سے) جنرل سوندی رائے! تمھیں بھی اس مہم پر جانا ہو گا!

جنرل سوندی رائے۔ زہے سعادت! آخر ہم جان نثار ہیں کس واسطے؟! میں بالکل تیار ہوں اور اپنے دستہ کو ابھی کیل کانٹے سے لیس ہو جانے کا حکم دیتا ہوں۔

(۳)

سلطان محمود غازی کو خیال تھا کہ میرے بعد میری اولاد میں حکومت کے لیے نزاع ہوگا - اور یہ سچ ہوا - سلطان نے شہزادہ محمدؔ کو ولیعہد حکومت مقرر کیا مگر یہ غلطی تھی - اس لیے کہ شہزادہ مسعود زیادہ قابل، زیادہ شجاع اور ملک میں زیادہ ہر دلعزیز تھا - اور عام رائے اُسی کی حکومت کی متوقع تھی - شجاعت میں کوئی شہزادہ مسعود کا حریف نہ تھا - اُس کا گرز گراں، کوئی پہلوان یا شہزادہ نہیں اُٹھا سکتا تھا - اُس کا تیر آہنی چادر (توے) کے پار نکل جاتا تھا - سخاوت میں وہ حاتم ثانی مشہور تھا - الغرض بظاہر وہ ہر حیثیت سے سلطنت کا اہل تھا -

سلطان محمود ان باتوں سے ناواقف نہ تھا - بلکہ بقول ایک مورخ شہزادہ کے ان اوصاف پر رشک کھاتا تھا - یہی وجہ تھی کہ شہزادہ محمدؔ کی نامزدگی کے بعد اس نے مسعود کو ولیعہدی کی ترغیب و تحریص دلائی - جیسا کہ اس افسانہ کے فقرۂ اول میں مذکور ہوا - لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا - شہزادہ مسعود اپنی ضد پر قائم رہا - اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ راستی پر نہ تھا -

۴۲۱ھ میں سلطان محمود غازی نے وفات پائی تو شہزادہ محمدؔ، وزیر کی امداد سے تخت غزنی پر قابض ہوگیا - اس نے تخت پر قدم رکھتے ہی خزائن کے دروازے اور تھیلیوں کے مُنھ کھول دیے - اسکے نزدیک حکومت کو ہر دلعزیز بنانے کا یہ ایک سہل نسخہ تھا - لیکن یہ غلطی تھی -

اس وقت شہزادۂ مسعود ہمدان میں تھا - بھائی کی تخت نشینی کی خبر سُنی تو خراسان آیا اور یہاں سے سلطان کی خدمت میں وہ مراسلہ روانہ کیا جس کا ذکر اس افسانہ کے حصہ دوم میں آیا -

شہزادہ کا مطالبہ ناجائز نہ تھا۔ اہل دربار اور عوام کی بھی یہی رائے تھی پس اگر اسے ٹھنڈے دل سے قبول کر لیا جاتا تو یقیناً آیندہ کے لیے فتنہ دب جاتا دولت غزنویہ کے حقیقی بہی خواہوں نے حتی الامکان اس امر کی کوشش کی سلطان کو ہر ایک نشیب و فراز سمجھایا اور کوشش کی کہ بھائیوں کے درمیان تلوار نہ چلے۔ لیکن اسکا کوئی مبارک نتیجہ مرتب نہیں ہوا اور سلطان محمد نے لشکر آرائی کا حکم دیا۔

شہزادۂ مسعود ان حالات سے بے خبر نہ تھا۔ یہ اخبار پاکر وہ بھی فراہمی سپاہ میں مصروف ہوگیا۔ اور اسکے کچھ اور اسباب بھی فراہم ہوگئے۔

سلطان محمد کے دربار میں آپ بوڑھے جنرل خواجہ ایاز اور جنرل علی خوشاوند کی رائیں اس بارہ میں سن چکے ہیں۔ یہ سنے بحقیقت بہی خواہ سلطنت اور ہواخواہ سلطنت اور ہواخواہ دولت تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ اندرونی مخالفتوں سے سلطنت کمزور ہو لیکن اسکے علاوہ کچھ اور بات بھی تھی۔

یہ دونوں جنرل، ابتدا ہی سے مسعود کے حامی اور طرفدار تھے۔ شہزادہ محمد تخت غزنی پر قابض ہوگیا۔ اور ان لوگوں نے اپنے جذبات کو مخفی رکھا اور بظاہر سلطان کے روبرو سرنیاز جھکایا۔ لیکن اب جبکہ سلطان نے ان لوگوں سے اس خاص بارہ میں رائے دریافت کی تو انھوں نے کامل صداقت اور راستی سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ رائے حقیقی خیرخواہی پر مبنی تھی لیکن سردربار اسکی تحقیر کی گئی۔ ایسلیے ان جنرلوں کا علانیہ طور پر سلطان کے خلاف ہوجانا۔ سرشت انسانی کے خلاف نہ تھا۔

خواجہ ایاز، اور علی خوشاوند نے اب کھلم کھلا مسعود کی حمایت پر کمر باندھی خواجہ ایاز وہ غلامان خاصہ کی فوج، جو اس کے ماتحت تھی اپنے ہمراہ لے کر ہرات چل دیا۔

سلطان محمد کو ان عزائم کی جلد اطلاع ہوگئی۔ چنانچہ اس نے فوراً ہندو جنرل سوندی رائے کو بہت سی ہندو فوج کے ساتھ تعاقب میں روانہ کیا اور اس نے دوسرے ہی پڑاؤ پر دشمن کو جالیا۔

دونوں فوجیں دست و گریباں ہوئیں۔ ہنگامۂ رستخیز گرم ہوا۔ لیکن نتیجہ سلطان کے حق میں مفید نہ نکلا۔ ہندو بہادر کھیت رہے۔ بہادر جنرل سوندی رائے، ہندی شجاعت کا تماشا دکھاتا۔ اور سلطان محمود غازی کی اولاد کی حمایت کرتا تختِ غزنی کے مقاصد پر قربان ہوگیا۔

جن بزرگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ سلطان محمود غازی اور اسکا خاندان ہندوؤں کا دشمن تھا۔ اور ہندو قوم' غزنویوں کے خون کی پیاسی۔ اُنکے لیے اس قسم کے واقعات قابلِ غور ہیں۔ کیا ایسی کشیدگی اور کبیدگی کی حالت میں۔ کوئی گورنمنٹ ایسے لوگوں پر اعتماد کرسکتی ہے۔؟ اور کہ کیا ناراض قوم کے افراد کبھی ایسی جان نثاری دکھا سکتے ہیں؟ -

خواجہ ایاز وغیرہ۔ کوچ و مقام کرتے ہوئے ہرات جا پہنچے۔ اور شہزادہ مسعود سے ملاقی ہوئی۔ اُدھر سلطان محمد نے فیصلہ کن مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں بڑی بڑی چھاونیوں اور فوجی مرکزوں سے فوجیں طلب کرکے لشکر آرائی میں مصروف ہوا' اور ہرات کی جانب کوچ کیا۔ کہ بھائی سے دست و گریباں ہو۔

اسوقت پھر بعض حقیقی خیرخواہان دولت نے سعی بلیغ کی کہ بھائیوں کے درمیان تلوار نہ چلے لیکن کامیابی نہیں ہوی۔ سلطان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اُس نے اپنے چچا یوسف بن سبکتگین کو طلب کرکے اس فوج کی سپہ سالاری عطا کی۔ اور ہرات کی جانب کوچ کیا۔

(۴)

محمدی لشکر نواح ہرات میں موضع تگینر کے قریب خیمہ انداز ہے۔ جنگل میں دور تک خیموں کا شہر آباد ہو گیا ہے۔ کاکل شب تا بہ کمر پہنچ چکی ہے۔ پہرہ داروں کے علاوہ باقی تمام فوج خواب شیریں کے مزے لے رہی ہے۔ ایک شاندار خیمے کے اندر چار شخص بیٹھے ہوئے نہایت آہستہ آہستہ رازدارانہ طریق پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اسکے دروازہ پر دو مسلح پیادے نہایت ہوشیاری سے پہرہ دے رہے ہیں۔

علی۔ اس شخص نے عجیب طبیعت پائی ہے۔ شاہانہ حوصلہ کا اہیں نام تک نہیں!

حسن۔ پھر طرّہ یہ کہ وہ دوسروں کے مشورہ کو بھی قبول نہیں کرتا۔ خواہ کتنی ہی دلسوزی، ہمدردی، اور خیر خواہی سے اُسے کیوں نہ مشورہ دیا جائے!

یوسف۔ آثار اچھے نہیں ہیں۔ مہینہ ہونے کو آیا۔ ہم لوگ یہاں بیکار پڑے ہیں۔ نہ مقابلہ کا حکم دیتا ہے نہ واپسی کا، اگر مسعود سے اسقدر اسے ڈر تھا تو پھر گھر سے نکلا ہی کیوں تھا؟! وہیں چوڑیاں پہن کر بیٹھ رہتا!

چوتھا شخص۔ (فوجی افسر) بات یہ ہے کہ اُسکا زمانہ اقبال مندی ختم ہو چکا ہے۔ بحالت مجموعی یہ علامات اچھے نہیں!۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ عین عیدالفطر کے روز جب ہم سب جشن منا رہے تھے۔ خود بخود سلطان کا تاج سر سے اُتر کر دو گز کے فاصلے پر جا پڑا، کیا یہ اسکی بداقبالی اور زوال کی فال نہیں؟!۔

تمام لشکر میں اس حادثہ کا چرچا ہے۔ ہر ادنیٰ اعلیٰ کا یہی خیال ہے کہ اقبال جلد اس سے رخصت ہونے والا ہے!

علی۔ بیشک! اور ہم خود رخصت کرینگے!! ایسے شخص سے کیا اُمید؟

حسن - میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!

علی - میں سمجھاتا ہوں! ہم لوگ اگرچہ ابتک اُسکے طرفدار رہے - اور ہماری ہی بدولت اُسے تاج و تخت نصیب ہوا - لیکن تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ وہ اس قابل نہیں - اسکے مقابلہ میں شہزادہ مسعود سیاست، شجاعت، نیز جود و سخاوت میں غرض کہ ہر طرح پر حکومت کا اہل ہے - اس نے بزمانۂ شہزادگی - قزوین رے - اور طارم تسخیر کیے - اور اس طرح اپنی فاتحانہ قابلیت کا ثبوت بہم پہنچایا - ملوکان دیلمی کو بھی اُسی نے زیر کیا -

فوجی افسر - اور اب اسی طرز عمل میں ہمارا فائدہ ہے -

یوسف - میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا - ذرا صاف صاف کہیے!

فوجی افسر - آثار کہہ رہے ہیں جلد یا دیر شہزادہ مسعود تخت سلطنت پر قابض ہو جائے گا! - اور ظاہر ہے کہ وہ اسوقت محمد کے طرفداروں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کریگا - پس مقتضائے دانشمندی یہ ہے کہ ....."

یوسف - ہاں ہاں! کہہ چلو رک کیوں گئے!

فوجی افسر - "مجھے اندیشہ ہے کہ.."

یوسف - "نہیں اندیشہ کی کوئی بات نہیں! صاف صاف کہو - جو کچھ کہنا چاہتے ہو! یہ مقام محفوظ اور اغیار سے خالی ہے -

فوجی افسر - ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ محمد کو اسیر کرکے مسعود کے حوالہ کر دیں اور مسعود کو دعوت حکومت دیں -

یوسف - میں تائید کرتا ہوں!

حسن - میرے خیال میں بھی اب ہمارے حق میں یہی بہتر ہے! ورنہ اندیشۂ جانی ہے!

(۵)

دارالامارت ہرات کے دیوان خاص میں شہزادہ مسعود کرسی عدالت پر متمکن ہے۔ تین چار شخص مجرمانہ حیثیت سے حاضر عدالت ہیں جو اُسکے روبرو پیش ہونیوالے ہیں۔ یہ لوگ سیاسی مجرم ہیں۔ ان میں سے ہم ہر ایک سے واقف ہیں چنانچہ ایک تو سلطان محمدؐ کا وزیر اعظم حسن میکائیل ہے۔ دوسرا یوسف سبکتگین سپہ سالار افواج غزنی۔ تیسرا جنرل علی خویشاوند۔

شہزادہ کے اشارہ کرنے پر سب سے پہلے وزیر حسن کٹہرے کے قریب لایا گیا۔ شہزادہ نے سنجیدگی سے کہا۔ آخر تم اپنے اس مجرمانہ طرز عمل کی صفائی میں کون امور پیش کرنا چاہتے ہو؟!

حسن۔ حضور والا ہم لوگوں نے جو کچھ کیا وہ محض حضور کے لیے! افسوس اب حضور اُسے جرم اور ہمیں ملزم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے یہ سب کارروائی ازراہ خیرخواہی کی۔ ہمارا نصب العین یہ تھا کہ بندگان عالی کو تخت و تاج نصیب ہو!۔ ہم نے حضور، اور محض حضور کے لیے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا خیال فرمائیے کہ اگر سلطان قبل از وقت ہمارے منصوبوں سے واقف ہو جاتا تو پھر ہماری جان کی خیر کہاں تھی۔ لیکن اب جبکہ ہمارے منصوبوں میں کامیابی ہو گئی ہے اور ہم حضور کو دعوت حکومت دینے اور اپنی خدمات کا صلہ حضور سے لینے آئے ہیں تو بندگان عالی ہم سے اس قسم کا سلوک روا رکھتے ہیں۔

شہزادہ مسعود۔ تم لوگ واقف ہو کہ سلطنت میرا حق تھا۔ بھائی نے اسپر قبضہ کر لیا تو میں اسی پر راضی ہو گیا اگر میں چاہتا تو بہ آسانی بھائی کو خارج کر کے سلطنت کو قبض و تصرف میں لا سکتا تھا۔ لیکن اس امر کا

خیال مجھے کبھی نہ آیا۔ اسلیے کہ یہ امر مذموم اور برادرانہ تعلقات کے منافی ہے!
تم نے میرے بھائی کو معزول اور اسیر کر کے مجھے سخت صدمہ پہنچایا ہے! تم نے
اُسے نعمت بصارت سے محروم کر کے نہایت ظالمانہ کارروائی کی۔

فرض کیا کہ تم اپنے قول میں سچے ہو۔ اور تم نے یہ تمام کارروائی محض
میرے فائدے کے واسطے کی۔ لیکن اس بات سے تو تم بھی انکار نہیں کر سکتے
اور تمھارے پاس اسکی کوئی توجیہ و تاویل نہیں ہے کہ تم نے اپنے آقا و ولی نعمت
کے ساتھ نمک حرامی، دغابازی اور بے وفائی کی۔

اسوقت بقول خود تم۔ میری ہوا خواہی کا دم بھرتے ہو! لیکن اسکی کیا
ذمہ داری ہے کہ کل کو میرے ساتھ بھی اسی قسم کے سلوک کے لیے آمادہ نہو جاؤ گے
باغی اور نمک حرام انسان ہرگز قابل اعتماد نہیں! اسکو ضرور سزا ملنی چاہیے!
پس میں تم کو اس سخت جرم کی سزا ضرور دوں گا۔ اور عبرت انگیز!۔
یہ حکم دیتا ہوں کہ کل تم کو بعد تشہیر پھانسی پر لٹکایا جائے!

حسن۔ حضور! رحم! رحم!!

شہزادہ۔ تم قابلِ رحم ہو؟! باغی، خونی!! ۔ میرا حکم قطعی ہے! خاموش
ہو جاؤ! (برق انداز سے) "اسے جیل خانے لے جاؤ!"

سپاہی اُسے کشاں کشاں لے جاتے ہیں۔ اب جنرل علی پیش ہوتا ہے

شہزادہ۔ تم اپنی بریت کے بارہ میں کیا کہنا چاہتے ہو؟!

علی۔ اپنی بریت اور صفائی کے متعلق میں بھی وہی امور عرض کر سکتا ہوں
جو حسن نے بیان کیے۔ میں حلفیہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کیا وہ محض
حضور کے مفاد کو مدنظر رکھکر کہ خدام والا کو تخت سلطنت نصیب ہو! مگر خوبی
قسمت کہ اب میں حضور کی نظر میں مجرم ہوں!

شہزادہ - اگر تمھارے بیان کو صحیح بھی مانا جائے تو یہ تو صاف ظاہر ہے کہ تم نے اپنے آقا کے ساتھ - غداری - دغا بازی - اور بغاوت کی یعنی میرے بھائی کو کمینہ طور پر شدید تکلیف پہنچائی - لیکن اسکی سزا تم کو ضرور دوں گا! تاکہ پھر کسی کو ایسے افعال شنیعہ کی جرأت نہ ہو! سپاہیو! اسے لے جاؤ! کل اسکی گردن ماری جائے گی! - اور یوسف کو حاضر کرو!!

(یوسف حاضر ہوتا ہے)

شہزادہ - میرے بھائی سلطان محمد نے تمھیں اپنی فوج کا کمانڈر انچیف بنایا - اور تم نے اُسے یعنی اپنے آقا کو اس کا صلہ یہ دیا! - تم معقول وجہ بیان کرو کہ تمھیں بھی کیوں نہ سزائے موت دی جائے!

یوسف اُن وجوہ سے زیادہ معقول وجوہ میرے پاس نہیں - جو حسن اور علی نے بندگان عالی کے حضور میں پیش کیں! لیکن پذیرا نہیں ہوئیں - لہذا اُن کا اعادہ فضول ہے - اور حضور سے صرف رحم کی درخواست کرتا ہوں -

شہزادہ - اگرچہ جرم بغاوت نہایت سنگین اور ناقابل معافی ہے - لیکن تم پر رحم اور تمھاری جاں بخشی کرتا اور صرف تمھاری نظر بندی کا حکم دیتا ہوں!! (باقی آئندہ)

حکیم مظفر حسین اظہر

ضروری گذارش - "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائیگی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائیگا جس کا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ **مینیجر**

اخلاق

اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ جو چیز تمدن پر اثر ڈالتی ہے جو معاشرت کی اصلاح کرتی ہے، جو انسان کے قویٰ کو شگفتہ رکھتی ہے اور انسان کو ابنائے جنس پر ممتاز درجہ دیتی ہے وہ اخلاق ہے۔

اگر اخلاق کا وجود نہ ہو تو کائنات عالم کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ ہر مذہب نے اخلاق کی تلقین کی ہے لیکن مذہب اسلام نے خصوصیت کے ساتھ اس کی فضیلت بیان کرکے انسان کو اخلاق کی تعلیم دی ہے۔

آجتک اخلاق پر صدہا کتابیں اور مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ مدارس میں بھی اخلاقی کتابیں داخل ہیں وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے بھی اسکی تعلیم ہو رہی ہے لیکن پاکیزہ اخلاق کے وہ نمونے جو ہمارے سلف صالحین میں تھے اور جن کے حسن مکارم کی شعاعیں اقوام عالم کی نظروں کو خیرہ کر رہی تھیں اب بہت ہی کم نظر آتے ہیں اس کا کیا سبب ہے۔؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے نصیحت پذیری اور عمل کا مادہ جاتا رہا ہے اور ہمارے نفسوں نے ہم پر غلبہ پاکر دنیا طلبی اور مکر و فریب میں مبتلا کر دیا ہے۔

ہماری طبیعتوں کی مثال اُس شور زمین جیسی ہوگئی ہے جس میں نشو و نما کی استعداد باقی نہیں رہتی اور جو تخم ڈالا جاتا ہے بے کار

جاتا ہے۔

اسی طرح اگرچہ تعلیم اخلاق کے وعظ ونصائح ہوں لیکن اُن کا گہرا اور پائدار اثر اسلیے ہماری طبائع قبول نہیں کرتیں کہ ہمارے نفسوں میں ہوا وہوس نے گھر کر لیا ہے اور جب تک اس شور زمین میں بہترین کھاد کی آمیزش سے اسکی طبعی خاصیت میں تبدیلی نہ کی جائے گی اُسوقت تک نشو ونما کی قابلیت پیدا نہیں کرسکتی اسی طرح اس کی ضرورت ہے کہ ہماری طبیعتوں میں جو غلیظ مادہ جمع ہوگیا ہے اور جس سے نصائح پذیری میں رکاوٹ ہو رہی ہے اُسکے دور کرنے کی کوشش کریں اور مذہبی تعلیم سے اپنی طبیعتوں کی اصلاح کریں۔

یاد رکھو کہ قرآن وحدیث بھی حقیقی اخلاق کے دو سرچشمے ہیں لیکن ان سے فائدہ نہ اُٹھانا ایک ایسی غلطی ہے جس کی تلافی کسی صورت سے ممکن نہیں ہے کیونکہ ہر قوم اور ہر ملت اُسی وقت کامیاب اور راہ راست پر آسکتی ہے جب کہ اپنی مقدس کتابوں اور بزرگان قوم کے کارناموں پر نظر کرے اور اُسکو مطالعہ میں رکھ کر عمل پیرا ہو اس مقصد کو مثالاً واضح کرنا مناسب ہے کہ وکیل جب تک تمام مروجہ ملک قوانین کو یاد اور اُنپر عبور حاصل نہ کرے گا ہرگز خاطر خواہ کامیاب نہیں ہوسکتا اسیطرح مسلمان جب تک اپنے مقدس قانون یعنی کلام الٰہی اور احادیث شریف کے مطالب اور معانی پر عبور حاصل نہ کریں گے ہرگز فلاح حاصل نہیں کرسکتے۔

اسوقت والدین ایک غلطی یہ کر رہے ہیں کہ اپنی اولاد کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے کہ اُن کو قرآن کریم اور مسائل دینی اور اخلاقی کتابیں پڑھانے کی کہانتک ضرورت ہے اور کہاں تک یہ اُن کے لیے شمع راہ کا

کام دیں گی۔ نہ اُن کے سامنے کوئی قابلِ تقلید نمونہ ہوتا ہے کیونکہ بہت کم والدین ہی ایسے ہوتے ہیں جو ان باتوں پر کاربند ہوں جو ایک مسلمان کے لیے لازمی ہیں اسلیے عموماً یہ ہوتا ہے کہ چار یا پانچ سال کی عمر ہوئی اور بچہ کو اسکول و مدارس میں داخل کر دیا۔ پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ بچے کس قسم کے لڑکوں سے میل جول رکھتے ہیں، اسکول میں وہ کیا پڑھتے ہیں، ان کا روزانہ سبق کیا ہے۔ اسکول وہ جاتے بھی ہیں یا نہیں۔ یا بچہ خراب صحبتوں میں اوقات خراب تو نہیں کرتا۔ وہ گالی گفتار کا توخوگر نہیں ہوگیا۔

جب والدین کو اپنی اولاد کا اتنا خیال بھی نہیں تو کیونکر اُن کے اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔ کیا اُن والدین سے خداوند کریم بازپرس نہ کرے گا کہ اُنھوں نے دیدہ و دانستہ اپنے بچوں کو ڈھیل دے رکھی اور کیا وہ اس کا معقول جواب دے سکتے ہیں ہرگز نہیں !!!

خوش قسمت ہیں وہ والدین اور سرخرو ہوں گے وہ ماں باپ جنھوں نے اپنی اولاد کی دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کو بھی مکمل کرکے اُن کو اخلاق کا نمونہ بنایا۔

عبدالقدیر

کسی نے کیا خوب کہا ہے :۔ کہ ایک معمولی آدمی کا اصول یہ ہو سکتا ہے کہ "سونا پیدا کرو اور اسکو بہن ڈالو" ایک فیاض آدمی کا اصول یہ ہوگا کہ "سونا پیدا کرو اور اُسے بانٹ دو" ایک فضول خرچ کا یہ اصول ہوگا کہ سونا پیدا کرو اور خرچ کر دو" ایک قرض دینے والے کا یہی اصول ہو سکتا ہے کہ "سونا پیدا کرو اور اسے قرض دیدو" ایک جواری یا بیوقوف آدمی کا اس سے زیادہ اور کیا اصول ہوگا کہ "سونا پیدا کرو اور لٹا دو" ایک دوربین انسان کا یہ اصول ہوگا کہ "روپیہ پیدا کرو اور اسے بچا کر رکھو" مگر ایک عقلمند آدمی کا یہی اصول ہوگا کہ "سونا پیدا کرو اور اسے استعمال کرو" "استعمال کے معنی جائز استعمال ہیں"

چاند

اے چاند تو زینتِ فلک ہے / کیا ہی دلکش تری چمک ہے
انجم میں بے نظیر تو ہے / وہ نجم - یہ منیر تو ہے
تاروں میں نہیں نظیر کوئی / کب ہے یہ منیر کوئی
کرتا ہے طلوع جب تو اے چاند / ہو جاتے ہیں تارے سب کے سب ماند
سورج کی طرح نکلنا تنہا / تجھکو نہ ہوا پسند اصلا
سورج کو اگر ہے سب سے نفرت / ہے قلب میں تیرے مہر و الفت
ساتھ اپنے مصاحبوں کو لے کر / ہوتا ہے تو جلوہ گر فلک پر
تاروں میں تو اس طرح ہے اے ماہ / جس طرح مصاحبوں میں ہو شاہ
یا تارے ہیں شاہدانِ مہوش / تو صدر نشینِ بزم دلکش
اللہ اللہ تیری صورت / صورت ہے کہ نور کی ہے مورت
معشوق کا ایک نام ہے تو / بے شک ماہِ تمام ہے تو
کیا شکل ہے دل فریب تیری / ہوتی نہیں دیکھنے سے سیری
کیا بات ہے تیری واہ وا چاند / ہو جاتا ہے تو ہی عید کا چاند
ہوتا ہے تو ہی ہلال بنکر / انگشت نما فلک کے اوپر

ہے آج جو حسن تیرا کامل | کیا لطف ہے چاندنی کا حاصل
ہر ایک انوکھی شان تیری | اللہ رے آن بان تیری
ابروے نگار سے مشابہ | ہے روے نگار سے مشابہ
عاشق کے لیے وصال کی رات | ہے تیرے سبب کمال کی رات
لیکن شب ہجر جلوہ تیرا | عشاق کے حق میں ہے غم افزا
کیوں تیری طرف سے منہ نہ لیں پھیر | نظروں میں جو چاندنی ہو اندھیر
سب کچھ سہی تجھ میں زینت و جاہ | معشوق کہاں کہاں تو اے ماہ
رخ اس کا ہے آئینہ سے بڑھکر | ہیں چھائیاں صاف تیرے منہ پر
ہاں اتنی تو بات تجھ میں دیکھی | ہے شان تری نگار کی سی
معشوق کی تجھ میں اک جھلک ہے | دونوں ہوں برابر اس میں شک ہے
دلکش ہے ضرور حسن تیرا | اس پر تو ہے اتفاق میرا
اے چاند کبھی تو آ شب وصل | کترا کے نکل نہ جا شب وصل
ہوں آمنے سامنے جو دو ماہ | وہ لطف ہو پھر کہ واہ وا واہ
وہ ماہ ہو اور وصل کی رات | مرغوب وہی ہے چاندنی رات

لو وہ مہ حسن آگیا ہوش

ہے ہوش ربا رہیں بجا ہوش

سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی ایڈیٹر خیر حیدرآباد دکن

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

تقریباً نو ماہ ہوے کہ میں "اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ" اس سرخی سے ایک مضمون ناظرین "تمدن" کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور اکثر ناظرین اس ناچیز خدمت کو دلچسپی سے ملاحظہ بھی فرماتے رہے اور مجھکو اس سلسلے کو تا اختتام پہنچانے پر مجبور کرتے رہے چنانچہ میرا بھی قصد یہی تھا لیکن اس زمانے میں چونکہ میں نے دہلی کے طبی کالج میں داخل ہونے کا حتمی قصد کر لیا ہے اور بہت قریب ہفتہ عشرہ میں تقریباً دو برس کے لیے لکھنؤ کو خیرباد کہنے والا ہوں مجھے بہت کم امید ہے کہ اس خدمت کو سلسلے کے ساتھ وہاں انجام دے سکونگا۔ اور ناظرین کا اصرار ہے کہ اس مضمون کو ختم کرکے چھوڑا جائے اس لحاظ سے اسکے بقیہ حصے کو اپنے فاضل دوست مدرس مدرسۂ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ جناب خواجہ الیاس صاحب کے سپرد کرتا ہوں اور ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے فاضل عنایت فرما مجھسے ہر طرح زائد خوبی اور قابلیت کے ساتھ اس خدمت کو انجام دینگے۔ والسلام نیازمند آشفتہ لکھنوی

(از جناب خواجہ الیاس صاحب)

میں اپنے کرمفرما مولانا آشفتہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپنے مجھپر بھروسہ کرکے اپنی ایک قومی اور مقبول عام خدمت کو میرے سپرد کیا۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ میں اسکو دلچسپ بنانے اور مکمل کرنے کی کوشش کروں لیکن عجب اتفاق ہے کہ میں بھی اس مضمون کے شائع ہونے سے قبل اپنے وطن کو مولانا ے موصوف کی طرح ایک عرصہ دراز کے لیے خیرباد کہنے والا ہوں لیکن پبلک کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اسکی خدمت کو غریب الوطنی

میں انجام دیتا رہوں گا۔

موصوف عمرو ابن کلثوم کے حالات تک قلمبند کر چکے ہیں بلکہ کسی قدر تنقید بھی اُسکے کلام کی فرما چکے ہیں لیکن ناظرین ابھی تک پوری طرح اُسکے کلام سے مستفید نہیں ہونے پائے ہیں اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے اس نمبر کے مضمون کو اسی قصیدے کی تنقید تک محدود رکھوں۔

عمرو ابن کلثوم ایسی بخیلی طبیعت پانے والا شاعر بھلا شراب ناب کے ذاتی اوصاف پر کب اکتفا کرنے والا ہے اُسکے کیف اور بعد میں مرتب ہونے والے اثر کو یوں ظاہر کرتا ہے۔

تری اللحز الشحیح اذا امرت علیه لماله فیها مهینا

یعنی بخیل اور تنگ خلق شخص جب اسکا چسکا پڑتا ہے تو وہ بھی باوجود اپنے بخل کے اپنی دولت کو اسمیں لٹاتا ہے۔ ابن کلثوم نے بخیل کے بار باش ہو جانے اور اپنی دولت کو لٹانے سے اصل یہ ہے کہ بنت العنب کی تاثیر اور اُسکے کیف کو انتہا تک پہنچا دیا۔

پھر اپنی معشوقہ عفیفہ سے ایسی شراب کے لیے دست سوال دراز کرنے اور مختلف طریقوں سے اپنا استحقاق جتانے کے بعد کہتا ہے۔

قفی قبل التفرق یا ظعینا نخبرك اليقين و تخبرینا

اے پاکباز معشوقہ اور اے دلنواز محبوبہ اک ذرا توقف کرتا کہ میں آنے والے فراق وجدائی کے زمانے سے قبل تجھکو اُن سچے اور یقینی رنج و آلام سے آگاہ کردوں کہ جو اس سے قبل مجھپر گذر چکے ہیں اور جنکے پھر آئندہ پیش آنے کے خیال سے میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ساتھ ہی اسکے تو اپنے اُن حالات سے مجھکو مطلع کر کہ جو تجھپر اس جدائی کے زمانے میں پیش آئے۔

جذبات اور لوازمات عشق کے اظہار میں یہ شعر ایک دریا ہے۔ جدائی کا جب وقت قریب آتا ہے تو محب اپنے محبوب کو اسی قسم کی باتیں کرکے روکتا ہے پھر ظعینہ کی لفظ سے جسکے معنی ہودج نشین کے ہیں اُسکی آمادگی سفر کی طرف اشارہ کرتا اور اپنے اخبار کو لفظ یقین سے مقید کرکے معشوق کو منواتا ہے یہ وہ نکات ہیں کہ جن کا اس آسانی اور خوش اسلوبی سے قید نظم میں لانا اصل یہ ہے کہ اعراب جاہلیت ہی کا حصہ تھا۔

تُریك اذا دخلت علی خلاء وقد امنت عیون الکاشحینا

ذراعی عیطل ادماء بکر هجان اللون لم تقرأ جنینا

یہاں سے اپنی معشوقہ کا سراپا بیان کرنا شروع کرتا ہے اور اپنے نفس کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ اگر تو اُس ہودج نشین یعنی میری معشوقہ سے خلوت میں ملے کہ جہاں میرے رقیب اور اسکے حسن کے دشمن نظر بازی نہ کرسکتے ہوں تو وہ تجھکو ایسی بھری بھری دو باہیں دکھائے جیسی کہ سرخ و سفید رنگ اور لمبی گردن والی اُس جوان اونٹنی کی ہوتی ہیں کہ جس نے ابتک بچہ نہ جنا ہو۔ ساعد کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک موزوں گلائی کے ساتھ کم ہوتی ہوتی کلائی پر آکر ختم ہوجائے یہ خوبی اسیوقت تک رہتی ہے جبتک کہ عورت بچے والی نہ ہو اس لیے ابن کلثوم نے بھی اُس ناقے کی ساعد سے تشبیہ دی جس نے ابتک بچہ نہ جنا ہو اور اس طریقے سے ساعد کے کمال حُسن کو اپنی حفیفہ کے لیے نہایت خوش اسلوبی سے ثابت کردکھایا۔

وثدیا مثل حق العاج رخصا حصانا من اکف اللامسینا

کہتا ہے کہ اُنھیں مذکورہ شروط سے وہ تجھکو ایسے ... دکھائے کہ جو نرم و نازک ہیں۔ استدارت و بیاض اور کھنچاؤ میں اُس ہاتھی دانت کی

ڈبیا کے مانند ہیں جسمیں جواہرات رکھے جاتے ہیں اور جو چھونے والوں کے ہاتھوں سے محفوظ ہیں۔

دوسرے مصرع میں الکنایۃ ابلغ من التصریح کو پیش نظر رکھکر کیا اچھا طرز اپنی حسین محبوبہ کی عفت و عصمت کے اظہار کا اختیار کیا ہے۔

ومتنی لذ تہ سمقت وطالت ....

وکشحا قد جننت بہ الجنونا ....

اور پیش کرے گی وہ تیرے سامنے اپنی اُس قامت زیبا اور قد نازک کی لچک کہ جو مائل بہ درازی ہے اور ایسی باریک و نازک کمر کہ جسکے عشق میں میں بالکل مجنوں ہورہا ہوں۔

ظاہر ہے کہ قد کی درازی اُسی طرح حُسن سے گرادیتی ہے جیسا کہ کسی حسین کا قصیر القامتہ ہونا۔ بلکہ حُسن یہ ہے کہ معشوقہ میانہ قد ہو۔ ہمارا منچلا شاعر بھی مائل بہ درازی سے یہی فائدہ اُٹھاکر اپنی دلنواز کے لیے میانہ قدی کا کس اچھے طریقے سے ثبوت دیتا ہے۔

پھر دوسرے شعر کے آخری مصرعہ میں اپنی ذات کو جنون اور معشوق کی کمر کو اُسکی دقت کی بدولت کالعدم کرکے کس اختصار کے ساتھ جمع کرتا ہے جس سے شاعر کی بلند پروازی اور شاعرانہ نازک خیالیوں پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

ابن کلثوم کا مقصد اس قصیدہ سے اپنے قبیلہ کی شجاعت اور نجابت کا اظہار ہے نہ کہ اپنے عشق و محبت کے افسانہ کا بیان اس لیے مَیں بھی اُس کلام کو چھوڑکر کہ جس کی تنقید پر مجھکو ملک کی اُمید مذاقی نے مجبور کیا تھا اب اُسکے اصل کلام پر آتا ہوں۔

ورثنا المجد قد علمت معد نطاعن دونہ حتی یبینا

معد ابن عدنان یعنی مضر اور ربیعہ کے تمام قبائل جانتے ہیں کہ بزرگی اور شرافت ہمارے آبائی خصائص ہیں کہ جنکا اظہار ہم پر واجب ہے اس لیے ہم اپنے ان موروثہ خصائص سے مجبور ہوکر اپنے دشمنوں پر نیزہ بازی کرتے ہیں اور اس طرح اُن کو شکست دے کر دفع کر دیتے ہیں تاکہ اس سے ہمارے خصائص کا اظہار ہو۔

کان سیوفنا منا ومنھم مخاریق بایدی اللاعبینا

ہماری شجاعت و دلیری کا یہ عالم ہے کہ میدان جنگ میں اسطرح گھس جاتے ہیں جیسے ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں میں تلواریں نہیں بلکہ لکڑیاں ہیں کہ جو ہمکو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ اور اپنی تلواروں کو بھی لکڑیاں سمجھ کر اپنے دشمنوں کو اُن سے کھلاتے ہیں اور اسطرح اُن کو موت کے گھاٹ اُتار کر اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں اور اپنی شجاعت کا سکہ اپنے ہم چشموں کے دلوں پر بٹھا دیتے ہیں۔

کان ثیابنا منا ومنھم خضبن بارجوان او طلینا

باوجودیکہ ہمارے اور دشمنوں دونوں کے کپڑے اس جنگ و جدال کی بدولت ہلکے اور گہرے ارغوانی رنگ میں خون سے رنگ جاتے ہیں لیکن پھر بھی ہم لڑائی سے مُنہ نہیں موڑتے بلکہ اپنے دشمنوں کو قتل و غارت کرکے اپنی قوم میں شہرت اور سرخروئی حاصل کرتے ہیں۔

خضاب کا رنگ گہرا اور طلار کا ہلکا ہوتا ہے ابن کلثوم نے جس بہترین طریقہ سے اسمیں تصرف کرکے فوجی خون آلودگی کا اظہار کیا ہے اسکا لطف کچھ کہنہ مشق اور قابل شعراء ہی اُٹھا سکتے ہیں اور اُس کی خوبی تک کوئی

رسا طبیعت ہی پہنچ سکتی ہے۔

یدھدون الرؤس کما یدھدی حزاورۃ فی ابطحھا الکرینا

ہمارے قبیلے والے یعنی بنی تغلب اپنی تلواروں سے دشمنوں کے سروں کو اُسی طرح لڑھکاتے ہیں جیسا کہ قوی و تندرست لڑکے میدانوں میں گیند کو لڑھکاتے ہیں اور اُن سے کھیلتے ہیں یعنی دشمنوں کے سروں کی وقعت ہم ویسی ہی کرتے ہیں کہ جیسے لڑکے گیند کی اور جنگ کو ہم ایک کھیل سمجھ کر اُسی طرح کھیلتے ہیں جیسا کہ لڑکے گیند سے۔

متی تعقد قرینتنا بحبل تجذ الحبل او تقص القرینا

یعنی جب ہم اپنے اونٹ کو کسی دوسرے اونٹ کے ساتھ ایک رسی میں باندھ دیتے ہیں تو ہمارا اونٹ یا تو رسی کے ٹکڑے اوڑا دیتا ہے یا اپنے ساتھی کی گردن توڑ ڈالتا ہے ہر صورت اپنے ساتھی پر غالب رہتا ہے۔

ابن کلثوم نے اپنے مذاق کے موافق اس شعر میں اپنے غلبہ کو دوسرو جس استعارہ اور کنایہ سے ادا کیا ہے حق تو یہ ہے کہ وہ عربی ہی شاعری کا حق ہے دوسری زبان اسکی نظیر نہیں پیش کر سکتی اور اب تو اگر کوئی عربی شاعر بھی ایسے استعارات سے اپنے مقاصد کو ادا کرنے کی بیجا کوشش کرے تو اُسکا کلیجہ مُنھ کو آجائے۔ (باقی آئندہ)

الیاس لکھنوی

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا ضرور حوالہ دیجیے۔

برسات آگئی

(۱)

موجوداتِ ارضی پر کل تک ایک خشک مزاج آتشو فلسفی کی حکومت تھی، سلطان خاور حسبِ دستور اب بھی تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں، مگر اب وہ تیزیاں کہاں وہ گرمیاں، سوختہ جانوں کی طرح سرد ہو چکی ہیں "دورِ مجنوں گذشت"!

(۲)

انقلابِ حکومت ہو چکا، عذرائے برشگال نے اپنے عنبرین جوڑے کھول کر، اپنی حکومت کا پھریرا اڑا رکھا ہے، مشکین زلفیں، مستانہ ادائی سے چاروں سمت بکھری ہوئی کہہ رہی ہیں "نوبت ماست" بدن چرائے نیچی نظریں کیے شرماتی، لجاتی، چلی آرہی ہے!

(۳)

طاؤس گو بجائے خود سراپا حسن و زیبائی ہے، بلکہ یکسر رقص موسیقیت کی متحرک تصویر ہے، لیکن اسکے داغدار سینہ کے چھپے ہوئے زخم عذرائے برشگال کے خیر مقدم میں لہلہا اُٹھے ہیں، جبھی تو آج شاخ شاخ پر ترانۂ تہنیت سرود ہا اور سمجھ رہا ہے کہ ہر گنج کی بادشاہت میرے ہی تاج پر قربان ہو رہی ہے۔

(۴)

زمیں جو ابھی کل تک کف دست مفلس کی طرح تہی تمت پژمردہ اور خارستان تھی، سبزہ و شادابی جسپر نظر کی جاذبیت کے لیے کشیدہ کار قدرت نے سرخ مخملی پھول

کثرت سے ڈالدیے ہیں، اور مسکرا نے دیکھنے والوں میں کچھ ایسی بجلی جاری ہے کہ چلنے والے قدم ہزار ہزار من کے ہوے جارہے ہیں

(۵)

مگر

یہ کیا قیامت ہے، کس کا جوبن اور کون لٹائے، دامن چمن میں غنچہ دہنوں کی طرح کلیوں نے کچھ مسکرا دیا ہی تھا ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے، مشام جان پرور کو اوپر ہی اوپر لے اُڑے۔ اور اقطاے عالم میں لٹا آئے۔

اچھا گوری کا جوبن چٹکیوں ہی میں اُڑنے دیجیے

(۶)

عذراے برشگال نے قدرت کے سمندر میں شام کا غسل فرمایا، ساحل پر کھڑے ہو کر آبی رنگ کے بادے کی ساری باندھی۔ لب جاں بخش کی سرخی شفق بنکر آسمان پر پھولی، بائیں ہاتھ سے سنبھالکر داہنے ہاتھ سے اپنا مشکیں جوڑہ رکھنا ہی تھا کہ جل تھل بھر گئے۔

(۷)

راج ہنس۔ سرخاب۔ نے لب جو بزم نشاط آراستہ کی ہی تھی۔ کہ طاؤس نے عین وقت پر ٹوک دیا۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں کہ اس جگہ کوئی سودا برہنہ پا بھی ہے

(۸)

اچھا یہ سب کچھ ہے، اور ہو، لیکن میں توانے درد کے لیے کوئی پیام اس انقلاب میں ڈھونڈھ رہا ہوں، مگر آج کی صبح بھی یہی کہتی ہوی گئی، اور آج کی شام بھی یہی کہتی ہوی آئی۔ سے ضبط کو رسوا نہ کر علوی کہ تیری مشکلیں حل یوں ہی ہونگی، کہ تو خون جگر پیتا رہے ہاے ناکام محبت تیری ے تو یہ تھی، ہے کہ "ہاں است کہ بود"

سید ظفر حسن علوی ناظم دائرۃ الادب دہلی

باپ کی وصیت

میرے بیٹو؟ اب میں دنیا سے مُنھ ہوں موڑتا　اور ترکہ میں ہوں کیا کیا چیزیں دیکھو چھوڑتا
گر تمھارے واسطے ہوں چھوڑتا سامان میں　لیکن اپنے دل میں لیجاؤں گا یہ ارمان میں
یہ تمھارے پاس سے ہوجائیگا جلدی فنا　یہ تو ہو تم بھی سمجھتے، پاس ہے کس کے رہا
چھوڑے جاتا ہوں نصیحت میں تمھارے واسطے　زندگی جس سے بسر ہو، وہ بتاؤں مشورے
تم گرہ میں باندھ رکھو اور حفاظت سے رکھو　کام تم جو کچھ رکھو اپنا نصیحت سے رکھو
مشورہ وہ چیز ہے جسکو ہمیشہ ہے بقا　دوست اور مال باپ اور اسباب سبکو ہے فنا
تھا تم سے اپنے وجاے رکھو عزت کا خیال　خرچ کرنے میں رہے ہر دم کفایت کا خیال
نیکی اور مردانگی دنیا میں تم حاصل کرو　اچھی نیت اپنے ہر اک کام میں شامل کرو
جس سے تم نیکی کرو، بدلہ نہ چاہو اُس سے تم　جس کی تم محنت کرو عوض مانگو اس سے تم
گر یتیموں اور بیواؤں کا دیکھو حالِ بد　تم سے ممکن ہو جہانتک اُنکو پہنچاؤ مدد
تم رکھو ہر وقت مذہب کی حفاظت کا خیال　چاہیے ہر وقت تم کو ملک و ملت کا خیال
اپنے حق مانگو حکومت سے رکھو اسکا خیال　ورنہ ہو جائینگے غفلت سے تمھاری پائمال
کام کو پہلے سمجھ لو۔ پھر دلیری سے کرو　حق پہ تم زندہ رہو اور جب مرو حق پہ مرو
شادی کرنے کے لیے بی بی کرو گر انتخاب　یاد رکھو۔ اچھی بی بی سے رہو گے کامیاب
خاکسار اور پارسا عورت کو تم ترجیح دو　ایسی عورت پر جو حُسن ظاہری میں فرد ہو

خوشنما ہوتے ہیں صورت میں کنول کے پھول گو — لیکن اُن میں کچھ نہیں بُو باس صورت پہ کیوں ہو
اچھی اچھی صورتیں ہو جاتی ہیں جلدی خراب — تم کو اُس بی بی کا کرنا چاہیے بس انتخاب
جو کہ اچھی طرح رہتی ہو سمجھ رکھتی ہو خوب — وہ نہ ہو جو لائے دولت اور ہوں اُس میں عیوب
وہ ہے ایسا شہد کڑواہٹ بہت رکھتا ہے جو — بیٹھے مکاں میں جو بچ سکتے ہو تم اُس سے بچو
ایسے ہی کرتے رہو تم دوستوں کا انتخاب — معتمد اپنا بنانے سے کرو تم اجتناب
جو ہے ممکن رکھے اک شیریں زباں مکار دل — اور اُس سے ہو تمہارا خود بخود بیزار دل
میرے بیٹو؟ تم مصیبت کا رکھو پہلے خیال — تا کہ آ جائے نہ اُس سے زندگی میں کچھ ملال
سب سے پہلے انتخاب اپنی ضرورت میں کرو — دوستوں کی آزمائش تم حقیقت میں کرو
ہوں تمہارے دوست گر تم سے زیادہ مال دار — دوستی کا تم کرو ہرگز نہ اُن کی اعتبار
چیونٹی سے گرمیوں میں جمع کرنا سیکھ لو — شہد کی مکھی اکٹھا کر رہی ہے شہد کو
گھر بنانا سیکھو گرمی میں ابابیلوں سے تم — آکے جب مشکل پڑے تم عقل کو کرنا نہ گم
پوری ہو جائے ضرورت اور کفایت سے رہو — اور غربت میں نہ تم اپنی حماقت سے رہو
تم کماؤ تو بچو ہر چیز میں ہو مال دار — مال داری میں مگر اپنا نہ کھونا اعتبار
چھوڑ دو گے تم اگر دنیا، اگر مر جاؤ گے — بعد مرنے کے بڑی عزت میں خود کو پاؤ گے
ہوگی دنیا میں تمہاری شان و عظمت آشکار — ہوگی دنیا میں تمہاری قدر و عزت آشکار

فتح سے منسوب ہو جاتی ہے بالآخر شکست
شک نہیں اس میں کہ دنیا ہے بڑی مردہ پرست

از
قیصر (بھوپال)

شہید ناز کی فاتحہ

جواں مرگی

(گذشتہ سے پیوستہ)

موت تو آئی نہ تھی اور ہم کسی پر مر مٹے
وصل کا پیغام گویا موت کا پروانہ تھا

بیٹھک کے کواڑ چاروں طرف سے بند ہیں اور جعفر میاں آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ روتے روتے آنسوؤں کی پٹیاں بندھ گئیں۔ آہ اب کوئی جعفر کو دیکھے۔ یاس کا پتلا بنا ہوا ہے۔ حرماں کی مجسم تصویر ہے۔ ہجوم ناامیدی سے تنگ آکر یکایک وہ دیوانہ وار اٹھا۔ اور کہا۔ اب تو موت کے اسباب خود ہی پیدا ہو گئے۔ یہ مجھے یقین ہے کہ میرے بڑھتے ہوئے شباب کا ماتم ہوگا۔ میری اٹھتی ہوئی جوانی کی گھر گھر عزاداریاں ہونگی اور انصاف تو یہ ہے بلکہ مجھے اپنے مرنے کا خود بھی رنج ہے لیکن کیا کروں ؎

تو ہی کہہ انصاف سے اے عفو جرم خودکشی
اور کیا کرتا سیہ بخت ازل فرقت کی رات

آہ دنیا کی دلفریبیاں مجھے دھوکا دے رہی ہیں اور سب پر ستم یہ کہ سلطان جہاں کی خیالی تصویر کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتی ہے اور گویا میرے ارادے میں مزاحم ہوتی ہے۔ لیکن نہیں اب میں اپنا ارادہ نہیں بدل سکتا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ سلطان جہاں بھی نہ ملے اور دنیا کی رسوائیاں بھی برداشت کروں۔ تھوڑی ہی دیر میں چرچے ہوتے ہونگے اور میرے خلاف تمام گھر میں ایک ہیجان پھیل جائیگا۔ میرا خط پیش ہوگا اور اس پر نئے نئے حاشیے چڑھائے جائینگے۔ پہلے ہی سب کے سب مجھ سے ناراض ہیں۔ یہ ماجرا سنکر اور بھی ناراضگی ظاہر کی جائیگی۔ جی تو بہت چاہتا ہے کہ والدہ سے مل کر دودھ بخشوا لوں۔ اور ان کی مقدس اور نورانی صورت کی زیارت بھی کروں لیکن ہائے اتنا وقت نہیں رہا۔ بس اب

مجھے جلدی کرنی چاہیے۔

یہ کہکر اصغر نے صندوقچہ کھولا۔ اور اُس میں سے (پوائزن) یعنی زہر کی شیشی نکالی اور آنکھیں بند کر کے گلاس مُنھ کے قریب لے آیا۔ اب ہاتھ کی جنبش کو جام ٹیڑھا کرنے کی ضرورت باقی رہگئی تھی کہ دفعتہً کسی خیال سے چونک کر وہ ساغر مُنھ سے ہٹالیا اور کہا ٹھہر او ہستی کے فنا کرنے والے پانچ منٹ کے لیے ٹھہر۔ یہ میں جانتا ہوں کہ تیرا ایک گھونٹ کلیجے کے ٹکڑے اُڑا دیگا۔ لیکن مجھے ایک ارمان بھرے دل کا ضرورت سے جلد خاتمہ نہ کرنا چاہیے۔ کیا کوئی جان بار بار آتی ہے میں اپنا دشمن تو نہیں ہوں۔ کسی کو جان دینی ہے دیے دیتا ہوں دو منٹ بعد سہی۔ خدا کی قسم جب تک سلطان جہاں کے خوبصورت رخساروں کا عکس تجھ میں نہ دیکھ لوں گا۔ کبھی جان نہ دونگا۔ آہ تو ملک الموت کے بھیس میں ہے وہ اگر اپنے اصلی روپ میں ہوتا تو بس یہی کہتا جو تجھ سے کہہ رہا ہوں۔ کسی خوش نصیب نے کہا تھا ع عکس رخسارے تو در جام جہاں می بینم۔ کاش میں یوں کہنے لگوں ع عکس رخسارے تو در جام فنا می بینم۔ رخصت اے گھر کی دیوارو رخصت۔ الفراق اے ننگ و ناموس الوداع لے عقل و ہوش میرا سنگا دان کہاں ہے۔ دیکھوں میری صورت پر مردنی تو نہیں چھائی۔ میرا پہلو فریاد کر رہا ہے۔ اس سے کہدو عروس لحد سے ہم آغوشی ہوگی۔ آہ کوئی میرے سینے میں ہوتا ہے دل ہوگا دل۔ او بزدل کیوں مجھے دیوانہ بناتا ہے آج تیرے ٹکڑے اُڑا دینگا حسرتیں کیوں میرے سامنے سر پیٹ رہی ہیں۔ ظالمو۔ یہ کہاں کا دستور ہے۔ میرے عزیزوں کو میرا پرسا دینا۔ مجھے میرا پرسا دینا بالکل عجیب بات ہے۔ جاؤ عنقریب میرے ہاتھ سے استقلال کا دامن چھوٹ جائیگا۔ آہ تم سب کیوں میری جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو مجھ بدنصیب کو چین سے زندگی بسر کرنی نصیب نہ ہوئی مگر سکون موت بھی میسر نہیں آتی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ مرنے میں بھی خلش ہوتی ہے

کیا علم تھا کہ تم سب میرے ہو کر مجھ سے دشمنی کرو گے۔ یہانتک پہنچ کر یہ بیچین تقریر ختم ہو گئی اور قریب تھا کہ ساتھ ہی اصغر کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ یکایک گھر کے رُخ کی طرف کے کواڑ کسی نے اس زور سے پیٹے کہ یہ گھبرا سا گیا۔ گلا س فور آمیز پر رکھدیا اور جلدی سے کواڑ کھول دیے۔ دیکھا تو بدنصیب ماں کھڑی ہے اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں۔ ماں کے دیکھتے ہی اس سروقد کی بلائیں لیں کلیجے سے لگا یا۔ اور کہا بیٹا دن دن بھر تمھیں اس بیٹھک ہی میں گذر جاتا ہے۔ چاند گھنٹے آدھ گھنٹے کو تو صورت دکھا دیا کرو۔ ہے ہے تمھاری جان سے دور ابھی کیسا بھیانک منظر دیکھا تھا یہ معلوم ہوا کہ تم زہر کا پیالہ پی رہے ہو بس آنکھ کھل گئی۔ سینے میں درد ہونے لگا۔ کلیجہ مُنھ کو آنے لگا۔ بیساختہ دوڑی۔ کواڑ کھٹکھٹائے۔ بارے شکر ہے کہ تم خیریت سے صحیح سلامت مل گئے۔ اثنائے گفتگو میں اصغر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو ماں نے گھبرا کر پوچھا۔ بیٹا تم تو رونے لگے۔ کیا میری باتوں سے تکلیف ہوئی۔

اصغر۔ نہیں اماں جان یوں ہی دل بھر آیا۔ میں تو خوش ہوں اور آپ کو بھی خوش ہونا چاہیے کہ میری زندگی پوری ہو گئی۔ کیونکہ آپ نے مجھے خواب میں مرا ہوا نہیں تو قریب المرگ دیکھا ہے۔ لیکن اماں جان ایک بات میں آپ سے دریافت کرتا ہوں سوچ سمجھ کر اسکا جواب دیجیئے گا۔ فرض کیجیے ایک شخص نے آپ کے پاس ایک خوبصورت پرند بطور امانت رکھا۔ اور کہا اسکی نگہداشت آپ کے ذمے ہے جب میں چاہوں گا آپ سے لے لوں گا۔ آپ نے یہ شرط منظور کر لی اور اُس پرند کو پالنا شروع کیا۔ یہانتک کہ آپ کو اُس سے ایسی محبت ہو گئی جیسی اولاد سے ہوتی ہے پس اگر ایک عرصہ کے بعد اُس پرند کا اصلی مالک اپنا پرند آپ سے مانگے تو کیا آپ کو اُسے واپس کرنے یا دینے میں کوئی تامل ہو گا حالانکہ یہ یقین ہو کہ آپ کی حالت اُسکے پیچھے ناگفتہ بہ ہوتی ہے۔

والدہ اصغر۔ بیٹا تمہاری تقریر کا مفہوم کچھ ایسا پیچدار ہے کہ میں نہیں سمجھی آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔

اصغر۔ میری گذارش اتنی ہے کہ امانت دار امانت دیتے وقت قانوناً شرعاً اخلاقاً کسی طرح کی حیل وحجت کر سکتا ہے یا نہیں۔

والدہ اصغر۔ ہرگز نہیں بلکہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ وہ امانت دینی چاہیے۔

اصغر۔ امّاں جان دیکھیے آپ اسپر قائم رہیے گا ایسا نہو آپکے قدم ڈگمگا جائیں

والدہ اصغر۔ بیٹا یہ تم کیا کہہ رہے ہو میرے پاس کس کی امانت ہے۔

اصغر۔ امّاں جان اس وقت آپ بھولی ہوئی ہیں آپ کے پاس امانت ہے اور مجھے یقین ہے کہ اُسے دیتے وقت آپ بہت روئیں گی اس لیے میں آپ کو جتانا چاہتا ہوں کہ جب وہ امانت آپ سے طلب کی جائے تو آپ اپنے قول کے مطابق نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ واپس کر دیجیے بلکہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کیجیے گا۔

والدہ اصغر۔ میرے پاس تو کسی کی بھی امانت نہیں ہے بیٹا آج تم کچھ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔

اصغر۔ نہیں میں ہوش میں ہوں بلکہ تھوڑی دیر کے بعد آپ محسوس فرمائینگی کہ آپ بیہوش تھی۔ آہ وہ امانت میں ہوں۔ میری اچھی امّاں مجھے خوشی سے رخصت کر دو

یہ کہکر اصغر والدہ کے قدموں میں گر پڑا۔

اُسوقت اصغر کی والدہ کی حالت ناقابل بیان تھی آخر بہت دیر کے بعد سمجھ گئیں کہ اسکا مقصد خودکشی کرنا ہے اور یہ خودکشی جن وجوہات پر مبنی تھی وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے لہٰذا اصغر کو سمجھایا کہ تم ناامید نہو میں آج جاکر پھر کوشش کرونگی

اور یقیناً اب کے میری کوشش ناکام نہ ثابت ہوگی۔ اصغر نے کسی قدر تبسم کے ساتھ بناوٹی خوشی ظاہر کی اور گویا والدہ کا کہنا مان لیا۔ وہ ڈولی کر کے سلطان جہاں کے ہاں روانہ ہوئیں اور یہ اپنی بیٹھک میں آگیا۔

اب میدان خالی تھا۔ اصغر نے کہا بہت اچھا ہوا والدہ سے مل لیا ورنہ آنکی حسرت دید قبر میں ہمیشہ کے لیے تڑپاتی۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ سنگدل چچا برسوں سے راضی نہ ہوئے تو اب جبکہ میرے خطا پر اُن کے غصے کا تھرما میٹر سو ڈگری پر پہنچ گیا ہے کس طرح راضی ہو جائینگے۔ اُن کے پہلو میں گوشت کا دل نہیں پتھر کا دل ہے اُن کا جگر فولاد کا ہے جو کسی طرح ہماری قابل رحم حالت پر نہیں پسیجتا۔ میرے دم کے ساتھ ان کی خلشوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پس اب مجھے آرام کرنا چاہیے تاکہ انھیں آرام مل جائے۔ یہ کہہ کر وہی زہر کا گلاس جو میز پر رکھا ہوا تھا غٹ غٹ پی گیا پھر اپنی مسہری پر چادر تان کر ہمیشہ کے لیے سو گیا۔

آہ دنیا سے روٹھ جانے والے نے اس طرح آنکھیں بند کرلیں کہ پھر کھلنی نصیب نہ ہوئیں۔ دنیا سے منہ پھیرنے والے نے اپنے لیے چادر تان لی تھی کہ پھر [illegible] کی منحوس چیزوں [illegible]

لیلیٰ [illegible] اب تک صحرائے عرب میں [illegible] کی سحر انگیزیاں اب تک اہل ہند کی مشام جان [illegible] کہ جب زمانہ کروٹ بدلے گا [illegible] محبت کی فہرست میں اصغر کا نام بڑے موٹے اور جلی حروف میں لکھا جائے گا۔ اس نے کامل کئی گھنٹے زندگی اور موت سے مقابلہ کیا اُس کے سامنے ایک طرف زندگی

اور اس کے لوازمات تھے دوسری طرف سلطان جہاں تھی اور راہ میں موت کا پل حائل تھا - آخر اصغر میاں نے جان شیریں کی پروا نہ کی اور اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

تجہیز و تکفین

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

اصغر کے مرنے کی چشم زدن میں خبر پھیل گئی - جس نے بھی اس جانگداز خبر کو سنا کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گیا - اپنے تو خیر اپنے تھے - غیروں کے منہ سے آہ نکل گئی اسکی جوانی اُسکا خوبصورت ہنس مکھ چہرا اسکی پیاری پیاری اور میٹھی باتیں یاد آنے لگیں ہر شخص غور کرتا تھا کہ اصغر کا دفعۃً مرجانا خالی از علت نہیں - ایک کہتا تھا میاں پرسوں ہی تو ہم نے انھیں بھلا چنگا دیکھا تھا - ایک کہتا تھا واہ کل ہی مجھ سے گھنٹہ بھر تک باتیں ہوی تھیں غرض اُسکے مرنے کی ہر طرف چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں - اُدھر اصغر کی والدہ اپنی بھاوج کو اُتار چڑھاؤ دے رہی تھیں کہ بوا وہ بھی تمھارا لڑکا ہے اُس پر نہیں تو مجھ پر رحم کرو اس کی حالت بہت نازک ہے مجھے ڈر ہے کہیں خودکشی نہ کر بیٹھے - لوگ تو ڈھونڈا کرتے ہیں کہ جس طرح ہو اپنوں میں رشتہ ہو جائے - تم جس بات کی طمانیت کرنی چاہو میں ہر طرح موجود ہوں - تمھاری لڑکی میری لڑکی ہے میں اُسے اصغر سے بھی بڑھکر سمجھونگی - لیکن خدا کے لیے مجھ شکستہ دل کی آرزو نہ توڑو -

(باقی آیندہ)

مقرب حسین مقرب دہلوی

غزلیات

حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی

بیتابیٔ دل دیکھ کے تڑپا ہے جگر بھی
اے تیر فگن ڈال کوئی ناوک ادھر بھی

دل ہو گیا مجروح کمان اب نہ اٹھاؤ
ٹھہر جاؤ ابھی تیر پہ مرتا ہے جگر بھی

بس نالۂ دل بس مجھے امید نہیں ہے
سمجھے دیکھنے والوں میں ہے ظالم کے اثر بھی

اے آتش غم تو نے کسی کو نہیں چھوڑا
اک داغ لیے آتی ہے ظالم یہ سحر بھی

یا رب یہ شکست دل کی صدا تھی کہ کہاں تھی
نالوں میں کچھ آواز ملاتا ہے جگر بھی

صیاد سے باتیں کروں یا فکر نشیمن
شق ہوتا ہے دل کا ادھر بھی کہ ادھر بھی

سد حادثۂ دہر کی ٹوٹی نہ اجل سے
جاتی نہیں اُن تک مرے مرنے کی خبر بھی

پس کر ترے ہاتھوں کی حنا جب سے ہوا دل
اک خون کا چلو نظر آتا ہے جگر بھی

تنہائی فرقت میں کوئی پاس نہ ٹھہرا
رخصت ہوا آخر کو دعاؤں سے اثر بھی

اندیشۂ فرقت سے پریشاں نہ ہو اے دل
دو چار گھڑی جھیل نکل جائیگا ڈر بھی

چپ دیکھ کے خوشحال نہ سمجھے اہل جہاں کو
ظالم ترے کردار سے دیتی ہے خبر بھی

لٹ کر بھی وہی بھیڑ ہے پہلو میں غموں کی
دل کھو کے تب سمجھا کہ کوئی شے ہے جگر بھی

تھامے ہیں کلیجا وہ مرے دل کو دکھا کے
اک تیر کی تاثیر ادھر بھی ہے ادھر بھی

میری شب غم کیوں ہے زمانے سے نرالی
دنیا ہے یہاں شام بھی ہوتی ہے سحر بھی

برباد نہ کر عشق میں آبادیٔ غم کو
جی جائے تمنا ترے مرنے سے تو مر بھی

چین اب کسی کروٹ مجھے آتا نہیں اے دل
لے آگیا ظالم تری باتوں میں جگر بھی

تنہا ہے وہ شب اور وہ ڈراتی ہے کہ توبہ
بیٹھا ہے کسی غم کے گوشہ میں اثر بھی

گلشن کی طرف منہ کیے بیٹھا ہوں قفس میں — شاید کوئی دمساز نکل آئے ادھر بھی
اے جان بتا تجھکو کروں کس کے حوالے — تلوار بھی گردن پہ ہے قاتل کی نظر بھی

اپنوں کو تباہی کا قلق ہوتا ہے ثاقب
روتا ہے مرے دل کی مصیبت پہ جگر بھی

حضرت بیباک شاہجہانپوری

ہونگے کسی کے سامنے وہ جلوہ گر کہیں — ٹھہرے جو دل تو حشر میں ٹھہرے نظر کہیں
ہر چند سب سے طرز ادا ایک ہے مگر — اُنکی نگاہ زہر کہیں ہے شکر کہیں
آفت فراق میں ہے دلِ بدگماں کا ساتھ — لائے نہ رنگ گریۂ شمع سحر کہیں
نیرنگ حسن کا ہے نمونہ تری نگاہ — ناوک کہیں ہے برق کہیں نیشتر کہیں
طرز نگاہ و شوخیِ رفتار الاماں — بجلی نہ گر پڑے دل بیتاب پر کہیں
اے اضطراب شوق یہ کیا قہر ہوگیا — قاتل کا تیر ناز کہیں ہے جگر کہیں
ضبط سرشک و یاس تمنا گیا علاج دل — باقی رہا نہ داغ جنوں کا اثر کہیں
مانا زمیں کوچۂ قاتل ہے فتنہ خیز — جو زندگی سے تنگ ہو کیا اسکو ڈر کہیں
اس قطعۂ زمین پہ بھی ہوگا آسماں — ہم نامراد جائیں کس امید پر کہیں
ہر چند ناتواں ہیں مگر اک قدم میں ہم — پہنچے کہیں سے صورت گرد سفر کہیں
بے اثر نہ وے وصل بھی جینا محال ہے — پھونکے نہ دل کو سوزش داغ جگر کہیں
پھر دیکھ لینگے پردۂ در ہو کہ آسماں — ہم ہو تو جائیں خاک سر رہگذر کہیں
ٹھہر ٹھہر قدم پہ وادیِ وحشت میں ہے چال — رہرو کہیں ہے راہ کہیں راہبر کہیں
ایسے ہجوم شوق میں کیا اعتبار دل — ضبط فغاں نہ عشق میں ہو پردہ در کہیں

ایسا نہ ہو کہ روز جزا وہ بھی تاڑ جائے
بیباک دل کہیں ہے تمھارا نظر کہیں

حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی

کوئی کب روکش برقِ جمالِ طور رہتا ہے | بہت محفوظ ہے پروانہ جبتک دور رہتا ہے
نشیلی آنکھ میں تصویر ہے مستی جوانی کی | یہ وہ عالم ہے جس میں ہر پری رخ حور رہتا ہے
مجھے وقفِ تماشا کر دیا ہے دل کے زخموں نے | نظر کھنچتی ہے جب تک خنجرِ جراح پر انگور رہتا ہے
کسے ہے اختیار جز و کل دنیا سے فانی ہیں | یہاں انسان ایک اک سانس میں مجبور رہتا ہے
نظر کے سامنے مٹتی چلی جاتی ہیں تصویریں | مگر یہ آئینہ خانہ سدا معمور رہتا ہے
یہاں تو عمر گذری شادمانی کو ترستے ہیں | وہ آدم زاد کب ہے جو یہاں مسرور رہتا ہے
کن انکھیوں سے نہیں تیغ نظر کی شان بھی چھپتی | یہ کیسا بانکپن ہے وار کب بھرپور رہتا ہے
نہیں جاتا کبھی جو قدرتی ہو شعر کا چسکا | سنا جاتا ہے مرتے مرتے یہ ناسور رہتا ہے

بہ رنگِ بوئے گل کیفِ جوانی اُڑ گیا شاعر
گئے وہ دن جو کہتے تھے نشے میں چور رہتا ہے

حضرت عزیز لکھنوی

کرتا ہوں میں نالے تم اثر دیکھتے رہنا | اونچی ہی رہے یہ بھی نظر دیکھتے رہنا
نزدیک ہے ختمِ شبِ فرقت کا زمانہ | بیمار کو ہنگامِ سحر دیکھتے رہنا

رونا بھی عزیز آج کی شب کا نہیں اسہال
آنسو ہیں کہ خونابِ جگر دیکھتے رہنا

حضرت حسرت موہانی

شاہوں کے تکبر سے بھی دب کر نہ رہا میں | کس بارگہِ خاص کا آخر ہوں گدا میں
دیدار کی امید میں کرتا ہوں خطا میں | کس درجہ ہوں گرویدۂ اربابِ عطا میں
دیکھے کوئی نیرنگِ محبت کے یہ نقشے | کرتے ہیں جفا آپ تو دیتا ہوں دعا میں
غیرت میں اک رشک سے برپا ہے قیامت | حالانکہ ترے پاس نہ آیا نہ گیا میں

اُس شوخ پشیماں نے رقیبوں سے بگڑ کر — چاہا تھا کہ پھر مجھ سے ملے پہ نہ ملا میں
بیکار ہے اظہار غضب اہل ستم کا — ڈرتا ہوں میں اُس سے نہ ڈروں گا نہ ڈرا میں
فریاد سراپا ہے مرے شوق کی ہستی — گویا کہ ہوں اک آہ مسلسل کی صدا میں
تعذیر کے قابل نہیں گستاخیِ ارماں — اس راہ پہ جب تو نے چلایا تو چلا میں

آزردگیِ شوق بھی کیا شے ہے کہ حسرت
جاناں کبھی نے وہ خفا ہیں کہ خفا میں

حضرت دل شاہجہانپوری

کیا حالِ دل بیان ہو اس حد کا جوش ہے — ہر نالہ بزم یار میں گویا خموش ہے
سوز دروں کی کون حقیقت کہے سنے — اے اہل بزم شمعِ سحر تو خموش ہے
گیسوِ یار اور علاج دلِ حزیں — تسکین کیا وہ دے گا جو خانہ بدوش ہے
دل گھٹ کے نذر گریہ ہوا اُف رے ضبطِ غم — ہر اشکِ خوں بجائے خود اک تیغ جوش ہے
منہ فق ہے رنگ زرد ہے اک داستانِ عشق — صورت بیانِ حال ہے گو دل خموش ہے
ظالم نے دیکھ کر مرے پُر زرد آبلے — ہنس کر یہ کہدیا کہ محبت کا جوش ہے
ساقی کی بزم عیش سلامت رہے مدام — جب جایئے صدائے بیار و بنوش ہے
چپ ہوں مثالِ شمع مگر رو رہا ہے دل — یہ حالت سکون بھی در پردہ جوش ہے
دل شعلہائے حسن پہ قربان اور اُدھر — مصروف پند زاہد جنت فروش ہے
ضبط فغاں کبھی نہ کبھی رنگ لائے گا — ہر قطرہ خون دل کا مجسم بہ جوش ہے

آتی ہے ہائے دل کی صدا کوئے یار سے
اے دل پسِ فنا وہی جوش و خروش ہے

حضرت جعفر لکھنوی

ایسے دل ہیں کہتے ہیں [illegible] — درِ کچھ منہ سے بول اٹھ تکے حیران کیسے

میان حشر اپنی آفتوں کو بھول جاتے ہیں — مجھے اور یار کو دست و گریباں دیکھنے والے
کوئی اتنا دکھا دے تو گرفتاران الفت کو — سحر کرتے ہیں کیونکر شام ہجراں دیکھنے والے
سمجھ لیں دل میں اپنے آپ ہی اندازہ ایذا کا — نہ پوچھیں حال مجھ سے زخم پنہاں دیکھنے والے
نہ کر دے موت اتنی بیرخی کچھ رحم لازم ہے — کہ تیرے منتظر ہیں شام ہجراں دیکھنے والے
قریب صبح نیرنگ فلک بھی دیکھنا ہوگا — رہیں ہشیار رنگ بزم جاناں دیکھنے والے
امید لطف او معشوق سے یہ غیر ممکن ہے — نہوں غافل کسی کا روئے خنداں دیکھنے والے
مذاق بے محل سے وحشیوں میں برہمی ہوگی — ہنسی روکے رہیں چاک گریباں دیکھنے والے
دلوں میں شاد ایسے ہیں کہ گویا کچھ پڑا پایا — دم رفتار نقش پائے جاناں دیکھنے والے
امید و یاس کا دیکھو تماشا اپنے کوچے میں — کہ کیسے چپ کھڑے ہیں روئے درباں دیکھنے والے
نہ آنکھیں بند ہوتی ہیں نہ ہے دیدار کا یارا — بڑی مشکل میں ہیں تکو مریجاں دیکھنے والے
تصور میں ہزاروں آفتوں کے چلکے بیٹھے ہیں — عجب عالم میں ہیں خواب پریشاں دیکھنے والے

چلو محشر غم فرقت کا اُنسے ماجرا پوچھیں
جو زندہ بچ گئے ہیں شام ہجراں دیکھنے والے

حضرت باسط بسوانی

یاد حق چھوڑ کے اب عشق بتاں کی ٹھہری — دل بیتاب کہاں سے یہ کہاں کی ٹھہری
جب خموشی نے بہت بات بگاڑی اپنی — نگہ یاس سے کچھ حسن بیاں کی ٹھہری
اپنے کوچے سے وہ اُٹھوائیگا مجھکو ستمگر — دل بیصبر اگر آہ و فغاں کی ٹھہری
در بتخانہ پہ خوش ہو کے لگایا بستر — ہم جو کعبہ سے پھرے یاد بتاں کی ٹھہری

ظرف دیکھے تو بہت اُس نے بلا نوشوں کے
آکے باسط پہ نظر پیر مغاں کی ٹھہری

حضرت صفدر (بڑودہ)

قلب میں اپنے جب اُس کی جلوہ آرائی ہوئی — بے حقیقت اس جہاں کی شان و زیبائی ہوئی
کیوں نہیں توحید پر پکڑا ترے دل نے قرار — کیوں طبیعت تیری اے نادان ہرجائی ہوئی
روئیے اب اُنکی حالت پر جہاں تک روئیے — چھوڑکر حق جنکی باطل سے شناسائی ہوئی
کچھ نہ سمجھا نیک و بد ظالم تجھے کیا ہو گیا — ہائے اے ناداں تری معدوم بینائی ہوئی
کاملوں کو چھوڑ کر تو ناقصوں سے جا ملا — ہائے گمراہوں کی اب تجھپر ہے بن آئی ہوئی
گم ہوئے اخلاق تیرے اور شرافت مٹ گئی — جبکہ نا اہلوں سے تیری بزم آرائی ہوئی
کیا ہوئی تیری حمیت کیا ہوئی غیرت تری — بے مزہ وہ حسن اور بے لطف رعنائی ہوئی
کار عقبیٰ میں رہا نادان تو اے بے خرد — کار دنیا میں تو بیحد صرف دانائی ہوئی
حق شناسی سے ہوا انسان کا رتبہ بلند — جس نے حق سے اُنس پکڑا قدر افزائی ہوئی
قدرداں ہے حسن باطن کا خدائے ذوالجلال — حسن ظاہر کی اگر یہ خلق شیدائی ہوئی
غیر پر دل آئے کیونکر چھوڑ کر تجھسا حبیب — میری رگ رگ میں تری الفت ہے گرمائی ہوئی
آشنا سے جو ہوا نا آشنا بدبخت ہے — ہے گھٹا ظلمت کی اُسکے قلب پر چھائی ہوئی
چھوڑ کر باقی کو فانی پر ہوا دلدادہ تو — بزم دنیا کی ہے آرائش تجھے بھائی ہوئی

ہے مجھے محبوب ایماں بات ہے ایمان کی
بے بہا یہ جنس ہے اے صفدر ہاتھ آئی ہوئی

حضرت عزیز منصورپوری

ناز سے تو نے اُٹھائی تھی پلک میرے لیے — دور ساغر میں ابھی سے ہے فلک میرے لیے
تو قفس کو بھی بھلا دیتی ہے اے یاد وطن — رکھ لئے بوئے چمن کم کم مہک میرے لیے
حیرت آباد تمنا میں کوئی صورت نہیں — آرزو کہتی ہے دل سے کچھ تڑپ میرے لیے
باغ عالم میں ہر رنگ گل ہوں لیکن کیا کروں — وقف کر دی رونے کا تو نکلی اک جھلک میرے لیے

دور کا اُٹھنا خرام ناز کا ہمسر ہوا
کیا وہ کر جاتے ہیں چپکے سے چمک میرے لیے

چمن سے جبتک پھر وہی سرشار بزم جنبش
جام ناز یار تو کچھ تو چھلک میرے لیے

جاتے جاتے کہہ گیا ہے سونے والے سے جرس
کارواں کو لے چلا میں تو جھنک میرے لیے

ابتدائے فصل گل میں آشیاں جلنے لگا
موت ٹھہرا ہوش آنا ایک بیک میرے لیے

خون دل کا آخری قطرہ یہ رُک سکتا نہیں
تیری غیرت کیوں کہے اس سے ٹپک میرے لیے

زخم دامن دار کو ہوتی ہے نسبت پھول سے
جب نسیم صبح لاتی ہے چٹک میرے لیے

سادہ لوحی عشق بلبل کی کہ غنچہ پھول ہو
ہائے وہ ہی پھر کہے گا سر تلک میرے لیے

کتنی راتیں ہجر کی تیرے لیے جاگا ہوں میں
آنکھ بھی کھولی نہ تو نے آج تک میرے لیے

دلہن ہوتی ہے خلش سو سو طرح سے جب عزیز
ناز سے اُس نے اُٹھائی ہے پلک میرے لیے

حسرت صدق جائسی

مجھے دیکھکر خود نبض بسمل دیکھنے والے
دکھائیں کیا تجھے بیتابیٔ دل دیکھنے والے

ہوا ہے خاک اگر پہنچا غبار پردہ لیلےٰ
بگولے کی طرح اُٹھ اُٹھ کے محمل دیکھنے والے

ہنسی سمجھے تھے قلب مضطرب پر ہاتھ کا رکھنا
تڑپ کر رہ [illegible] بیتابیٔ دل دیکھنے والے

کمان غمزہ میں [illegible] کر چکا کوئی
[illegible] قاتل دیکھنے والے

نہ چھوٹ جائے کہیں [illegible]
[illegible] دیکھنے والے

سوال وصل کا [illegible] جواب اتنا [illegible]
[illegible] سائل دیکھنے والے

ہے جبتک گیسوؤں میں [illegible] عقدہ کھل نہیں سکتا
دل وحشی کو پابند سلاسل دیکھنے والے

خدا شاہد ہے تیری بیکسی ہے قابل عبرت
[illegible] منزل بمنزل دیکھنے والے

جو کمرا جس جگہ کا ہو وہیں [illegible]
[illegible] حسرت زدہ ٹوٹا ہوا دل دیکھنے والے

یہ شمشیر قاتل دیکھ اس حسرت سے [illegible]
نگاہ یاس سے ہو جائیں قاتل دیکھنے والے

بتانِ شوخ کو دل دیکھنے کا صدق دعویٰ ہے
مرے اشعار تو دیکھیں مرا دل دیکھنے والے

ریویوز

ذخیرہ - حیدرآباد دکن کا ایک شاندار مصور رسالہ ہے جسمیں ظاہری شان و شوکت اور خوبیوں کے علاوہ نہایت پُرزور اور قابلِ قدر مضامین درج ہوتے ہیں اسکے ایڈیٹر جناب سید ناظر الحسن صاحب ہوش بگرامی نے اپنے رسالہ ذخیرہ کے لیے ادیب اور اردوے معلیٰ کی تقطیع کا انتخاب کیا ہے جو اردو ماہواری رسالوں کے لیے بہت پسند کی جاتی ہے۔

جنگ کے زمانے میں کسی رسالہ کا ولایتی کاغذ پر مع تصویر کے شائع ہونا بہت مشکل امر ہے مگر ابتک ذخیرہ اسی شان و شوکت سے نکلتا ہے جو اس نے شروع میں اختیار کی تھی۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک جناب ہوش صاحب اپنے رسالہ کو باقاعدہ وقت پر شائع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور یہ وہ کمی ہے جو ملک کے بیشتر رسالوں میں پائی جاتی ہے۔ خدا کرے ہوش صاحب جلد سے جلد ذخیرہ کو وقت پر لاکر دولت آصفیہ سے شائع ہونے والے ایک رسالہ کی وقت پر شائع نہونے کے الزام سے گلوخلاصی کرائیں۔ صفحات ۵۶ - قیمت عہ سالانہ نمونہ کا پرچہ ۶ر پتہ - دفتر رسالہ ذخیرہ حیدرآباد دکن

دیوانِ صفا - جناب مولوی برکت اللہ صاحب صفا فرنگی محلی نے ہمکو اپنا دیوان بغرض ریویو عنایت فرمایا ہے دیوان ۲۰-۲۲ تقطیع پر تقریباً ڈیڑھ سو صفحوں پر ہے لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ دیوان مجموعی حیثیت سے اچھا ہے ہم نے دیوان شروع سے اخیر تک پڑھا مولوی صاحب کا رنگ قدیم اور پرانا ہے اسیوجہ سے موجودہ مذاق سے بہت کچھ ہٹا ہوا ہے پھر بھی کلام سے پختہ مشقی اور مشاقی ٹپکتی ہے دیوان کی قیمت ایک روپیہ ہے - اور مصنف سے فرنگی محل لکھنؤ کے پتہ سے مل سکتا ہے۔

دوائیوں کے مفصل حالات کی فہرست جسمیں چالیس سخت امراض کی آسان مجرب اور آزمودہ دوائیوں کے نام درج ہیں بلاقیمت دمحصول منگا کر دیکھیے......

دوا خریدتے وقت ہمارا رجسٹری شدہ TRADE ★ MARK پانچ کون سیاہ ستارہ ضرور دیکھ لیجیے۔ کیونکہ دوائیوں کی نقل بہت ہو گئی ہیں

جینا کیا ہے جو ایک دوسرے کو آرام نہ پہونچا سکے

اسی خیال پر ڈاکٹر ایس کے برمن کی دوائیں بنی ہیں اور اُنکے انمول فائدہ کے حساب سے بہت سستی بکتی ہیں یہی سبب ہے کہ ان دوائیوں کے فائدہ دینے سے اعتبار دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔

آزمائشی بکس



نمونہ کی دوائیوں کے لیے چونکہ روزمرہ کثرت سے خطوط آتے ہیں۔ اسلیے ایک آزمائشی بکس بنایا گیا ہے جس میں چھ نہایت مجرب اور آزمودہ دوائیاں ہیں۔ اگر آپ خود ڈاکٹر بن کر اپنے عزیزوں اور ہمسائیوں کو وبائی امراض کے زمانہ میں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس بکس کو ضرور اپنے پاس رکھیے اس میں مفصلۂ ذیل دوائیاں ہیں جو آپ کے ہر وقت اور ہر موقع پر کام آئیں گی۔

تفصیل ادویات

عرق کافور۔ ہیضہ وگرمی کے دست کی ایک ہی دوا ہے دمہ کی دوا۔ فوراً دم کو دبا دیتی ہے کولا ٹانک۔ ہر ایک کے لیے طاقت بڑھانے کی دوا۔ مقوی باہ گولیاں جیسا نام ویسا کام جلاب کی گولیاں۔ آسانی سے پیٹ صاف کرتی ہیں۔ عرق پودینہ سبز درد شکم وسیاحی درد کی دوا قیمت فی بکس ۱ عہ محصول ڈاک ۴ر

ادویات ہر جگہ دوکانداروں اور دوافروشوں سے ملیں گی ورنہ کارخانہ سے منگایئے

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵-۶ تاراچند دت